ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ | نومبر و دسمبر ۲۰۲۰ء

بانی مُدیر: حافِظ طیّب نواز شہید رحمۃ اللہ علیہ

مسجدِ نبویؐ | مسجد الحرام | بابری مسجد | مسجدِ اقصیٰ

حرمین شریفین سے مسجدِ اقصیٰ تک اور مسجدِ اقصیٰ سے بابری مسجد کی حفاظت اور ان مسجدوں کے منبروں و مناروں سے بلند ہوتے، اللہ کی عطا کردہ شریعتِ محمدیؐ کے پیغام کی خاطر اپنی تلواروں، تیروں اور کلاشن کوفوں سے، اپنی زبان، قلم اور مالوں سے اور اپنی اور اپنی اولادوں کی جانوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مبارک دین کے دفاع کے لیے کھپ جائیں!

'سیف اللہ' حضرت خالد ابن الولید [رضی اللہ عنہ] کے اہلِ فارس کے نام مکاتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خالد بن ولید کی جانب سے ایران کے رؤسا کے نام!

مکتوبِ اول

''تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جس نے تمہارے نظام میں خلل ڈال دیا اور تمہارے مکر کو سست کر دیا اور تمہارے اتحاد کو توڑ دیا۔ اگر ہم اس ملک پر حملہ آور نہ ہوتے تو تمہارے لیے برائی ہوتی۔ اب بہتر یہ ہے کہ تم ہماری فرماں برداری کرو۔ ہم تمہارے علاقے چھوڑ دیں گے اور دوسری طرف چلے جائیں گے۔ اگر تم ہمارے مطیع نہ ہوئے تو پھر تم کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑے گا جو موت کو ایسا دوست رکھتے ہیں جیسے تم زندگی کو محبوب رکھتے ہو۔''

مکتوبِ ثانی

''تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے تمہاری شیخی کِرکِری (کردی) اور تمہارے اتفاق کو توڑ دیا اور تمہاری شان وشوکت مٹا دی۔ پس تم اسلام قبول کرو کہ سلامت رہو گے یا ہماری حفاظت میں آ کر ذمی بن جاؤ اور جزیہ ادا کرو۔ ورنہ میں ایسی قوم تم پر لایا ہوں جو موت کو ایسا عزیز رکھتی ہے جیسا تم شراب خوری کو محبوب رکھتے ہو۔''

تاریخِ اسلام از مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادیؒ، ج ۱ص ۲۷۷-۲۷۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سابقہ نوائے افغان جہاد

نوائے غزوۂ ہند

جلد نمبر: ۱۳، شمارہ نمبر: ۱۱

ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ — نومبر و دسمبر ۲۰۲۰ء

بحمد اللہ...... مسلسل اشاعت کا تیرہواں (۱۳) سال!

افغانستان
کشمیر
پاکستان
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
بنگلہ دیش
ہندوستان
برما
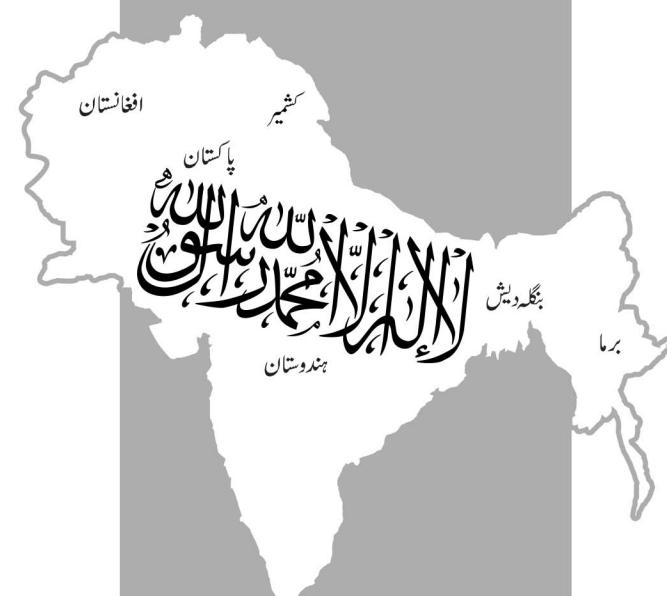
تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Channel
www.nawai.io/Bot

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب اللہ کے راستے میں مسلمان کا دل خوف زدہ ہوتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح کھجور کے خوشے سے کھجور جھڑتی ہے۔''

(طبرانی)

اس شمارے میں

اس کے علاوہ دیگر مستقل سلسلے......

قیمت: اس مجلّے کی قیمت آپ کی دعا...... اور اس دعوت کو فی اللہ آگے پھیلانا ہے!

قارئینِ کرام!

'غزوۂ ہند' تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس 'غزوے' کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّ صغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔ 'غزوۂ ہند' کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام 'نوائے غزوۂ ہند' ہے۔

نوائے غزوۂ ہند:

- اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور محبّین مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔
- برِّ صغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورتِ حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔
- امریکہ، بھارت، اسرائیل اور ان کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے...... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

نحن الذین بایعوا محمدا... علی الجهاد ما بقینا أبدا

صلی اللہ علیه وسلم وعلیٰ آله وصحبه وذریته ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین

میلاد النبی کا مہینہ آتا ہے۔ سرورِ کائنات، آقائے نامدار، بعد از خدا بزرگ و برتر، محمدِ مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ علیہ ألف صلاۃ و سلام کا ذکرِ خیر اس ماہ آپ کی ولادت کی نسبت سے مزید عام ہو جاتا ہے۔ آپ تو 'محمد' ہیں، یعنی 'تعریف کردہ'، آپ کی شان 'ورفعنا لک ذکرک' ہے، بندۂ مومن کا کوئی دن اور مقربین کا کوئی لمحہ آپ کی تعریف کیے بنا نہیں گزرتا، فداہٗ أمہاتنا و آباؤنا و أبناؤنا و أرواحنا!

محبت کے اظہار کے قرینوں سے محض انسان نہیں، ہر ذی روح خوب واقف ہے۔ کسی درندے ہی کے بچے پر جب کوئی دوسرا درندہ حملہ کرتا ہے تو درندہ ہونے کے باوجود جو محبت ماں کو اپنی اولاد سے ہے وہ اس اولاد پر جان وار دینے کا ارادہ بخشتی ہے۔ اس درندہ ماں کو یہ خیال نہیں آتا کہ ہم سب درندے ہیں، ہمارا کام وحشت پھیلانا اور چیر پھاڑ کرنا ہے، نہیں، محبت اپنی فطری درندگی پر غالب آ جاتی ہے۔

کسی سے محبت ہو جائے تو اس کی ایک ایک ادا بھاتی ہے۔ محبوب کی ادائیں اپنائی نہیں جاتیں، عام مشاہدہ ہے کہ محب کے رگ و پے میں خود بخود یہ ادائیں بس جاتی ہیں۔ محبت کی ایک ادا یہ بھی ہوتی ہے کہ محبوب سے محبت کے سبب ایک نظر بھر کر اسے دیکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، محبت، محبت کرنے والے پر محبوب کا ایک رعب بھی رکھتی ہے، اس میں حیا ہوتی ہے۔

رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی اسی طرح کے تقاضے اور اسی طرح کے قرینے رکھتی ہے جو باقی محبتوں کے نام کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، بلکہ محبتِ رسولؐ کے ان عام محبتوں سے زیادہ اعلیٰ و ارفع تقاضے بھی ہیں۔

ہم سب ماہِ ولادتِ رسول اور اس کے بعد کے ماہ و ایام میں، عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بیش ہا قیمتی مواعظ و بیانات و دروس سن چکے ہیں، کروڑہا صفحات صرف ۱۴۴۲ھ کے اس ماہِ مبارک میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان تلے شائع ہو چکے ہیں۔ اس عشق و محبت کی بے انتہا ادائیں ہیں جو ہر ہر آن، ہر ہر گام پر اہلِ ایمان میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک بات ہم نے ان گزرے دنوں میں خاص کر یہ بھی سنی اور سیکھی ہے کہ تقاضائے محبت یہ ہے کہ محبوب کی اداؤں کو اپنا لیا جائے اور ان کی پلکوں کے اشارے پر سر کٹوا دیے جائیں۔

مجلّہ 'نوائے غزوۂ ہند' کا زیرِ نظر شمارہ جب آپ پڑھ رہے ہوں گے تو میلاد النبیؐ کا مہینہ گزر چکا ہو گا اور عیسوی شمسی اعتبار سے ماہِ دسمبر چل رہا ہو گا۔ یہ سب ماہ و ایام ہمارے لیے ایک پیغام لیے ہوئے ہیں۔ یہ پیغام رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کی حفاظت کا پیغام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہِ اول، مسجد الحرام کی حرمت کا سوال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد، مسجدِ نبوی کی حرمت خطرے میں ہے۔ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں کُل انبیائے کرام علیہم السلام کو نماز پڑھائی، وہ مسجدِ اقصیٰ یہود و اہلِ صلیب کے گھیرے میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ہندوستان کی فتح اور غزوۂ ہند کی خوش خبریاں دیں اس سرزمین پر بابری مسجد گرا کر 'ہنومان' اور 'گاؤ' کے پجاریوں نے رام مندر تعمیر کر لیا ہے۔ ان سب مسجدوں کی حفاظت اور ان مسجدوں کے منابر و مناروں سے بلند ہوتی، اللہ کی عطا کردہ شریعتِ محمدیؐ کے پیغام کی ناموس کا مسئلہ ہے۔

بابری مسجد کو خون آلود نہ چھوڑیں۔ مسجدِ اقصیٰ کے آنسو بہتے نہ رہنے دیں۔ حرمین شریفین کو صہیونیوں-صلیبیوں اور ان کے عربی و عجمی 'غلاموں' کو حرمین کی فضاؤں کو فحاشیوں اور شراب نوشیوں کے گناہوں اور یہودی و صلیبی افواج کا اڈا بنائے رکھنے کے لیے چھوڑا نہ رہنے دیں۔

حضورؐ کے دفاع کی خاطر، حضورؐ کی شریعت کے نفاذ کی خاطر، ہر کچے پکے گھر میں حضورؐ کے دین کو پہنچانے کی خاطر، حضورؐ کے صحابہؓ کی مانند اس شعر کو شعار بنائیں، پھر کہیں اپنی تلواروں، تیروں اور کلاشن کوفوں سے، کہیں اپنی زبان، قلم اور مالوں سے اور کہیں اپنی اور اپنی اولادوں کی جانوں سے دینِ حضورؐ کے لیے، اللہ کی رضا کے لیے کھپ جائیں:

نحن الذين بايعوا محمداً
على الجهاد ما بقينا أبداً

ہمیں وہ ہیں کہ ہم نے کی ہے یہ بیعت محمدؐ سے
جہاد اب عمر بھر ہر حال میں کرتے رہیں گے ہم

أللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا ربّ العالمين!

◆◆◆◆◆

عیب جوئی، عجب اور تکبر کا علاج

(ماخوذ از 'کشکولِ معرفت')

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر نوّر اللہ مرقدہٗ

(از ارشادات حکیم الامت مجد دالملت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

عیب جوئی کا علاج

سوال: ایک شخص نے کہا حضور! مجھ میں تو ایک سخت عیب بھی ہے اور سختی کے ساتھ راسخ ہو گیا ہے کہ دوسروں کا عیب تو بہت بڑا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ اس میں غیبت تک نوبت آجاتی ہے اور اپنا عیب نہیں معلوم ہوتا۔ ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ یہ بدعادت مجھ سے دفع ہو جاوے لیکن کسی طرح نہیں جاتی۔ کوئی طریقہ ہدایت فرماویں تاکہ اس پر عمل کرنے سے اس بدعادت کا استیصال ہو جاوے۔ اس خاص صورت میں حضور کی دعا کا متمنی ہوں۔

جواب: دعا بھی کرتا ہوں۔ باقی تدبیر یہ ہے کہ آپ ہر کلام سے پہلے یہ سوچ لیا کیجیے کہ اگر یہ کلام میں نہ کروں تو کوئی ضروری نفع تو فوت نہ ہو گا، جس میں ضروری نفع کا فوت نہ ہونا معلوم ہو اس سے زبان بند رکھیے۔ یہ تو زبان کا انتظام ہے۔ باقی اس کی جڑ کا انتظام یہ ہے کہ جب کسی کے عیب پر نظر پڑے تو یوں سوچا کیجیے کہ گو اس شخص میں یہ عیب ہے مگر ممکن ہے کہ اس میں کچھ خوبیاں ایسی ہوں جن کے اعتبار سے اس کی مجموعی حالت میری مجموعی حالت سے عند اللہ احسن ہو۔ پھر مجھ کو اس کی عیب جوئی یا عیب گوئی کا کیا حق حاصل ہے؟ جس طرح اندھے کو یہ حق نہیں کہ کانے کو چڑاوے۔ بار بار اس مضمون کے استحضار سے ان شاء اللہ، اس عیب کا استیصال ہو جاوے گا۔ اور اگر احیاناً و اتفاقاً پھر بھی اس کا صدور ہو جاوے تو بطور جرمانے کے بیس رکعت نفل پڑھا کیجیے، ان شاء اللہ، نفس سیدھا ہو جاوے گا۔

غرور و تکبر کا علاج

سوال: ایک شخص نے کہا کہ میرے اندر غرور اور تکبر بہت ہے، دوسرے لوگوں کو عقل اور ہوشیاری میں اور کبھی علم میں اور کبھی باپ دادا کی مال داری میں اپنے سے کمتر سمجھتا ہوں۔ گو یہ مرض یہاں پر کم معلوم ہوتا ہے، اپنی بستی میں بہت پایا جاتا ہے۔ حضور اس کا علاج بتلاویں۔

جواب: ایک وقت بیٹھ کر اپنے عیبوں کو سوچا کرو اور زبان سے بھی کہا کرو کہ میں بڑا بے وقوف ہوں، میں بڑا نالائق ہوں۔ آدھ گھنٹہ روزانہ اس میں صَرف کرو۔

علمی و عملی عجب کا علاج

سوال: ایک خیال اب زیادہ آنے لگا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس بیان میں اخلاقِ حسنہ، عقائدِ حقہ، اعمالِ جوارح ضرور یہ کی ترغیب و ضرورت بیان ہوئی ہے تو خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو سمجھ میں بفضلہٖ تعالیٰ پہلے ہی سے موجود ہیں اور جن امورات یا رسومات سے اجتناب ضروری ہے اس پر خیال ہوتا ہے کہ تُو ان سے ہمیشہ ہی مجتنب رہتا ہے تو وہ بیان کتاب دیکھنے میں بے رغبتی یا کم توجہی سے گزر جاتا ہے۔ مگر حضور کل سے خیال ہوا کہ یہ تو ظاہراً عُجب معلوم ہوتا ہے۔ اب حضور اس کا علاج فرما کر تسکین فرماویں۔ اگرچہ بحمدہٖ تعالیٰ اس خیال کا اثر معمول پر نہیں پڑا اور حضور ان خیالات کا جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ضرور معالجہ فرماویں۔ اب یہ خیال زیادہ خراب نہ کرنے پاوے۔

جواب: یوں سمجھنا چاہیے کہ اوّل تو ہر عمل اور ہر خُلق میں درجات کمال کے بھی ہیں جو مجھ کو حاصل نہیں۔ دوسرے جو کچھ حاصل ہیں ان کے بقا کی بھی ضرورت ہے اور مطالعہ مکررہ بقا میں معین ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے علمی و عملی کوتاہی کی اصلاح ہو جاوے گی۔

عجب کا علاج

سوال: اگر بندۂ احقر کے متعلق کوئی بُرائی کرتا ہے تو زیادہ غصہ نہیں آتا اور طبیعت فوراً رُک جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص تعریف کرتا ہے تو طبیعت میں مسرت پیدا ہوتی ہے، مگر فوراً اپنی بُرائی کی طرف توجہ کرلیتا ہے اور اس کو فضلِ خداوندی سمجھتا ہے، یہ مذموم تو نہیں؟

جواب: یہ مذموم نہیں ہے۔

کبر کا علاج

سوال: جو لوگ شریعت کے خلاف کرتے ہیں وہ میری نظر میں حقیر معلوم ہوتے ہیں حالاں کہ میں اس کو بُرا سمجھتا ہوں۔

جواب: طبعاً حقیر معلوم ہونا کبر نہیں البتہ عقلاً اتنا سمجھ لیجیے کہ شاید یہ شخص کسی خاص حالت کے اعتبار سے عند اللہ مجھ سے افضل ہو۔ بس کبر دور کرنے کے لیے اتنا کافی ہے۔

سوال: جب کوئی شخص جس میں عیب ہوتا ہے سامنے سے گزرتا ہے تو اس کی حقارت کا خیال ہو جاتا ہے، لیکن بفضلِ خدا فوراً دل سے آواز آتی ہے کہ تم سے تو اچھا ہے، تم میں فلاں عیب ہے۔

جواب: یہ مجاہدہ مطلوبہ ہے، جو ایسے موقع پر ہونا چاہیے۔

ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اچھا بُرا سمجھنا درجہ احتمال میں کافی ہے یعنی یہ سمجھے کہ گو اس وقت ظاہراً یہ شخص ہم سے کمتر ہے لیکن ممکن ہے کہ اسی وقت اس کے باطن میں کوئی خوبی ہم سے زیادہ ہو۔

سوال: حسبِ ہدایت جناب والا تبلیغِ دین، بیان اخلاقِ ذمیمہ کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں، مگر وجداناً تکبر معلوم ہوتا ہے حالاں کہ طلبہ کا جوتا اُٹھا لیا کرتا ہوں۔ ملنے والوں سے سلام میں ابتدا بھی کرتا ہوں خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ۔

جواب: پھر تکبر نہیں ہے، اور جو اثر وجداناً معلوم ہوتا ہے اس کے مقتضا پر عمل نہ کرنے سے اس کا ازالہ بھی ہو جاوے گا اور جب تک زوال نہ ہو وہ قابلِ ملامت نہیں ہے۔

کبر کے بارے میں ایک شخص کے پوچھنے پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ کبر کا علاج استحضار اپنے عیوب کا اور استحضار اپنے ذنوب کا اور عظمتِ حق کا ہے، اس کے تکرار سے ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مغلوب ہو جاوے گا، اور طبیعت کا گرم ہو جانا یہ ایک اور بات ہے یہ غضب ہے۔ اس کا علاج اس امر کا استحضار ہے کہ جس طرح یہ شخص ہمارا خطاوار ہے اسی طرح ہم حق تعالیٰ کے خطاوار ہیں۔ اگر وہ ہم سے انتقام لینے لگے تو کہاں ٹھکانہ رہے؟ بس جس طرح ہم اپنے عفو کو پسند کرتے ہیں اس کے ساتھ بھی ہم کو یہی معاملہ مناسب ہے۔ غیبت کا سلسلہ شروع ہونے کے وقت سب سے بہتر یہ ہے کہ وہاں سے کسی بہانے سے اُٹھ جائیں اور پھر بھی لغزش ہو جاوے تو ہر غیبت پر دو رکعت صلوٰۃِ توبہ کا التزام ان شاء اللہ نافع ہو گا۔

کبر کی علامت

کبر کی علامت یہ ہے کہ اگر آپ کی کوئی تعظیم نہ کرے تو آپ کو غصہ آوے اور اس کے درپے ہو جاویں۔

عجب کا علاج

سوال: میں آج کل اکثر الگ الگ رہتا ہوں، کسی سے اختلاط نہیں رکھتا۔ اس سے بھی کبھی عجب آمیز خیال پیدا ہوتا ہے۔

جواب: لایضر (کوئی نقصان دہ نہیں) اور ایسے خیالات کی وجہ سے اگر اختلاط کیا جاوے وہ مضر ہو گا۔ شیطان کی یہ بھی ایک ترکیب ہے۔

سوال: اور بعض لوگ اس عدم اختلاط کی وجہ سے کوئی بات مدح کی بھی کہہ دیتے ہیں، اس سے نفس خوش ہوتا ہے۔ اس کے متعلق مجھ کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: سمجھنا چاہیے کہ یہ مادِحین (تعریف کرنے والے) نہ اس کی حقیقت سے آگاہ ہیں نہ میرے دوسرے عیوب سے۔ حسنِ ظن رکھتے ہیں جو ان کی تو خوبی ہے مگر میرے لیے حجت نہیں۔

سوال: یوں تو اعتقاد ہے ہی کہ مغفرت بجز خدا کی رحمت کے ہو ہی نہیں سکتی تاہم کوئی کام اگر توجہ دل سے اچھی طرح انجام پاتا ہے تو اس عمل کی طرف خیال جاتا ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرمادیں گے تو یہ خیال بُرا تو نہیں؟

جواب: یہ خیال بُرا نہیں ہے۔

سوال: اگر کبھی کسی اچھے کام کی توفیق ہو جاتی ہے تو طبیعت نہایت ہشاش بشاش رہتی ہے۔

جواب: یہ علامتِ ایمان ہے۔

سوال: اس میں کچھ حرج تو نہیں۔ شبہ اس لیے ہوا کہ اس کا راز کہیں یہ نہ ہو کہ اپنے اعمال پر خوش ہوتے ہیں۔

جواب: عمل میں دو حیثیتیں ہیں: ایک اپنا کمال، اس اعتبار سے تو اس پر نظر نہ کرنا چاہیے۔ دوسرا یہ کہ خدا کی رحمت ہے، اس اعتبار سے اس پر مسرت خود مامور بہ ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (سورۃ یونس:۵۸)

”کہو کہ: یہ سب کچھ اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوا ہے، لہٰذا اسی پر تو انہیں خوش ہونا چاہیے۔“

سوال: ناجائز آمدنی کا دروازہ خداوند کریم کے فضل و کرم سے پہلے ہی سے بند ہے، طبیعت میں تکبر اور غرور تو بالکل نہیں البتہ خودداری زیادہ ہے۔

جواب: اپنے عیوب اور اپنا ہیچ ہونا اور فنا ہو جانا سوچا کیجیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے اس میں کمی واقع ہو جاوے گی۔

سوال: کسی کی سخت بات کی خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز برداشت بالکل نہیں۔

جواب: بہ تکلف ضبط کر کے اپنے عیوب سوچنے لگا کیجیے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اشتعال کم ہو جاوے گا۔

سوال: اپنی حالت کو دیکھ کر کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ اب میری حالت اچھی ہے۔

جواب: صحیح خیال ہے، مگر اس کے ساتھ یہ سمجھ لیا جائے کہ میں اس کا مستحق نہیں، خدا تعالیٰ کا انعام ہے۔

سوال: مگر پھر بھی خیال ہوتا ہے کہ کہیں عجب نہ ہو اور حق سبحانہٗ کو ناپسند ہو کہ مراجعت قہقریٰ (الٹے پیر زوال کی طرف لوٹنا) کا موجب ہو جاوے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

جواب: ابھی اوپر جس امر کے سمجھنے کا میں نے مشورہ دیا ہے اس کے ساتھ نہ عجب کا احتمال ہے اور نہ ان شاء اللہ نُکس (دوبارہ عودِ مرض) کا اندیشہ۔

سوال: حضرت! بندے کو بعض وقت جب ذکر سے فارغ ہوتا ہوں نفس کو بہت خوشی و فرحت کی حالت محسوس ہوتی ہے۔ اس خوشی کی حالت میں مجھے خوف محسوس ہوتا ہے کہ عجب و کبر کی علامت تو نہیں ہے؟

جواب: اگر اس کو اپنی فضیلت سمجھو تو کبر ہے اور اگر عطائے حق سمجھو اور اپنے کو مستحق نہ سمجھو تو شکر ہے۔

سوال: پھر میں نفس کو کہتا ہوں کہ اے نفس! تو سر تاپا معصیت سے پُر ہے تو کیسے خوش ہوتا ہے۔ تجھ کو چاہیے کہ ہر وقت استغفار کرے۔ حضرت! بعض وقت قلب بالکل خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور کسی کی طرف خیال نہیں رہتا۔ پورا توکل خدا پر ہو جاتا ہے۔ بعض وقت یہ حالت قلب میں نہیں پاتا ہوں تو سخت پریشانی معلوم ہوتی ہے۔

جواب: پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ابتدا میں ایسے انقلابات ہوا کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آخر میں استقامت ہو جاوے گی، اگر اسی طرح کام میں لگے رہے۔

سوال: اور تواضع کا امتحان یہ معلوم ہوا کہ دوسرا بُرا کہے تو دل میں ذرا بھی بُرا نہ مانے، سو غور کر کے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ میں متواضع نہیں ہوں کیوں کہ اگر کوئی چھوٹا شخص (باعتبار عمر وغیرہ) مجھ کو واقعی عیب پر بھی ملامت کرے تو سخت ناگوار ہوتا ہے بلکہ بعض مرتبہ ہمجولیوں اور بڑوں کا فرمانا بھی ناگوار و گراں ہوتا ہے۔

جواب: گراں ہونا مضایقہ نہیں لیکن اس گرانی کے بعد اپنے نفس کو سمجھانا اور اس ناگواری کو دفع کرنا چاہیے یہ بھی ایک درجہ تواضع کا ہے۔

سوال: کبھی کبھی یہ دل میں آتا ہے کہ بحمد اللہ احقر ایسے مرشد بابرکت کی خدمت سے فیض حاصل کر رہا ہے کہ بہت لوگوں کو اس سے محرومی ہوئی۔ پھر اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ کبر میں شمار نہ ہو کہ میں تو ایسے پیر و مرشد سے تعلیم لیتا ہوں اور جن کو یہ بات حاصل نہیں ان سے میں اچھا ہوں۔ لہٰذا حضور والا سے اُمید ہے کہ واضح فرماویں گے کہ اس خلجان کے رفع ہونے کی کیا صورت ہے اور یہ کبر میں داخل ہے یا نہیں؟ کیوں کہ شرارتِ نفس پر مطلع ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

جواب: نعمت پر فخر کرنا کبر ہے، اور اس کو عطائے حق سمجھنا اور اپنی نااہلی کو مستحضر رکھنا شکر ہے۔

سوال: لوگوں سے طبیعت میں بڑی وحشت ہوتی ہے، یہ تکبر تو نہیں؟

جواب: نہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ جن سے وحشت ہوتی ہے ان کو حقیر نہ سمجھے۔ جیسے مریض کو غذا سے نفرت و وحشت ہوتی ہے مگر اس کو حقیر نہیں سمجھتے۔

کبر کیا ہے؟

کسی بھی کمال میں اپنے آپ کو دوسرے سے اس طرح بڑا سمجھنا کہ اس کو حقیر و ذلیل سمجھے۔

کبر کا علاج

یہ سمجھنا اگر غیر اختیاری ہے تو اس پر ملامت نہیں بشرطیکہ اس کے مقتضا پر عمل نہ ہو۔ یعنی زبان سے اپنی تفضیل دوسرے کی تنقیص نہ کرے۔ دوسرے کے ساتھ برتاؤ تحقیر کا نہ کرے، اور اگر قصداً ایسا سمجھتا ہے یا سمجھتا تو بلا قصد ہے لیکن اس کے مقتضائے مذکور پر بقصد عمل کرتا ہے تو مرتکب کبر کا اور مستحق ملامت و عقوبت ہے، اور اگر زبان سے اس کی مدح و ثنا کرے اور برتاؤ میں اس کی تعظیم کرے تو اعون فی العلاج ہے۔

وسوسۂ کبر کا علاج

سوال: اپنا حال بغرضِ اصلاح عرض ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی وضع خلافِ شریعت ہوتی ہے یا جو خلافِ شرع اُمور میں مصروف ہوتے ہیں ان کی ان باتوں سے دل میں نفرت ہوتی ہے اور بلا ضرورت ان سے ابتدا اسلام و کلام کرنے کو محض حق تعالیٰ کی رضامندی کے خیال سے دل نہیں چاہتا۔ بایں ہمہ اپنے کو ان سے اچھا نہیں سمجھتا اور جو باتیں اپنے اندر موافق شریعت کے پاتا ہے ان کو محض حق تعالیٰ کا فضل و احسان جانتا ہے اور ان کے زوال کا اندیشہ ہے کیوں کہ عطا بلا استحقاق ہے۔ اور جو باتیں خلافِ شریعت اپنے اندر جانتا ہے ان کو بھی بُرا اور قابلِ ترک سمجھتا ہے لیکن اپنے سے اتنی نفرت اپنے دل میں نہیں پاتا جس قدر اور لوگوں سے ان کی خلافِ شرع باتوں پر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اندیشۂ کبر ہوتا ہے۔

جواب: نفرت میں تفاوت ہونا کبر نہیں۔ نفرتِ اعتقادی تو دونوں جگہ یکساں ہے اور عبد اسی کا مامور ہے اور یہ تفاوت نفرتِ طبعی میں ہے۔ جیسے انسان کو اپنے پاخانہ سے نفرت کم ہوتی ہے اور دوسرے کے پاخانہ سے زیادہ ہوتی ہے اور راز اس تفاوت کا تفاوت فی المحبت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسانوں کو اپنے نفس سے زیادہ محبت ہوتی ہے بہ نسبت غیر کے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ماں کو اپنے بچے کے پاخانہ سے اتنی نفرت نہیں ہوتی جیسا غیر محبوب کے پاخانہ سے، سو اس کا کبر سے کوئی تعلق نہیں۔

عجب و کبر کا علاج

(المرتب: محمد اختر عفا اللہ عنہ)

عجب: اپنی نظر میں اپنے آپ کو اچھا سمجھنا ہے۔ کبر: اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر بھی سمجھنا اور حق بات کا قبول نہ کرنا۔ اگر کوئی شخص اپنے کو بڑا نہیں سمجھتا اور دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتا اور حق بات قبول کرتا ہے تو یہ دولت اور سلطنت اور شاندار لباس کے باوجود تکبر میں مبتلا نہیں۔ کمالاتِ اشرفیہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ بندہ جس وقت اپنے آپ کو اچھا سمجھتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی نظر میں بُرا اور حقیر ہوتا ہے، اور جب اپنی نظر میں حقیر اور بُرا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھلا اور اچھا ہوتا ہے۔ عجب اور کبر کی بیماری بے وقوف اور بے عقل لوگوں کو ہوتی ہے۔ ایک لڑکی کو رخصتی کے وقت اس کی سہیلیوں نے خوب زیور اور اچھے کپڑوں سے سجا کر کہا کہ بہن! تم کو مبارک ہو کہ بہت اچھی معلوم ہو رہی ہو۔ وہ رونے لگی کہ نہ معلوم شوہر کی نظر میں میرا یہ حسن قبول ہو گا یا نہیں؟ میرے حسن کا فیصلہ شوہر کے ہاتھ میں ہے، تمہارے ہاتھ میں نہیں۔ گزارہ تو شوہر کے ساتھ ہے، اسی کی نظر کا فیصلہ اصل فیصلہ ہے۔ اس لڑکی سے بھی اُس کی عقل خراب ہے جو اپنے مالک کے فیصلے سے قبل دنیا میں خود کو اچھا سمجھ رہا ہے اور چند انسانوں کی تعریف سے بے وقوف ہو گیا جبکہ قیامت کے دن کا فیصلہ باقی ہے جو اصل فیصلہ ہو گا۔ اس سے قبل اپنے کو اچھا اور بڑا سمجھنا انتہائی بے عقلی اور بے وقوفی ہے۔ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عمدہ شعر کہا ہے

> ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
> وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

جو شخص لوگوں کی تعریف سے اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنے گھوڑے کی لاتوں کی شرارتوں سے تنگ آ کر اسے دلال کو فروخت کرنے کے لیے دیا۔ دلال نے بازار میں اس گھوڑے کی خوب جھوٹی تعریفیں لوگوں کو سنانی شروع کیں۔ اس بے

وقوف نے کہا کہ جب اس میں یہ خوبیاں ہیں تو ہم نہیں فروخت کرتے حالاں کہ تمام عمر اس گھوڑے کی خباثت اور شرارت کا تجربہ بھول گیا۔ اسی طرح جو مدتوں اپنے نفس کی شرارتوں اور معاصی سے واقف ہے، کسی کی تعریف سے اس کا اپنے نالائق نفس کو لائق سمجھنا نہایت درجہ کا گدھا پن اور حماقت ہے۔ عجب اور کبر کی بیماری سے انسان حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اپنی ہر صفت کو یعنی علم اور دولت اور حسن و جمال یا صحت کو حق تعالیٰ شانہٗ کا عطیہ سمجھنا چاہیے اور اس کو اپنی ذاتی صفت سمجھ کر اس پر نظر کرنا ایسا ہے جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب کے سامنے ایک آئینہ نکال کر اپنی ہی آنکھ ناک دیکھ رہا ہو تو ایسے عاشق کو اس کا محبوب دھکے دے کر نکال باہر کر دے گا۔ عجب اور کبر کا مرض دنیا اور آخرت دونوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو اپنے کو مٹائے اور تواضع اختیار کرے تو حق تعالیٰ اس کو عزت اور بلندی عطا فرماتے ہیں۔ پس یہ اپنی نظر میں حقیر ہوتا ہے مگر مخلوق کی نظر میں باعزت اور کبیر ہوتا ہے۔ اور جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ذلیل فرماتے ہیں۔ پس وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہے اور اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے حتیٰ کہ مخلوق کی نظر میں وہ سور اور کتے سے بدتر ہوتا ہے۔

علاجِ کبر از مرقاۃ

فَاِذَا رَأٰی مَنْ هُوَ اَكْبَرُ مِنْهُ سِنًّا قَالَ هُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ لِاَنَّهٗ اَكْثَرُ مِنِّيْ طَاعَةً وَاَسْبَقُ مِنِّيْ اِيْمَانًا وَّ مَعْرِفَةً، وَاِنْ رَأٰی اَصْغَرَ مِنْهُ قَالَ اِنَّهٗ خَيْرٌ مِّنِّيْ لِاَنَّهٗ اَقَلُّ مِنِّيْ مَعْصِيَةً۔

جب اپنے سے بڑی عمر والے کو دیکھے تو یہ کہے کہ وہ ہم سے بہتر ہیں کیوں کہ ان کی طاعات ہم سے زیادہ ہیں اور ایمان و معرفت میں ہم سے بڑھے ہوئے ہیں، اور اگر اپنے سے عمر میں چھوٹے کو دیکھے تو یہ کہے کہ وہ مجھ سے بہتر ہیں کیوں کہ ان کی معصیت مجھ سے کم ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: امیر المومنین کی ہدایات

بدگمانی کے نقصانات

بدگمانی کے بہت سے نقصانات ہیں:

پہلا یہ کہ، جیسا کہ آیتِ مبارکہ میں ذکر ہوا ہے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ یعنی بعض گمانوں کی اتنی گناہ ہے جس کے کرنے سے ایک فرد سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے، اور وہ گناہ یہ ہے کہ مومنین پر بلاوجہ بدگمانی کی جائے۔

دوسرا یہ کہ، بدگمانی سے دلوں میں عداوت پیدا ہوتی ہے اور قریبی تعلق رکھنے والے افراد کے دلوں کے درمیان فاصلے پیدا ہو جاتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ، جب امرا کے بارے میں بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا انجام امیر کی عدم اطاعت ہوتا ہے۔

(وما علينا إلّا البلاغ المبين!)

بقیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

غازی آل و مال کے ساتھ تیاریوں میں مگن ہیں، ان شاء اللہ جو خادم آپ کے روضے پر حاضر ہو کر فتح سندھ و ہند کی خبر لائیں گے تو آپ کے اور اپنے اللہ سے دعا ہے کہ خادم بھی ان میں ایک ہو۔

یارسول اللہ! آپ کا وعدہ سچا ہے، عدنِ ابین میں بارہ ہزار مجاہدوں کا لشکر تیار ہو رہا ہے جو آپ کے دین کی نصرت کے لیے حجاز کی جانب نکلنے کو تیار ہے۔ یارسول اللہ بابری مسجد اور مسجدِ اقصیٰ کو اب آپ کی شمعِ رسالت کے پروانے آنسو بہانے کے لیے نہیں چھوڑیں گے۔ آپ کے مجاہد عاشق آپ کی وصیت کو ایک بار پھر بہت جلد پورا کیا چاہتے ہیں کہ 'مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دو!'۔

یااللہ! اپنے حبیب تک اس عاصی کا یہ خط پہنچا دے، بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اللهم صل على محمد و على آل محمد كما صليت على ابراہيم وعلى آل ابراہيم انک حميد مجيد!

بقیہ: مقالہ نظامِ تعلیم

- خفیہ سکولز: اشتراکی روس کے پر تشدد دور میں مقبوضہ اسلامی ممالک میں بچوں کو مذہب کی تعلیم زیر زمین خفیہ طور پہ دی جاتی تھی۔ اسی طرح اب بھی مشرقی ترکستان (چین کا قبضہ کردہ علاقہ جسے چینی زبان میں سنکیانگ یا شن جیانگ کہتے ہیں) اور کئی دیگر ممالک میں جاری ہے۔ بنیاد اس کی اصحاب اخدود کے قصے میں اس نیک بچے کی ہے جو راہب کے پاس جا کر دین کی خفیہ تعلیم حاصل کرتا تھا جبکہ بادشاہ نے اسے جادوگری کی تعلیم حاصل کرنے پر مامور کیا تھا۔

آخر میں قارئین سے استدعا ہے کہ فکر و عمل کی ان گزارشات کو سامنے رکھتے ہوئے بہتر اسلامی مستقبل کے لیے سنجیدہ کوشش کریں۔ وماعلینا الا البلاغ۔

تـمّـت بالخيـر

وآخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمين!

اطاعتِ امیر [۲]

امیر کی اطاعت دوسروں پر فوقیت دینے کی شرط پر ناجائز ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ہلاک ہو وہ شخص جو دینار کا غلام ہو، درہم کا غلام ہو اور چادر کا غلام ہو، جب اس کو (مال و دولت اور لباس فاخرہ) ملے تو خوش اور راضی ہو اور اگر نہ ملے تو ناراض و ناخوش ہو اور (دیکھو) جب اس شخص کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو کوئی اس کو نہ نکالے۔ سعادت و خوش بختی ہے اس بندے کے لیے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑا ہے، اس کے سر کے بال پراگندہ اور قدم غبار آلود ہیں، اگر اس کو لشکر کی اگلی صفوں کے آگے نگہبانی پر مامور کیا جاتا ہے تو پوری طرح نگہبانی کرتا ہے اور اگر اس کو لشکر کے پیچھے رکھا جاتا ہے تو لشکر کے پیچھے ہی رہتا ہے، اگر وہ لوگوں کی محفلوں میں شریک ہونا چاہتا ہے تو اس کو شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی اور اگر کسی کی سفارش کرتا ہے تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جاتی۔“

یعنی کہ جو شخص اسبابِ دنیا کے حصول کا حریص ہو جب اس کو کچھ دیا جائے تو خوش اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض، یہ شخص ہلاک ہو، اس کی کوئی مدد نہ کرے۔

اللہ کی نافرمانی کی صورت میں امیر کی اطاعت نہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت لازم نہیں، اطاعت نیکی کے کاموں میں ہے۔“

اطاعت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ مسلمان متحد اور یک جان رہتے ہیں، کیونکہ مسلمان اگر متحد نہ ہوں تو ان میں سے ہر ایک فتنے میں پڑ جائے گا۔ اطاعت کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے مسلمان کافروں پر غالب آتے ہیں۔

مسئولین اور امرا کے بارے میں نیک گمان رکھیے

تمام عوام اور خصوصاً مجاہدین کو چاہیے کہ اپنے امرا اور باقی مسئولین کے بارے میں نیک گمان رکھیں اور ان کی خدمات کو فاسد تاویلات سے ضرر نہ پہنچائیں اور ان سے اچھا گمان رکھیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ○ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

”اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بہت مہربان ہے۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ان کے کاموں میں ظاہراً آپ کو خیر نظر آتی ہے، تو پھر اہلِ خیر پر بدگمانی نہ کرو۔“

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”بدگمانی کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ بدگمانی باتوں کا سب سے بدتر جھوٹ ہے اور بلا ضرورت دوسروں کے احوال کی ٹوہ میں نہ رہو، کسی کی جاسوسی نہ کرو، کسی کے سودے نہ بگاڑو، آپس میں حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو اور سارے مسلمان اللہ کے بندے اور ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہو۔“

امام قرطبی نے لکھا ہے:

”اس حدیث و آیت میں گمان کے معنیٰ تہمت کے ہیں، ممانعت اس بات کی ہوئی ہے کہ بلاوجہ کسی پر تہمت نہ لگائے، مثلاً کسی پر زنا یا شراب کی تہمت لگانا، لیکن اس پر اس تہمت کے کوئی بھی آثار نہ ہوں، یہی اس کی دلیل ہے کہ گمان یہاں تہمت کے معنیٰ میں ہے: یہ قول اللہ تعالیٰ کا ہے ”ولا تجسسوا“ کیونکہ جب کسی شخص کے دل میں دوسرے مسلمان کے بارے میں بدگمانی ہو جائے تو اس بدگمانی کو ثابت کرنے کے لیے، اس کی تحقیق کے لیے وہ تجسس کرے گا اور اس کی ٹوہ لگائے گا، اس کو اس گناہ پر دیکھنے اور سننے کی کوشش کرے گا، تاکہ اس تہمت جس کا اس کے دل میں گمان پیدا ہوا اس کو ثابت کر دیا جائے، اس قسم کی بدگمانی اور تہمت سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے اور وہ بدگمانی جس کا کرنا حرام ہے، وہ یہ کہ آپ کو اس کے ظاہری اسباب اور نشانیاں نظر نہ آئیں اور وہ شخص جس کے بارے میں آپ بدگمانی کر رہے ہوں اہلِ خیر میں سے ہو، یعنی نیک کام کرتا ہو اور امانت دار ہو تو اس پر تہمت لگانا حرام اور واجب الاجتناب ہے۔“ (باقی صفحہ نمبر 9 پر)

شهید عالمِ ربّانی استاد احمد فاروق رحمہ اللہ

دوسری شرط یہ ہے کہ امیر کی اطاعت کرے؛ تو یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے اندر بہت سے مجاہدین میں کمزوری پائی جاتی ہے۔ اور شاید یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں کمزوری اللہ کی ناراضگی کا سبب بھی بنتی ہے اور نصرت نہ اترنے کا سبب بھی۔ تو امیر کے حکم کو حکم جاننا۔ امیر کا مطلب براہ راست امیر المومنین یا شیخ اسامہ نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جس کو آپ کے اوپر کسی جہادی کام کے سلسلے میں، کسی چھوٹے سے بھی مسئلے میں امیر بنا دیا گیا۔ کوئی مطبخ (باورچی خانے) کا مسئول ہے، تو مطبخ کے کام میں وہ امیر ہے آپ کا، تو آپ نے اس کی بات ماننی ہے۔ کوئی مرکز کا امیر ہے تو مرکز کے دائرے میں آپ کو اس کی بات ماننی ہے۔ اس لیے نہیں ماننی ہے کہ وہ خود اپنی ذات میں ایسا فرد ہے جو واجب الاطاعت ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب تک وہ امیر ہے اس کام کا تب تک آپ نے اس دائرے میں اس کی اطاعت کرنی ہے۔ تو جس جس دائرے میں جو جو فرد یا بچہ چھوٹا سا، کوئی معصوم سا بچہ، علم میں آپ سے کم، کسی طرح کا بھی ساتھی کیوں نہ ہو آپ کے اوپر مسئول بنا دیا جائے (تو اس کی اطاعت کریں)۔ جب ایک عمومی حدیث کہتی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق لے کے چل رہا ہو کوئی خلاف شرع کام نہ کرتا ہو تو اس وقت تک اس کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا تم پر واجب ہے چاہے وہ کوئی نک کٹا حبشی غلام (ہی کیوں نہ ہو) جس کا سر ایسا ہو جیسے کشمش کا دانا ہوتا ہے تو ایسا بد شکل بڈھا آدمی جس کو دیکھ کر بھی کراہت ہوتی ہو وہ بھی اگر تمہارے اوپر امیر بنا دیا جائے تو جب تک شریعت کے مطابق چل رہا ہو اس کی اطاعت کرنا واجب ہے۔ تو یہ دوسرا مسئلہ یا دوسری شرط ہے جو ہم سے مطلوب ہے کہ ہم اطاعت امیر کے مسئلے کو سنجیدہ لیں اور ان چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں اجتہادات کرکے اپنی مرضی چلا کر یہ سمجھیں کہ فلاں بھائی کی بات ہی نہیں مانی ناں یا فلاں امیر صاحب کی بات ہی نہیں مانی ناں...... بات یہ نہیں ہے! اللہ کی بات آپ نے نہیں مانی، اللہ کو ناراض کیا ہے اور اپنے جہاد کی مقبولیت پر ایک بہت بڑا آپ نے سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔

تو یہ دو بالکل واضح کردار اسی میدان میں نظر آتے ہیں۔ جو شخص بھی یہاں رہے گا تو اس کو نظر آئے گا کہ یہ دونوں طرح کے ساتھی بالکل علیحدہ ہوتے ہیں ایک وہ جو سمع و اطاعت کا مجسم نمونہ ہوتے ہیں جہاں بٹھا دو جدھر لگا دو جس کام پر رکھو خوشی خوشی اس کو اختیار کر لیتے ہیں ان کا اپنا ایجنڈا، اپنا پروگرام، اپنا ایک پورا ذہن نہیں ہوتا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھ سے یہ کام لیا جائے ورنہ میں نہیں چلوں گا۔ ایک یہ کردار ہوتا ہے کہ جو اپنی پوری مرضی، سٹار پلییئر بن کے اپنی پوری مرضی چلا رہا ہوتا ہے، وہ کسی کی بات نہیں مانتا اور دوسرا وہ ہوتا ہے کہ جس نے اپنی مرضی کو پورا تفویض کر دیا ہوتا ہے کہ جب تک خلاف شرع امر نہ آئے تب تک وہ اطاعت کرتا رہتا ہے۔ تو بالخصوص جہاں پر کمزوری دکھائی جاتی ہے، ہم سب سے جہاں پر لغزش ہوتی ہے، ظاہری بات ہے کہ اگر امیر کہے کہ نماز پڑھو تو یہ ہر ایک ہی کر لیتا ہے جو یہاں پر جہاد تک آگیا، ایک روزہ رکھو تو یہ بھی وہ کر ہی لیتا ہے اس لیے کہ یہ آپ اس کی بات تو نہیں مان رہے یہ تو آپ براہ راست اللہ کی مان رہے ہیں...... مسئلہ وہاں آتا ہے کہ جہاں امیر کہتا ہے کہ آج مرکز سے باہر نہیں نکلنا، اتنے ساتھیوں نے وہاں اکٹھے نہیں ہونا، ادھر سے ادھر نہیں جانا، آج یہ نہیں پکانا وہ پکانا ہے، ایسے نہیں کرنا...... یہ چھوٹے چھوٹے جو انتظامی معاملے ہوتے ہیں ناں، اس کو ہم یوں لے لیتے ہیں کہ یہ تو چھوٹی سی بات ہے اس میں اگر اپنا اجتہاد کیا تو اس سے کیا فرق پڑے گا تو یہی تو وہ دائرہ ہے کہ جہاں پر پتہ چل رہا ہے کہ آپ نے اپنے امیر کی بات مانی کہ نہیں مانی۔ پہلی بات کہ اگر آپ اس کے خالص شرعی احکامات مانتے ہیں تو وہ نہ بھی کہے تو نماز تو پڑھیں گے ناں، امیر کے کہنے پر تو نہیں پڑھ رہے، روزہ امیر کے کہنے پر تو نہیں رکھ رہے، جہاد امیر کے کہنے پر تو نہیں کر رہے وہ تو ویسے بھی کرنا ہی کرنا ہے۔ اطاعت کا تو یہاں پتہ چلتا ہے کہ جب وہ آلو پیاز جیسے چھوٹے چھوٹے کاموں کے اوپر آپ کو ٹوکے اور وہاں بھی آپ اپنی رائے اٹھا کر اپنی جیب میں رکھیں۔ ایک دفعہ رائے پیش کر دیں، بحث نہ کریں، اس کے بعد مشاورت کے بعد امیر جس فیصلے پر بھی پہنچے اس کی اتباع کریں۔ تو یہ دوسرا مسئلہ ہے اور اس میں بنیادی چیز جو مانع ہوتی ہے وہ "انا" ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے کہ جو ہمیں امیر کا حکم ماننے سے روکتی ہے، انا ہے کہ میں اور اس کی بات مان لوں!! میں جو عمر میں بھی اس سے اتنا بڑا ہوں، میں اس سے زیادہ سمجھ دار ہوں، علم بھی اس سے زیادہ رکھتا ہوں، یہ بے وقوفانہ سی بات تھی اس میں مجھے کوئی خاص حکمت نہیں نظر آرہی اس لیے میں نہیں مانوں

> رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی شخص تمہیں اللہ کی کتاب کے مطابق لے کے چل رہا ہو کوئی خلاف شرع کام نہ کرتا ہو تو اس وقت تک اس کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا تم پر واجب ہے چاہے وہ کوئی نک کٹا حبشی غلام (ہی کیوں نہ ہو) جس کا سر ایسا ہو جیسے کشمش کا دانا ہوتا ہے تو ایسا بد شکل بڈھا آدمی جس کو دیکھ کر بھی کراہت ہوتی ہو وہ بھی اگر تمہارے اوپر امیر بنا دیا جائے تو جب تک شریعت کے مطابق چل رہا ہو اس کی اطاعت کرنا واجب ہے۔

گا...... تو یہ وہ چیز ہوتی ہے جو شیطان دل کے اندر ڈالتا ہے۔ جو اندر کی انا ہوتی ہے جو روکتی ہے اطاعت سے۔ تو جو اپنی انا کو مار لیتا ہے اس کے لیے سمع و اطاعت بہت آسان ہو جاتی ہے۔ تو یہ بلاشبہ بہت بڑی آزمائش ہے۔ لیکن جو شخص اس کو اس سے جوڑے گا ناں کہ اس پر میرے جہاد کی قبولیت کھڑی ہوئی ہے تو وہ یقیناً کسی امیر کے امر کی خلاف ورزی سے پہلے ایک مرتبہ ضرور سوچے گا۔ تو بھائیو یہ دوسری شرط ہے یا یہ دوسری صفت ہے۔ سو جس کو اپنا جہاد قبول کروانا ہے تو اس کے لیے مطلوب ہے کہ وَأَطَاعَ الْإِمَامَ ،یعنی امیر کی اطاعت کی جائے۔

تیسری شرط ہے کہ وَأَنْفَقَ الْكَرِيمَةَ ...... کہ اپنا بہترین مال جو کچھ بھی بہترین اس کے پاس ہے وہ اللہ کے رستے میں خرچ کرے، وہ اس رستے کے اندر لگائے۔ تو وہ مال ہے تو وہ لگائے، وہ چیزیں ہیں تو وہ لگائے، اس کے مجسم نمونے تو جہاد میں ہمارے سامنے گزرے ہیں۔ ماضی میں جائیں اور صحابہ کی زندگیاں اٹھا کر دیکھیں تو اللہ نے ان کا نقشہ یہ کھینچا ہے کہ وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، چاہے وہ خود تنگی کے عالم میں ہوں۔ خود پیٹ بھر کے کھانے کو نہ بھی ہو تو دوسروں پر ایثار کیا کرتے تھے، دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیا کرتے تھے۔ لیکن قریب کی مثال بھی دیکھیں تو یہی شیخ ابو خباب ؒ بتا رہے تھے کہ شیخ زرقاوی ؒ نے ان کے پاس دورہ کیا تھا بارود کا، انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے۔ تو وہ ان کی صفات ایک دن بتا رہے تھے تو انہی صفات میں انہوں نے یہ بات بتائی کہ سراپا محبت تھے اپنے ساتھیوں کے لیے۔ کوئی نئی چیز کوئی نئی گھڑی آئی، کوئی نیا تحفہ ان کے پاس آیا، کوئی نئی جیکٹ آئی، کوئی نیا کپڑا آیا تو وہ کہتے ہیں کہ بس اس طرح تھا کہ بندہ موقع ڈھونڈ رہا ہے ساتھیوں پر چیزیں لٹانے کا تو وہ جو کچھ آتا تھا وہ نکالتے تھے (خرچ کرتے تھے)، نکالتے تھے دوسروں پر، اچھی چیز دے کر خود کمتر پر گزارا کیا کرتے تھے۔ اسی طرح شیخ اسامہ کے بارے میں بھی وہ شیخ ابو خباب ہی یہ بات بتا رہے تھے کہ ان کا بھی بعینہٖ یہی معاملہ ہے کہتے ہیں کہ جب ان کے پاس لاکھوں ہوا کرتے تھے بلکہ کروڑوں ہوا کرتے تھے اس وقت بھی جو ان سے جو مانگتا تھا وہ نہ نہیں کرتے تھے اور جیب سے نکال کر دے دیتے تھے اور کہتے ہیں کہ میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں کہ جب ان کی جیب میں گنتی کے چند سو روپے تھے وہ مانگے تو وہ بھی انہوں نے نکال کر دے دیے۔ تو یہ وہ مطلوبہ صفت ہے اللہ کے ہاں قبولیت کی اور اس میں جو چیز مانع ہے وہ وہ ہے جس کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے کہ انفاق سے جو چیز روکتی ہے وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ...... اللہ فرماتے ہیں کہ جو اپنے دل کی تنگی پہ، چھوٹے دل ہونے کے اوپر جس نے قابو پا لیا جو اس دل کی تنگی سے بچا لیا گیا فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ...... یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ تو یہ کمزور اخلاق کی، گھٹیا اخلاق کی نشانی ہے کہ انسان کا دل اتنی چھوٹی چیزوں میں پھنسا ہوا ہو۔ اس کا دل اپنی گھڑی میں، اپنے عطر میں، اپنے کپڑوں میں، اپنی جیکٹ میں، اپنی ٹوپی میں، اپنے جوتوں میں، ان چیزوں میں اتنا پھنسا ہوا ہو کہ ان چیزوں پر ساتھیوں سے وہ جھگڑتا ہو کہ میری چیز کیوں لے لی؟ میری چیز کیوں اٹھالی؟ اس کا تو معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ لے جاؤ میں ہوں ہی تمہارے لیے، میں مجسم جو ہوں وہ اہل ایمان کے لیے ہوں، جس نے مجھ سے جو کچھ لینا ہے وہ لے کے چلا جائے اس پر اس کو غم نہیں ہونا چاہیے۔

تو یہ وہ صفت ہے جو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے اگر اپنا جہاد قبول کروانا ہے۔ اپنی بہترین چیز، بدترین چیز نہیں۔ اللہ نے قرآن میں کہا کہ خرچ کرنے کا معاملہ آئے تو چن چن کے گندی مندی چیزیں نہ چنو جو گھر کے اندر پھٹے پرانے کپڑے ہیں، وہ نہ نکالو، جو ٹوٹے ہوئے جوتے تھے وہ نہ نکالو۔ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ...... تم اللہ کے رستے میں خبیث گندی چیزوں کو خرچ کرتے ہو، جب کہ تم خود انہیں رکھنا پسند نہیں کرتے! تو جب اللہ کے رستے میں نکالنے کی باری آتی ہے تو پھر وہ چیز نکالی جاتی ہے جو اس کو سب سے عزیز ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالی راضی ہو تاکہ اللہ کو جو تحفہ دیا جا رہا ہے، وہ اصل میں بندے کو نہیں دیا جا رہا وہ تو اللہ کو پیش کیا جا رہا ہے، اللہ کی رضا کے لیے پیش کیا جا رہا ہے، تو کون چاہے گا کہ وہ اللہ کے اعلیٰ دربار کے اندر ایک حقیر، گھٹیا، فضول...... جس چیز کو وہ خود رد کر چکا ہے وہ اللہ کے پاس بھیج دے۔ تو یہ تیسری صفت ہے جو پیدا کرنے کی ضرورت ہے اپنے اندر کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ سب کچھ میرے ساتھیوں کا ہے وہ میرے اہل ایمان بھائیوں کا ہے، وہ مجاہد ہیں یا غیر مجاہد، ان کے لیے میں سراپا محبت و شفقت اور ان پر سب کچھ میں لٹانے والا ہوں۔ تو وہ اموال ہوں یا اموال کے علاوہ میرے پاس جو کچھ میسر ہے وہ سب کچھ ہو اور اس میں میری راحت بھی شامل ہے، میرا آرام بھی شامل ہے کہ ساتھیوں کی خاطر کبھی یوں ہی فالتو جاگنا پڑ جائے، ساتھیوں کی خاطر کسی اور کو خوش کرنے کی خاطر یعنی مجھے دال پسند ہے اور ساتھیوں کو آلو پسند ہیں تو یہ وہ چیز نہیں ہے کہ جس نے اپنا جہاد قبول کروانا ہے تو ان چیزوں پر پھنسے گا...... کہ نہیں بھئی میری خواہش ہے اس لیے یہ پکنا چاہیے، تو یہ مرکز میں ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہوتی ہیں ناں، آپس میں جو لڑائیوں کا، جھگڑوں کا، دلوں کی دوری کا باعث بنتی ہیں۔ تو کیوں ہم اس دلوں کی تنگی میں مبتلا ہوں؟ اللہ سے مانگنے کی ضرورت ہے کہ یہ بہت بڑا شیطان کا شکنجہ ہے، دل کی تنگی والا جو مسئلہ ہے۔ یہ بخل جس کو کہیں یا کوئی بھی اس کو نام دیں، تو اللہ تعالیٰ سے یہ مانگنے کی ضرورت ہے کہ اللہ ہمیں اس دل کی تنگی سے محفوظ کرے اور اللہ تعالی ہمیں آخرت کے اجر پر نگاہ رکھتے ہوئے دنیا کا سب کچھ آخرت کی خاطر لٹانے کی توفیق دے اور اس کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

زندگی اور موت

ألحمد لله والصلاة والسلام على سيّدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم!

تعارف

ہم، اس دنیا میں بسنے والی بنی نوعِ انسان، اس خام خیالی کے زیرِ اثر ہیں کہ ہم اسی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور یہی ہماری مستقل قیام گاہ ہے۔ ہم اس حقیقت کو جاننا اور سمجھنا نہیں چاہتے کہ ہماری مثال تو ریل گاڑی کے مسافر کی سی ہے۔ یہ ریل گاڑی اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے مختلف سٹیشنوں سے گزرتی ہے، اور یہ دنیا انہی سٹیشنوں میں سے ایک سٹیشن پر ذرا دیر کے قیام کا نام ہے۔ ہمارا فی الحقیقت اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ریل کے اس سفر میں ہماری گاڑی تین سٹیشنوں سے گزرتی ہے۔ ہم نو ماہ رحمِ مادر میں رہتے ہیں اور پھر جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو پہلا سٹیشن گزر جاتا ہے اور دوسرے پر قیام کا وقت آ جاتا ہے۔ پھر ہم کچھ عرصہ اس دنیا میں گزارتے ہیں۔ اور پھر جب ہم مر جاتے ہیں تو یہ دوسرا اسٹیشن بھی گزر جاتا ہے اور تیسرے کی جانب سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ تیسرا اسٹیشن جنت یا جہنم کا سٹیشن ہے، اور یہی ہماری آخری منزل ہے۔

ہم اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ ہم مسافر ہیں اور حالتِ سفر میں ہیں۔ اسی لیے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''كن في الدنيا كانك غريب او عابر سبيل''یعنی 'اس دنیا میں ایسے رہو گویا کہ تم ایک مسافر ہو'۔ اور انہوں نے دنیا کی زندگی کی مثال ایسے بیان کی کہ جیسے کوئی شخص صحرا میں سفر کر رہا ہو اور اسے ایک سایہ دار درخت نظر آ جائے۔ وہ اس درخت کے سائے تلے کچھ دیر دم لینے کو بیٹھ جائے، تھوڑا سا آرام کر لے تو پھر دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو جائے۔ بس یہی دنیا ہے۔ ہم اس درخت کے نیچے چند لمحات گزارتے ہیں، اور پھر دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ لمحہ لمحہ کر کے یہ سفر طے ہوتا رہتا ہے۔ کیا آپ ہر لمحے گزرتے وقت کو روک سکتے ہیں؟ وقت کی یہ مسلسل جاری حرکت ہماری دنیاوی زندگی کو کھا جاتی ہے۔ ہر گزرتا لحظہ اپنے ساتھ ہماری زندگی کے ایک حصّے کو بھی لے جاتا ہے۔ ہمیں اس حقیقت پر ایمان لانے کی ضرورت ہے کہ ہم دنیا سے تعلق نہیں رکھتے۔ ہمیں موت کی تیاری کی ضرورت ہے۔ اور اس سلسلے کا مقصد بھی یہی ہے، کہ موت اور آخرت کی جانب رواں دواں اپنے سفر کو سمجھیں اور اس کے لیے تیاری کریں۔

اہداف

انسان جو بھی کام سر انجام دیتا ہے، اس کام کے کرنے کے پیچھے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد کار فرما ہوتا ہے۔ آخرت کے حوالے سے گفتگو اور بات چیت کرنے کے پیچھے کیا مقصد ہے؟ ہم کیوں آخرت کی بات کرتے ہیں؟

۱.) یہ ایمان کا ایک ستون اور اس کا حصّہ ہے۔ آخرت پر ایمان لائے بغیر انسان کا ایمان ناقص رہتا ہے۔

۲.) ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں تو مسائل اور پریشانیوں کا ایک انبوہ پاتے ہیں۔ ہمارے درمیان ایسے مسلمان بھی ہیں جو شراب نوشی کرتے ہیں، یا سودی کاروبار کرتے ہیں یا زنا و بدکاری میں ملوث ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ وہ کیا چیز ہے جو ہم میں نہیں ہے جس کی بدولت یہ سب مسائل پیدا ہوتے ہیں؟ حضرت عائشہؓ ایک چھوٹے سے جملے میں انفرادی و اجتماعی انقلاب کا پورا لائحہ عمل بیان کرتی ہیں۔ وہ فرماتی ہیں 'اگر قرآن کی نازل ہونے والی آیات میں سے پہلی آیت ''لا تشربوا'' ہوتی، تو لوگ کہتے ''ہم کبھی شراب نوشی ترک نہیں کریں گے''۔ اور اگر قرآن مجید کے احکام میں سے سب سے پہلے یہ حکم نازل ہوتا کہ ''زنا و بدکاری نہ کرو'' تو لوگ کہتے کہ ''ہم کبھی زنا و بدکاری ترک نہیں کریں گے''۔ لیکن قرآن کریم کی نازل ہونے والی آیات میں سے اوّلین کا تعلق ان مفصّل سورتوں سے ہے جو جنت اور جہنم کے تذکرے سے بھری ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ دل اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے جڑ گئے، اس کے بعد حلال و حرام سے متعلق احکامات نازل ہوئے'۔

مکّی دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ زیادہ احکامات نازل نہیں ہوئے۔ شرعی احکامات کی اکثریت مدینہ میں نازل ہوئی۔ مکّہ میں تو صرف ان احکامات کو قبول کرنے کے لیے قلوب و اذہان کو تیار کیا گیا اور ایمان سے دلوں کو بھرا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ غیب کا تذکرہ، اور جنت و آخرت کا تذکرہ دلوں کو اللہ سے جوڑتا ہے اور جہالت و گمراہی کے پردے چاک کرتا ہے۔ جبکہ ہمارا مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم محض جہالت میں مبتلا نہیں ہیں (گو کہ وہ بھی ایک مسئلہ ہے) مثلاً ہر شخص جانتا ہے کہ شراب اور نشہ حرام ہے۔ اس کے باوجود کچھ لوگ شراب نوشی کرتے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے

کہ سود حرام ہے، مگر پھر بھی لوگ سودی لین دین کرتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے، مگر پھر بھی کچھ لوگ اسے ادا نہیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑا مسئلہ ناکافی ایمان ہے۔ دل پتھروں کی مانند سخت ہیں۔ ایسے سخت دلوں کو کیا چیز نرم کرتی ہے؟ یہ آخرت اور غیب میں رکھی گئی چیزوں کا تذکرہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم وہ کچھ جانتے جو میں جانتا ہوں، تو تم روتے زیادہ اور ہنستے کم''۔

حضرت علی ابن ابی طالبؓ فرماتے ہیں: ''اگر میں جنت کو اپنی کھلی آنکھوں سے بھی دیکھ لوں تو مجھے کچھ فرق نہ پڑے گا، وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب نہ ہو گی جتنی کہ اب ہے۔ اور اگر میں جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تو بھی مجھے اس سے اس سے زیادہ خوف محسوس نہ ہو گا جتنا کہ اب ہے''۔ گویا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ وہ جنت و جہنم کو اتنی اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ اب اگر اپنی آنکھوں سے بھی ان کو دیکھ لیں تو ان کو کچھ فرق نہ پڑے گا۔ وہ ایسے ہی جیتے ہیں گویا کہ جنت و جہنم کو اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھتے ہوں۔

۱۹۳۰ء کی بات ہے کہ امریکہ میں یہ قانون پاس ہوا کہ شراب پر پابندی لگا دینی چاہیے۔ سبحان اللہ! یہ چیز فطرت میں شامل ہے کہ انسان جانتا ہے کہ الکحل اس کے لیے مضر ہے۔ انہوں نے یہ قانون پاس کیا اور اسے نافذ کرنے کی کوشش کی۔ اس سارے عمل کے دوران، تقریباً پانچ لاکھ افراد جیلوں میں ڈالے گئے، لاکھوں کروڑوں ڈالر اس قانون کے نفاذ میں صرف ہوئے، ہزاروں افراد قتل ہوئے۔ لیکن شراب کی کھپت میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ ہر دوسرے گھر میں غیر قانونی شراب کا کاروبار ہوتا تھا۔ شراب تیار کرنے کا طریقہ اس قدر گندا اور مضرِ صحت ہے کہ وبائیں اور امراض پھیلنا شروع ہو گئے۔ چار سال بعد، شراب پر سے پابندی ہٹالی گئی۔ یہ ہے امریکہ 'بہادر' کی طاقت و قوت۔ وہ شراب نوشی پر پابندی کا ایک قانون نافذ نہ کر سکے۔ اور اگر آپ چودہ صدیاں پیچھے مڑ کر دیکھیں تو کیا منظر نظر آتا ہے؟

جبرئیلؑ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ احکامات لے کر آتے ہیں کہ خمر (شراب و نشہ آور اشیا) حرام ہے اور یہ شیطان کے اعمال میں سے ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ○ (سورۃ المائدۃ: ۹۰)

''فاجتنبوا!'' اس سے دور رہو! حرمتِ شراب میں یہ آیت نازل ہوتی ہے اور پیغمبرؐ اپنے ارد گرد موجود صحابہؓ کو یہ آیت سناتے ہیں۔ یہ صحابہ اس آیت کو لے کر ہر طرف پھیلا دیتے ہیں، اور ہر جگہ یہ خبر پہنچ جاتی ہے کہ شراب پینا اب حرام ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت شراب پیش کر رہا تھا۔ ہم نے باہر گلی میں یہ خبر سنی اور میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا شراب کا پیالہ پھینک دیا۔ بعض صحابہؓ جن کے ہاتھوں میں شراب کے جام تھے، انہوں نے وہ اپنے ہاتھوں سے پھینک دیے۔ بعض کے منہ میں شراب تھی جس وقت یہ خبر ان تک پہنچی، انہوں نے فوراً اسے باہر اگل دیا۔ کچھ تو اس حد تک چلے گئے کہ ان کے پیٹ میں جو شراب پہنچ چکی تھی، اسے بھی قے کر کے باہر نکالا۔ مدینہ کی گلیوں کی یوں منظر کشی کی جاتی ہے کہ یہ حکم نازل ہونے پر شراب گلیوں میں بہہ رہی تھی۔

آپ نے دیکھا کیسی فوری تعمیل ہوئی حکم کی! لوگوں کو جیلوں میں ڈال کر قانون نافذ نہیں کرنا پڑا۔ لوگوں پر کوئی سختی یا کوئی جبر نہیں کرنا پڑا۔ ایسا کیوں ہے کہ مدینہ میں تو اتنی مکمل تابعداری کے ساتھ قانون و شریعت کی پاسداری کی گئی جبکہ امریکہ میں ایسا نہ ہوا؟ یہ ورع کا فرق ہے۔ صحابہ کرامؓ اس حکم کے لیے تیار تھے۔

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

> ''میں حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح، ابو طلحہؓ اور اُبی بن کعبؓ کو تازہ اور کچی کھجوروں سے تیار شدہ شراب پیش کر رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ 'یقیناً شراب حرام کر دی گئی ہے'۔ پس ابو طلحہؓ نے فرمایا: 'انس! اٹھو اور شراب کا یہ گھڑا توڑ دو!'، اس پر میں اٹھا اور ایک نوکیلے پتھر سے گھڑے پر ضرب لگائی یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گیا۔''

پس ہمیں آخرت کے حوالے سے گفتگو کر کے اپنے آپ کو تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے کے دوران ہم جن موضوعات پر گفتگو کریں گے اس کا خاکہ درجِ ذیل ہے:

1. القیامۃ الصغریٰ:
   - أ. موت
   - ب. قبر
   - ج. روح
   - د. اشراط الساعۃ (قیامت کی نشانیاں)
2. القیامۃ الکبریٰ
   - أ. البعث والنشور
   - ب. اھواء القیامۃ
   - ج. الحساب والجزاء
   - د. جنت و جہنم

ہم سب اسی سمت کے مسافر ہیں۔ اور اس سفر کے یہ مختلف مقامات ہیں، جن سے ہم گزریں گے۔ شروع کرنے سے پہلے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی مدد و نصرت طلب کرتے ہیں۔ اور اب آیئے، دیکھتے ہیں کہ قیامۃ الصغریٰ کیا ہے، یہ موت سے شروع ہوتی ہے۔

الموت:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ......(سورۃ الانبیاء: ۳۵)

''ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔''

بخاریؒ کی روایت ہے کے چند بدّو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان ﷺ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے سب سے کم عمر کی جانب اشارہ کیا اور فرمایا: ''جب تک یہ اپنے بڑھاپے کو پہنچے گا، تب تک تمہارا یومِ جزا شروع ہو چکا ہو گا''۔ جب ایک شخص کو موت آلیتی ہے تو بس، اس کا حساب کتاب شروع ہو جاتا ہے۔

انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر بالکل خاموش رہے۔ پھر ایک کم عمر بچے کی جانب اشارہ کر کے فرمایا: ''اگر یہ لڑکا زندہ رہا اور لمبی عمر پائی تو یہ اپنے بڑھاپے کو نہیں پہنچے گا مگر تمہارا یومِ جزا شروع ہو چکا ہو گا''۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ وہ بچہ اس دور میں ہمارا ہم عمر ہوتا تھا۔ (صحیح مسلم)

موت سے کوئی مفر نہیں۔ ہر شخص کو موت آنی ہے۔ الموت حتم اللازم. موت سے کوئی بچ نہیں سکتا، اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۝ (سورۃ القصص: ۸۸)

''ہر چیز فنا ہونے والی ہے، سوائے اس ذات کے، حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔''

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۝ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۝ (سورۃ الرحمٰن: ۲۶، ۲۷)

''اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے۔ اور (صرف) تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔''

آپ کو موت کا سامنا ہر حال میں کرنا ہی ہو گا۔ اگر کسی کو موت سے استثنا حاصل ہوتی تو وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں بھی موت آئے گی اور انہیں بھی موت آئے گی۔ ہر ایک کو مرنا ہے۔ اس کا وقت مقرر ہے۔ وہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اور مقررہ وقت سے ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں ہو سکتی۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلاَّ بِإِذْنِ الله كِتَاباً مُّؤَجَّلاً..... (سورۃ آلِ عمران: ۱۴۵)

''اور یہ کسی بھی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ اسے اللہ کے حکم کے بغیر موت آجائے، جس کا ایک معین وقت پر آنا لکھا ہوا ہے۔''

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاء أَجَلُهُمْ لاَ يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلاَ يَسْتَقْدِمُونَ۝ (سورۃ الاعراف: ۳۴)

''اور ہر قوم کے لیے ایک میعاد مقرر ہے۔ چنانچہ جب ان کی مقررہ میعاد آجاتی ہے تو وہ گھڑی بھر بھی اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔''

أَيْنَمَا تَكُونُواْ يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ..... (سورۃ النساء: ۷۸)

''تم جہاں بھی ہو گے (ایک نہ ایک دن) موت تمہیں جا پکڑے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ رہ رہے ہو۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں کی کہانی سناتے ہیں جنہوں نے موت سے بھاگنے کی کوشش کی:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللهُ مُوتُواْ ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَشْكُرُونَ۝ (سورۃ البقرۃ: ۲۴۳)

''کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا جو موت سے بچنے کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے؟ چنانچہ اللہ نے ان سے کہا: مر جاؤ، پھر انہیں زندہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بہت فضل فرمانے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔''

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کی بات کر رہے ہیں۔ ایک لشکر ان پر حملہ آور ہو رہا تھا، سو وہ اپنے آپ کو بچانا چاہتے تھے۔ وہ اپنے شہر سے ہزاروں کی تعداد میں نکل کھڑے ہوئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ ''مر جاؤ''، سو وہ سب گر کے مر گئے۔ پھر اللہ نے انہیں دوبارہ زندہ کیا تا کہ انہیں اپنا معجزہ دکھائیں۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے اللہ تعالیٰ سے ایک دعا مانگی کہ یا اللہ میرے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے والد ابوسفیانؓ اور میرے بھائی معاویہؓ کو لمبی زندگی عطا کر کے مجھے راحت عطا فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم اللہ سے ان چیزوں کے بارے میں دعا کر رہی ہو جن کا فیصلہ کیا جا چکا ہے، وقت مقرر کیے جا چکے ہیں اور رزق تقسیم کیا جا چکا ہے۔ اگر تم اللہ سے انہیں نارِ جہنم سے بچانے کی دعا مانگتیں تو یہ تمہارے لیے بہتر تھا''۔ (صحیح مسلم)

موت جس کی جہاں اور جب لکھی گئی ہے، وہ وہاں اپنے مقررہ وقت پر آکر رہے گی۔

سعودی عرب کے شہر ریاض میں یہ حادثہ پیش آیا کہ ایک مزدور ایک زیرِ تعمیر عمارت کی ساتویں منزل سے نیچے گر گیا۔ وہ ساتویں منزل سے نیچے سیمنٹ کے پکّے فرش پر جا گرا، مگر دیکھنے والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ فوراً ہی اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ وہ اپنی زندگی بچ جانے پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے ارد گرد موجود لوگوں اور راہگیروں سے کہا کہ اس خوشی میں، میں تم سب کو کچھ کھلاؤں پلاؤں گا۔ چند منٹ بعد ہی وہ اپنے ارادے کی تکمیل کے لیے سڑک پار کر رہا تھا کہ ایک گاڑی نے اسے ٹکر ماری اور وہ جاں بحق ہو گیا۔ وہ ساتویں منزل سے گر کر نہ مرا، کیونکہ اللہ نے اس کی موت کے لیے دن کا ایک خاص وقت اور ایک خاص جگہ مقرر کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ اسے اس مقام پر لانا چاہتے تھے جہاں اس کی موت مقدر تھی۔ اب جب یہ شخص ساتویں منزل سے گرنے کے بعد بھی اٹھ کھڑا ہوا، تو اس نے سوچا ہو گا کہ مجھے زندگی

عطا کر دی گئی۔ میں موت کے منہ میں جانے سے بچ گیا۔ اس کے ذہن میں موجود آخری خیال بھی یہ نہیں ہو گا کہ وہ چند لمحوں بعد مر جائے گا۔ اگر وہ ساتویں منزل سے گرنے کے باوجود بچ گیا تھا، تو یقیناً اس کے لیے ایک لمبی زندگی لکھی گئی ہے۔ اسے کیا خبر تھی کہ عین اس لمحے بھی ملک الموت اس کی موت کی جگہ کی جانب رہنمائی کر رہے ہیں۔

اسی طرح مصر میں ایک زلزلہ آیا۔ زلزلہ زدگان میں ایک شخص تھا جو بڑے لمبے عرصے تک ملبے تلے زندہ رہا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ ملبے کے نیچے کسی کے زندہ ہونے کا بھی کوئی امکان ہے کیونکہ زندہ رہنے کے لیے ضروری چیزیں، غذا، پانی وغیرہ کچھ بھی موجود نہ تھا۔ اس شخص کے ساتھ اس کی دو رشتہ دار خواتین، اس کی اہلیہ اور والدہ بھی ملبے کے نیچے دفن ہو گئی تھیں۔ وہ دونوں ناقابلِ برداشت حالات کی وجہ سے فوت ہو گئیں، مگر یہ شخص زندہ رہا۔ کیونکہ ابھی اس کے مرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔

موت کبھی اعلان کر کے نہیں آتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے، ہم موت کے لیے تیاری کر لیں گے۔ مگر بعض اوقات موت ایسے اچانک آلیتی ہے کہ اس کی تیاری کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں ملتا۔ ہندوستان کی فضا میں ایک بار دو جہاز بالکل آمنے سامنے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ یہ جہاز ۱۶۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کر رہے تھے۔ ذرا ایک عام شاہراہ کا تصور کیجیے، ایک عام گاڑی ۶۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار پر کس تیزی سے سفر کرتی ہے۔ تو یہ جہاز ۱۶۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ اندر بیٹھے لوگوں کی موت تو آناً فاناً واقع ہو گئی۔ ان میں کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو کھانے کے لیے نوالہ منہ کی جانب لے جا رہا ہو، مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنا نوالہ منہ میں ڈالتا، وہ فوت ہو گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان جہازوں میں دو مسافر ایسے بھی ہوں جو آپس میں گفتگو کر رہے ہوں، اور اس سے پہلے کہ ایک شخص دوسرے کو جواب دیتا، اس کو موت نے آلیا۔

ہمیں موت کو بہت زیادہ یاد کرنے کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو راحتوں کو بھلا دینے والی، مٹا دینے والی اور لذتوں کو توڑنے والی کے طور پر یاد کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لذتوں کو مٹانے والی کو اکثر یاد کیا کرو''۔ اگر آپ موت کے بارے میں سوچیں، تو ہر شخص جانتا ہے کہ موت برحق ہے، ہم سب کو آنی ہے۔ مگر حسن البصریؒ فرماتے ہیں: ''میں نے موت کے علاوہ کبھی کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو اس قدر یقینی ہو کہ اس میں قطعی شک کی گنجائش نہ ہو، مگر لوگ اس سے ایسے تعامل کرتے ہوں جیسے وہ کوئی شک وشبہ والی چیز ہے (یعنی جس کا واقع ہونا یا نہ ہونا امکانی بات ہے)''۔ ہم سب کو موت کے آنے کا یقین ہے۔ مسلم ہو یا غیر مسلم، کیا آپ نے کبھی کسی کو موت کا بھی انکار کرتے دیکھا ہے؟ مگر حسن البصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم ایسے سمجھتے ہیں جیسے شک میں مبتلا ہوں کہ نجانے موت آئے گی یا نہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہمیں ایک دن مرنا ہے، مگر ہم نے اس دن کی کتنی تیاری کی ہے؟

جو لوگ موت کے لیے تیاری کرتے بھی ہیں تو کس قسم کی تیاری کرتے ہیں، محض دنیاوی معاملات، کفن دفن، قبرستان اور قبر کے لیے موزوں جگہ اور اس قسم کے دیگر دنیاوی معاملات کے اعتبار سے تیاری کرتے ہیں۔ مگر مرنے کے بعد اگلے جہان کے لیے کیا تیاری کی جاتی ہے؟ اپنے جنازے اور جنازے میں شرکت کرنے والوں کی دعوت وطعام کے لیے تو بہت اہتمام سے انتظام اور تیاری کی جاتی ہے، مگر خود مرنے والے کا آگے کن حالات سے سابقہ پڑنا ہے، اسے کن چیزوں کا سامنا کرنا ہو گا، اس کے لیے کوئی تیاری نہیں ہوتی۔

آئزک آسموو (Isaac Asimov)، روسی نژاد امریکی فکشن رائٹر ہے۔ اس کی موت سے چند مہینے پہلے ایک انٹرویو لیا گیا جس میں اس سے سوال کیا گیا کہ آپ کے خیال میں جب آپ مر جائیں گے تو آپ کے ساتھ کیا ہو گا؟ یہ شخص امریکہ کے نامور ترین مصنفین میں سے تھا۔ اس کی کتابوں کی ایک دنیا میں دھوم تھی۔ اس کا جواب تھا: ''کچھ بھی نہیں! میں مٹی میں مل کر ختم ہو جاؤں گا''۔ اس کا علم، اس کی ڈگریاں، اس کی ذہانت اور اس کی بے تحاشا دولت، اس کی شہرت وناموری...... یہ سب اس کے کچھ کام نہ آیا۔ اس سب کا مالک ہونے کے باوجود وہ ۱۴۰۰ سال قبل کے سب سے جاہل عرب سے کسی لحاظ سے بھی مختلف نہ تھا۔ اس کی ذہانت اور اس کے علم نے اسے کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ کیونکہ ایسے شخص کو آپ جتنا بھی ذہین فطین اور سمجھدار کیوں نہ سمجھیں لیکن درحقیقت اس کی ذہانت کا لیول صفر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے کفار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب روزِ قیامت وہ حقیقت کو دیکھ لیں گے تو وہ کہیں گے کہ ''لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ''، یعنی اگر ہم سنتے اور عقل رکھتے، اگر ہم کچھ سمجھتے، تو ہم نارِ جہنم میں نہ ہوتے۔ اگر ہمارے دماغوں اور ہماری عقلوں نے ہمیں یہاں (نارِ جہنم میں) پہنچایا ہے تو ایسی عقل اور ایسی سمجھ کا کیا فائدہ؟

اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں عقل اور دماغ کیوں عطا کیا۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ یعنی ہم نے تمہیں کان، آنکھیں اور دل اس لیے دیے تاکہ تم شکر گزار بنو۔ یہ تمام آلہ جات ہیں اللہ کی عبادت کرنے کے لیے۔ ان کے ذریعے ہم اللہ کی نشانیاں دیکھتے، سنتے اور محسوس کرتے ہیں، جبکہ دماغ اس سارے علم کو سمجھنے میں، اللہ تک پہنچنے میں اور اس کی عبادت کرنے میں مدد کرتا ہے۔ اگر اللہ کی دی ہوئی ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں تو یہ ایمان کی جانب ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔

لیکن اگر ہم موت کا کثرت سے ذکر کریں، اس کو یاد کریں اور اس کی حقیقت کا ادراک کریں تو غفلت کے پردے ہٹتے ہیں اور حقیقت نظر آنا شروع ہوتی ہے۔ پھر دنیا کی طمع اور دنیاوی ساز و سامان کی حرص اور لالچ ختم ہوتا ہے۔

موت سے پہلے ایک وقت آتا ہے جسے الاحتضار کہا جاتا ہے۔ یہ موت کی تیاری کا وقت ہے۔ اس وقت میں مرنے والے کے پاس فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اس وقت مرنے والا ان فرشتوں کو دیکھ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جب ایک مومن دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور آخرت کی جانب سفر شروع کرتا ہے تو جنت سے فرشتے اسے لینے کے لیے آتے ہیں۔ ان کے چہرے سفید اور سورج کی طرح روشن و چمکدار ہوتے ہیں۔ وہ جنت سے اپنے

ساتھ مردے کے لیے کفن اور خوشبو لے کر آتے ہیں۔ یہ سب مرنے والے کے ارد گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ 'اے پاکیزہ روح! چل اپنے رب کی مغفرت اور رضا کی جانب'۔ پھر یہ روح بدن میں سے ایسے آرام سے نکل آتی ہے جیسے مشک میں سے پانی کا قطرہ ٹپکتا ہے۔ مگر جب ایک کافر اس دنیا سے جانے والا ہوتا ہے تو اسے لینے کے لیے خوفناک صورتوں والے فرشتے آتے ہیں۔ ان کے پاس اس کے لیے انتہائی کھردرا کفن ہوتا ہے اور ملک الموت اس کے پاس آ کر اسے کہتا ہے 'اے خبیث روح! اللہ کے غضب اور اس کے قہر کا سامنا کرنے کے لیے نکل آ!'، جب ملک الموت یہ اعلان کرتا ہے تو کافر کی روح اس کے بدن میں چھپنے کے لیے کونوں کھدروں میں دوڑتی ہے۔ مگر ملک الموت اسے پکڑ کے اور کھینچ کر نکالتے ہیں، جیسے گیلی روئی کو کانٹے دار جھاڑیوں سے نکالا جاتا ہے"۔

اس موقع پر مومن کی روح کو بھی کچھ دقت اور مشکل کا سامنا ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو تسلی اور بشارت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ○ (سورۃ الفصلت:۳۰)

"جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر بیشک فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اتریں گے کہ نہ کوئی خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو، اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا"۔

اس کے پاس آنے والے فرشتے اسے بشارتیں دیتے ہیں کہ ہم تمہیں تمہارے رب کی رضا اور خوشنودی کی جانب لیے جاتے ہیں، تمہارا رب تم سے راضی ہے اور اس کے وعدوں کے پورا ہونے کا وقت آ پہنچا ہے۔ مگر یہ بشارتیں ان لوگوں کے لیے ہیں جنھوں نے اللہ کو اپنا رب مانا اور پھر اس عقیدے پر استقامت اختیار کی۔ ایسا نہیں ہوا کہ اللہ کو رب بھی کہا اور پھر دائیں بائیں ٹیڑھے راستوں پر بھی چلتے رہے۔ ایک دن مسجد میں گزارا اور چھ دن مسجد سے باہر، ایک دن روزہ رکھا تو اگلے دن شراب پی لی، نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت میں ثابت قدم رہے، جمے رہے۔ ایسے لوگوں کے لیے فرشتے بشارتیں لے کر آتے ہیں۔

جبکہ اللہ کا انکار کرنے والے کافر کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا۟ الْمَلَٰٓئِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَٰرَهُمْ وَذُوقُوا۟ عَذَابَ الْحَرِيقِ○ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّٰمٍ لِّلْعَبِيدِ○ (سورۃ الانفال:۵۰،۵۱)

"اور اگر تم دیکھتے (تو وہ عجیب منظر تھا) جب فرشتے ان کافروں کی روح قبض کر رہے تھے، ان کے چہروں اور پشت پر مارتے جاتے تھے (اور کہتے جاتے تھے کہ) اب جلنے کے عذاب کا مزہ (بھی) چکھنا۔ یہ سب کچھ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیج رکھے تھے، اور یہ بات طے ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔"

عطا ابن رباحؒ فرماتے ہیں: موت کو یاد کرنے کے تین فائدے ہیں:

۱.) تعجیل التوبة: توبہ میں جلدی کرنا۔ آخرت کو یاد کرنے سے جلدی توبہ کرنے کی توفیق ملتی ہے۔

۲.) الرضا بالقلیل: کم پر راضی ہونا۔ یہ جانتے اور سمجھتے ہوئے کہ دنیا تو محض عارضی رہائش گاہ ہے، یہاں ہمیشہ نہیں رہنا، اس کی زیادہ فکر نہیں ہو گی بلکہ جو کچھ اللہ نے عطا کر رکھا ہے، بندہ اس پر راضی اور مطمئن ہو گا۔

۳.) لا یشاحح اهل الدنیا فی دنیاهم۔ دنیا کے لوگوں کے ساتھ دنیا کے ساز و سامان پر جھگڑا یا مقابلہ نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں دل کا سکون حاصل ہوتا ہے۔

لوگوں کے درمیان تلخیاں، پریشانیاں اور مسائل پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپس میں مادّی اشیا کے حصول میں مقابلہ و مسابقت کرتے ہیں۔ یہ دنیا بہت بڑی ہے اور اسی تناسب سے ہماری خواہشات کا سلسلہ بھی طویل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ابنِ آدمؑ کو سونے کی ایک وادی حاصل ہو جائے تو وہ دوسری کی خواہش کرے گا، اور ابنِ آدمؑ کا پیٹ سوائے مٹی کے کسی چیز سے نہیں بھرتا۔ جب ہم واپس مٹی کی طرف لوٹ جائیں گے، تب ہی خواہشات در خواہشات کا یہ سلسلہ ختم ہو گا۔ یہ دنیا اس قابل نہیں کہ اس پر جھگڑا کیا جائے، اس کے پیچھے پریشان و خوار ہوا جائے۔ اگر آپ انفرادی معاملات کو چھوڑ کر قوموں اور ملکوں کے درمیان ہونے والی جنگوں پر ہی نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ کن چیزوں کے لیے لڑتے ہیں؟ تیل، گیس، معدنی ذخائر، زمین...... ان چیزوں پر لڑائی کی جاتی ہے۔ اسی لیے وہ واحد جنگ کہ جس کا جواز بنتا ہے وہ جہاد ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی خاطر کیا جاتا ہے جبکہ باقی ہر لڑائی دنیا کی خاطر کی جاتی ہے۔ لوگ اسلام اور جہاد کو نشانہ بناتے ہیں اور اس پر تنقید و اعتراض کرتے ہیں لیکن اگر آپ ان سے ان کی جنگوں کا جواز معلوم کریں تو وہ کیا جواز پیش کر سکتے ہیں؟ وہ کس لیے لڑتے ہیں؟ دنیا اور اس کے مال و دولت کے لیے۔ ہاں بعض اوقات وہ یہ دلیل تراشتے ہیں کہ ہم انسانی حقوق کے لیے لڑ رہے ہیں، مگر یہ ایک ایسی دلیل ہے جس میں کوئی دم نہیں۔ جن حقوق کے لیے وہ لڑتے ہیں وہ محض چند افراد کے لیے امتیازی فوائد و مراعات ہوتی ہیں۔ وہ عوام الناس کے حقوق نہیں ہوتے۔

سکرات الموت

سکرات الموت کیا ہے؟ سکرۃ اس بے ہوشی اور غفلت کو کہتے ہیں جو شدید درد و تکلیف کے باعث انسان پر طاری ہو جاتی ہے۔ موت کے وقت درد و الم سے طاری ہونے والی غشی سکرۃ الموت کہلاتی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ○(سورۃ ق:۱۹)

”پھر دیکھو، وہ موت کی جاں کنی حق لے کر آپہنچی، یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔“

موت برحق ہے، یہ ہر کسی کو آئے گی چاہے کوئی اس سے بچنا ہی چاہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سے گزرے تو ان کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ اس پانی میں ڈبوتے اور پھر اپنے چہرۂ مبارک پر پھیرتے اور فرماتے:”لا الہ الا اللہ، ان للموت سکرات“(اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، بے شک یہ موت کی غشی ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سکرات الموت کی سختی سے گزرے۔ اب سوچیے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سکرات الموت کی تکلیف محسوس کی، تو میں اور آپ کیا محسوس کریں گے؟ اور کفار کس تکلیف اور سختی سے گزرتے ہوں گے؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

......وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ○(سورۃ الانعام:۹۳)

”اور اگر تم وہ وقت دیکھو (تو بڑا ہولناک منظر نظر آئے) جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے، اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے (کہہ رہے ہوں گے کہ) اپنی جانیں نکالو، آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا، اس لیے کہ تم جھوٹی باتیں اللہ کے ذمے لگاتے تھے، اور اس لیے کہ تم اس کی نشانیوں کے خلاف تکبر کا رویہ اختیار کرتے تھے۔“

گو کہ ہر شخص موت کی تکلیف سے گزرتا ہے، مگر اس تکلیف کے بھی مختلف درجات ہیں۔ کفار سب سے زیادہ تکلیف اور سختی سے گزرتے ہیں۔ جبکہ انسانوں کا ایک گروہ ایسا ہے جس کو سکرات الموت کی تکلیف تقریباً نہ ہونے کے برابر محسوس ہوتی ہے۔ یہ شہدا کا گروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:”شہید کو موت کی تکلیف بس اتنی سی ہی ہوتی ہے جیسے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے تکلیف پہنچتی ہے“۔ اللہ نے شہید کا بہت سی نعمتوں سے اکرام کیا ہے۔ اتنے زیادہ انعام و اکرام سے نوازا ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ کوئی شخص کیوں کر رتبۂ شہادت سے بچنا چاہے گا؟

جب کوئی شخص اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ واپس پلٹنا چاہتا ہے۔ اگر وہ کوئی کافر ہے تو وہ مومن و مسلم بننے کے لیے واپس آنا چاہتا ہے۔ اگر وہ کوئی عاصی و نافرمان / گنہگار ہے، تو وہ توبہ کرنے کے لیے پلٹنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ○لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ○

(سورۃ المومنون:۹۹،۱۰۰)

”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آکھڑی ہو گی تو وہ کہے گا کہ: میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دیجیے۔ تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ کر آیا ہوں، اس میں جا کر نیک عمل کروں۔ ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبان سے کہہ رہا ہے، اور ان (مرنے والوں) کے سامنے عالمِ برزخ کی آڑ ہے۔ جو اس وقت تک قائم رہے گی جب تک ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔“

انہیں دنیا میں ایک موقع عطا کیا گیا مگر انہوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ اب جب وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے تو وہ چاہتے ہیں کہ انہیں دوبارہ ایک موقع عطا کیا جائے تاکہ وہ توبہ کریں اور اچھے اعمال کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب ان کے اور دنیا کے درمیان ایک رکاوٹ، ایک پردہ ہے، جسے پار کر کے وہ واپس نہیں جا سکتے۔ یہ پردہ برزخ کہلاتا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع اور مہلت عطا کر رکھی ہے، آج اچھے اعمال کرنے کا، اللہ کو راضی کرنے کا وقت ہے۔ کل، جب توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، پھر کوئی مہلت اور کوئی موقع نہیں ملے گا۔ پھر بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا○(سورۃ النساء:۱۷)

”اللہ نے توبہ قبول کرنے کی جو ذمہ داری لی ہے وہ ان لوگوں کے لیے جو نادانی سے کوئی برائی کر ڈالتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ چناچہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی۔“

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں”یتوبون من قریب“. یہاں قریب سے کیا مراد ہے؟ ابنِ کثیرؒ اس کی وضاحت بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انسان کے پاس غرغرہ کے وقت تک توبہ کی مہلت موجود ہے۔ غرغرہ وہ وقت ہے جب روح جسم سے جدا ہونے کی تیاری کے مرحلے میں ہوتی ہے۔ غرغرہ وہ حد ہے کہ جس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، پھر کوئی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اللہ کا فرمان ہے:

وَلَيۡسَتِ التَّوۡبَةُ لِلَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ‌ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّىۡ تُبۡتُ الۡـــٰٔنَ وَلَا الَّذِيۡنَ يَمُوۡتُوۡنَ وَهُمۡ كُفَّارٌ‌ ؕ اُولٰۤـئِكَ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَ لِيۡمًا ○ (سورۃ النساء:۱۸)

”توبہ کی قبولیت ان کے لیے نہیں جو برے کام کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت کا وقت آ کھڑا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی ہے، اور نہ ان کے لیے ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

جب موت کا وقت آ جاتا ہے پھر کوئی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ یہی فرعون کا معاملہ تھا۔ فرعون نے موت کو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد توبہ کی، مگر تب مہلت ختم ہو چکی تھی۔ اللہ نے اس کی توبہ قبول نہیں فرمائی۔ سو انسان کے پاس اس وقت تک مہلت ہے جب تک روح جسم میں موجود ہے اور اگلے سفر کے لیے تیار ہو رہی ہے، اگر اس سے پہلے پہلے توبہ کر لے تو قبول ہو گی، ورنہ اس کے بعد کوئی توبہ مقبول نہیں اور کوئی مہلت یا موقع میسر نہیں آئے گا۔

موت اچانک آتی ہے۔ کسی کو پہلے سے موت کی آمد کی اطلاع نہیں دی جاتی۔ کسی کو نہیں بتایا جاتا کہ فلاں دن آپ کو موت کا فرشتہ لینے آئے گا۔ یہ اچانک آتی ہے اور ہمارے پاس کوئی طریقہ نہیں کہ ہم ایسا کوئی منصوبہ بنائیں کہ موت سے پہلے توبہ کر لیں گے۔ موت کے فرشتے کی آمد کے بعد ہم اسے اس بات پر راضی نہیں کر سکتے کہ چند لمحے ٹھہر جاؤ تاکہ میں توبہ کر لوں۔ توبہ کے لیے بہترین وقت آج اور ابھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ..... (سورۃ الحدید:۱۶)

”جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، کیا ان کے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے اور جو حق اترا ہے اس کے لیے پسیج جائیں؟“

’یأنِ‘ کا مطلب ہے اسی لمحے، ابھی اور اسی وقت۔ توبہ کرنے میں سستی اور تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اگر آپ قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ جہنم میں عذاب جھیلنے والوں کی زیادہ تر آہ و بکا اور فریاد اس لیے ہو گی کیونکہ وہ نیک اعمال کرنے میں سستی اور کاہلی سے کام لیتے تھے۔ وہ توبہ کو اور نیک اعمال کو موخر کرتے رہتے تھے۔ جہنم میں وہ اللہ سے فریاد کریں گے کہ اے اللہ! ہمیں واپس لوٹا دے، ہمیں ایک موقع اور دے دے تاکہ ہم اچھے اعمال کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ’جو شخص اللہ سے ملنے کی خواہش رکھتا ہے اور اس کی تیاری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات ناپسند کرتے ہیں‘۔ جب حضرت عائشہؓ نے یہ حدیث سنی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: ”ہم میں سے کون ہے جو موت کو ناپسند نہیں کرتا؟“۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’میرا یہ مطلب نہیں۔ جب ایک مومن کی موت کا وقت آتا ہے تو اسے خبر دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہیں۔ پھر اس کے لیے سب سے محبوب چیز اس کا مستقبل ہوتا ہے۔ وہ اللہ سے ملنے کو محبوب رکھتا ہے اور جلد از جلد اللہ سے ملنا چاہتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو محبوب رکھتے ہیں۔ مگر جب ایک کافر کے دنیا سے جانے کا وقت آتا ہے تو اسے بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہیں اور اسے اس کے اعمال کی سزا دینے والے ہیں۔ تو وہ اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں‘۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ’جب جنازہ اٹھایا جاتا ہے اور لوگ اسے کندھوں پر اٹھا کر چل پڑتے ہیں، تو اگر وہ جنازہ کسی نیک و صالح شخص کا تھا، تو وہ کہتا ہے کہ ’جنتی جلد ہو سکے مجھے لے چلو!‘۔ لیکن اگر اس کے برعکس معاملہ ہو تو میت کہتی ہے ’تباہی و بربادی ہو! تم لوگ مجھے کہاں لیے جاتے ہو؟‘۔ انسانوں کے سوا ہر مخلوق ان کی آواز سنتی ہے اور اگر انسان بھی یہ آوازیں سن سکتے تو وہ صدمے سے مر جاتے‘۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ’اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ اپنے مردے دفنانے چھوڑ دیں گے، تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ تمہیں قبر میں مردوں کی آوازیں سنوا دے۔‘

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد!

[یہ سلسلۂ مضامین نابغۂ روزگار، مجاہد و داعی، مبلغ و مقاتل فی سبیل اللہ شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی میں ارشاد کیے گئے سلسلۂ دروس ’*Al-Aakhirah* – The Hereafter‘ کا اردو ترجمہ ہیں، جو بتوفیق اللہ، قسط وار مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ میں شائع کیے جا رہے ہیں۔]

’غزوۂ ہند‘ تمام اہلِ ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہلِ ایمان بالخصوص برِّصغیر میں بستے اہلِ ایمان کا فریضہ ہے۔

’غزوۂ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوۂ ہند‘ (سابقہ ’نوائے افغان جہاد‘) ہے۔ لہٰذا ’نوائے غزوۂ ہند‘ کے تمام معزز قارئین سے گزارش ہے کہ مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ کو تمام مکاتبِ فکر سے وابستہ علمائے کرام، طلبائے علمِ دین، داعیانِ دین..... اور اہلِ فکر و دانش، طلبہ، اساتذہ، صحافیوں، سماجی کارکنوں، ملازمت پیشہ حضرات..... الغرض ہر شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ اہلِ ایمان تک پہنچایئے اور اس فریضے کی ادائیگی میں حصہ ڈالیے!

ہمارے محبوب ﷺ کا حلیۂ مبارک

مجلسِ ادارت-نوائے غزوۂ ہند
ماخذ: شمائل ترمذی و دیگر کتبِ حدیث و تفسیر

شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرتِ حسانِ ابنِ ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

و أحسن منك لم ترقط عيني
و أجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرئاً من كل عيبٍ
كأنك قد خلقت كما تشاء

"تیرے جیسا حسین، میری آنکھ نے نہیں دیکھا۔ تیرے جیسے جمال والا کسی ماں نے نہیں جنا۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے۔ آپ ایسے پیدا ہوئے جیسے آپ نے خود اپنے آپ کو چاہا۔"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن و جمال میں سے بہت تھوڑا سا ظاہر فرمایا، اگر سارا ظاہر فرماتے تو آنکھیں اس کو برداشت نہ کر سکتیں۔ یوسف علیہ السلام کا سارا حُسن ظاہر کیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن کی چند جھلکیاں دکھلائی گئیں، باقی سب مستور رہیں۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس جمال کی تاب لا سکتی۔"

ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے ایک نوجوان دیکھا، بڑا صاف ستھرا۔ حسین سفید چمکتا چہرہ گویا نوخیز کَلی ہو (کلیوں میں جو رونق ہوتی ہے، وہ پھول میں نہیں ہوتی)۔ نہ ایسے موٹے تھے کہ نظروں میں جچیں نہیں اور نہ ایسے کمزور اور دُبلے تھے کہ بے رُعب ہو جائیں۔ وسیمٌ قسیمٌ تھے......(وسیم یعنی وہ حسین جس کو جتنا دیکھیں، اس کا حُسن اتنا بڑھتا چلا جائے، جسے دیکھتے ہوئے آنکھ نہ بھرے اور قسیم یعنی جس حسین کا ہر عضو الگ الگ حُسن کی ترجمانی کرتا ہو، جس کا ہر عضو حسن میں کامل اور اکمل ہو)۔ اُس کی پلکیں بڑی دراز۔ اُس کی آنکھیں بڑی حسین، موٹی، سیاہ۔ اس کی داڑھی بڑی خوبصورت اور گھنی۔ اس کی گردن صراحی دار اور لمبی۔ آواز میں کشش اور رعب۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"حضور ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ کوتاہ قد، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لیے محمود ہیں اس لیے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں۔ عورتوں کے لیے مذموم ہیں) حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور ﷺ چلتے تھے تو گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ میں نے حضور ﷺ جیسا نہ پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا۔"

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ:

"میں نے کسی کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے بال مونڈھوں تک رہے ہیں، اور آپ ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ پست قد۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"حضور اقدس ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے نہ پستہ قد بلکہ آپ ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے چونا کی طرح، نہ بالکل گندمی کہ سانولا بن جائے (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن، پُر نور اور کچھ ملاحت لیے ہوئے تھے) حضور اقدس ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل پیچ دار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن تھا) چالیس برس کی عمر ہو جانے پر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ ﷺ کو نبی بنایا اور پھر دس برس مکہ مکرمہ میں رہے (اس میں کلام ہے جیسا کہ فوائد میں آتا ہے)۔"

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے کہ:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد تھے، نہ زیادہ طویل نہ پست، نہایت خوب صورت معتدل بدن والے، حضور ﷺ کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھونگریالا پن تھا) نیز آپ ﷺ گندمی رنگ کے تھے۔ جب حضور ﷺ راستہ چلتے تو آگے کو جھکے ہوئے چلتے۔"

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت ہی کثرت سے اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لیے حجت اور سند بناؤں۔ (اور ان اوصافِ جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن

ہو سکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر حضور ﷺ کے وصال کے وقت سات سال کی تھی۔ اس لیے حضور ﷺ کے اوصافِ جمیلہ میں اپنی کم سنی کی وجہ سے تامل اور کمال تحفظ کا موقع نہیں ملا تھا) ماموں جان نے حضور ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق یہ فرمایا کہ:

'آپ ﷺ خود اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی رتبہ والے تھے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ماہِ بدر (چودھویں کے چاند) کی طرح چمکتا تھا۔ آپ ﷺ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن لمبے قد والے سے پست تھا، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر سر مبارک میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے، ورنہ آپ ﷺ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے۔'

(یہ مشہور ترجمہ ہے اس بنا پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ حضور ﷺ کا قصداً مانگ نکالنا روایات سے ثابت ہے۔ اس اشکال کے جواب میں علما یہ فرماتے ہیں کہ اس کو ابتدائے زمانہ پر محمول کیا جائے کہ اول حضور ﷺ کو اہتمام نہیں تھا، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک یہ جواب اس لیے مشکل ہے کہ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ مشرکین کے مخالف اور اہل کتاب کی موافقت کی وجہ سے مانگ نہ نکالنے کی تھی، اس کے بعد پھر مانگ نکالنی شروع فرمادی، اس لیے اچھا ترجمہ جس کو بعض علمانے ترجیح دی ہے وہ یہ کہ اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے، کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی نکال لیتے)۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضور اکرم ﷺ فراخ دہن تھے، آپ ﷺ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے، ایڑی مبارک پر بہت کم گوشت تھا''۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھ رہا تھا۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کو، بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حضور ﷺ چاند سے کہیں زیادہ جمیل و حسین اور منور ہیں۔''

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ:

کسی شخص نے حضرت براء سے پوچھا کہ کیا حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح شفاف تھا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ بدر کی طرح روشن گولائی لیے ہوئے تھا۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضور اقدس ﷺ اس قدر صاف شفاف، حسین و خوب صورت تھے کہ گویا کہ چاندی سے آپ ﷺ کا بدن مبارک ڈھالا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے بال مبارک قدرے خم دار گھونگریالے تھے۔''

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ

''مجھ پر سب انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام پیش کیے گیے یعنی مجھے دکھائے گئے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو ذرا پتلے دبلے بدن کے آدمی تھے گویا کہ قبیلہ شنوئیہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ مشابہ ہوں، ایسے ہی اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں وہ دحیہ کلبی ہیں۔''

سعید جریری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

''حضور اقدس ﷺ کو دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے حضور ﷺ کا کچھ حلیہ بیان کیجیے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ سفید رنگ تھے ملاحت کے ساتھ یعنی سرخی مائل اور معتدل جسم والے تھے۔''

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضور اقدس ﷺ کے اگلے دانت مبارک کچھ کشادہ تھے، گنجان نہ تھے جب حضور اقدس ﷺ تکلم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔''

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''حضور ﷺ میانہ قد تھے۔ آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان اوروں سے قدرے زیادہ فاصلہ تھا (جس سے سینہ مبارک چوڑا ہونا بھی معلوم ہوگیا) گنجان بالوں والے، جو کان کی لو تک ہوتے تھے، آپ ﷺ پر ایک سرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔''

ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ:

”حضور ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ حضور ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچ دار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچید گی لیے ہوئے تھے۔ نہ آپ ﷺ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں تھی (یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لانبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور ﷺ کا رنگ سرخی مائل سفید تھا۔ حضور ﷺ کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ ﷺ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہوتے ہیں حضور ﷺ کے بدن مبارک پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو پنڈلیاں وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہ تھے) آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی آپ ﷺ کے ہاتھ اور قدم مبارک پُر گوشت تھے۔

جب آپ ﷺ تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اُٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے تھے (یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے کہ اس طرح دوسروں کے ساتھ لاپرواہی ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہو جاتی ہے، بلکہ سینہ مبارک سمیت اس طرف رخ فرماتے۔ بعض علمانے اس کا مطلب یہ بھی فرمایا ہے کہ جب آپ ﷺ توجہ فرماتے تو تمام چہرہ مبارک سے فرماتے، کن اکھیوں سے نہیں ملاحظہ فرماتے تھے۔) آپ ﷺ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے۔ اور سب سے زیادہ سچی زبان والے تھے۔ سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے۔ اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے۔ (غرض آپ ﷺ دل وزبان، طبیعت، خاندان، ذاتی اور نسبتی اوصاف ہر چیز میں سب سے زیادہ افضل تھے) آپ ﷺ کو جو شخص یکایک دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا (یعنی آپ ﷺ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ اول وہلہ میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آجاتا تھا) اول تو جمال اور خوبصورتی کی وجہ سے بھی رعب ہوتا ہے، اس کے علاوہ جب کمالات کا اضافہ ہو تو پھر رعب کا کیا پوچھنا۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کو جو مخصوص چیزیں عطا ہوئیں، ان میں رعب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا۔ اور جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ (آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ و اوصاف جمیلہ کا گھائل ہو کر) آپ ﷺ کو محبوب بنالیتا تھا۔ آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور ﷺ جیسا باجمال وباکمال نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔“

أللهم صلِ وسلّم علىٰ نبيّنا محمد و علىٰ آلِ محمد

لادینی حکومتیں منظم تجارتی ادارے

”لادینی حکومتیں دراصل ایک ترقی یافتہ منظم اور محفوظ تجارتی ادارے ہیں، یہ حکومتیں بنیادی و اصولی طور پر نفع پہنچانے کے لیے نہیں بلکہ نفع اٹھانے کے لیے قائم ہوتی ہیں۔ وہ سرے سے کوئی اخلاقی پیغام یا اصلاحی مقصد نہیں رکھتیں، نہ ان کے پیش نظر ملک یا قوم کی اخلاقی و روحانی ترقی، انسانوں کی ہدایت اور انسانیت کی حقیقی خدمت و بہبود ہوتی ہے، قدرتی طور پر ان کی اصل توجہ آمدنی کے ابواب، نفع اٹھانے کی تدابیر اور سرکاری محاصل و مطالبات کی طرف ہوتی ہے، اس غرض کے لیے وہ بے تکلف اخلاق و شرافت کے اصول کو نظر انداز کر دیتی اور اخلاقی تعلیمات و مصالح کو پس پشت ڈال دیتی ہیں، جہاں کہیں اخلاقیات و مالیات کا تصادم ہوتا ہے وہاں وہ ہمیشہ مالیات کو ترجیح دیتی ہیں۔ ہر مسئلہ میں ان کا نقطۂ نظر معاشی و اقتصادی ہوتا ہے۔ اس طرز کی حکومتیں بداخلاقی و بے حیائی کی بہت سی قسموں کو کچھ قانونی قیود کے ساتھ (جو جرائم کا سدباب نہیں کرتیں بلکہ ان کو صرف نظم و ضابطہ میں لے آتی ہیں) جائز قرار دیتی ہیں......اس طرز سیاست کا لازمی نتیجہ ہے کہ اہل ملک کے اخلاق روز بروز پست ہوتے چلے جائیں اور ایک خطرناک اخلاقی انحطاط اور اخلاقی امراض رونما ہوں۔ اور پوری قوم میں اور اس کے ہر طبقے میں تاجرانہ ذہنیت اور نفع اندوزی اور موقع پرستی کی ذہنیت پیدا ہو جائے اور ایک عام لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو۔ ہر شخص دوسرے کو زیادہ سے زیادہ لوٹنے کی کوشش کرے اور اصول و اخلاق کا مسئلہ بالکل نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔“

(مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

میلاد النبی پر خوشی منانے کا صحیح طریقہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

الحمدللّٰہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور أنفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا إلہ إلا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ وأصحابہ وبارک وسلم.
اما بعد فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمان الرحیم

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ○(سورۃ یونس:۵۸)

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ فرما دیجیے کہ صرف اللہ کے فضل و رحمت ہی کے ساتھ چاہیے کہ خوش ہوں، اس لیے وہ بہتر ہے اس شے سے کہ جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔"

تمہید:

قبل اس کے کہ اس آیت کے متعلق میں کچھ بیان کروں، اول بطور تمہید یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ چند سال سے میرا معمول ہے کہ ماہ ربیع الاول کے شروع میں ایک وعظ اس ماہ میں افراط و تفریط کرنے والوں کی اصلاح کے متعلق کہا کرتا ہوں اور اس میں تبعاً و استطراداً[1] دیگر فوائد علمیہ و نکات و حقائق کا بیان بھی آجاتا ہے۔ امسال بھی ایسا ہی خیال تھا کہ ابتدائے ربیع الاول میں ایسا وعظ ہو جائے لیکن وجہِ التوا یہ ہوئی کہ ہمارے مدرسہ کے متعلق ایک مکان طلبہ کے لیے بنا ہے، خیال یہ ہوا کہ اس مکان میں اس کے افتتاح کے ساتھ یہ وعظ ہو تا کہ اس مکان میں برکت ہو، لیکن اس کے افتتاح میں بعض امور کا انتظار تھا۔ اتفاق سے وہ جملہ امور دو شنبہ (پیر) کے روز ختم ہوئے چنانچہ اس روز ارادہ بیان کا ہوا۔ لیکن بعض احباب کی رائے ہوئی کہ جمعہ کے روز جامع مسجد میں یہ بیان ہو تا کہ اور لوگ بھی منتفع ہوں۔ اس وجہ سے بیان میں دیر ہوئی اور عجیب اتفاق ہے کہ آج بارہ ربیع الاول ہی ہے، اسی تاریخ میں لوگ افراط و تفریط کرتے ہیں۔ اس تاریخ کا بالتخصیص ارادہ نہیں کیا گیا اور نہ نعوذ باللہ اس تاریخ سے ضد ہے بلکہ الحمدللہ ہم اس کی برکت کے قائل ہیں، مگر یہ اتفاقی بات ہے کہ اس بیان کا اس تاریخ سے اقتران ہو گیا (یعنی تاریخ پیدائش اور اس سے متعلق بیان باہم متحد ہو گئے)۔ اور یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ متبع سنت کو اللہ تعالیٰ بلا قصد وہ برکات عنایت فرما دیتے ہیں کہ جن کا متبع رسوم و بدعات ارتکاب بدعات کے ساتھ قصد کرتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جو شے دائر بین السنۃ والبدعۃ (سنت اور بدعت کے درمیان) ہو تو اس سنت کو ترک کر دینا چاہیے۔ پس یہ تاریخ اگرچہ بابرکت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف اس میں باعث مزید برکت کا ہے لیکن چونکہ تخصیص اس کی اور اس میں ذکر کا التزام کرنا چونکہ بدعت ہے اس لیے اس تاریخ کی تخصیص کو ترک کر دیں گے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ نے اس تخصیص کے مفسدہ سے محفوظ رکھا اور اس تاریخ کی برکات سے بھی محروم نہیں رکھا اور عجیب بات ہے کہ اگر دوشنبہ کے روز بیان ہوتا تو ہم کو اس دن بھی یہی برکت حاصل ہوتی اس لیے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اس یوم میں ہوئی ہے اور نیز بعض محققین اس طرف گئے ہیں کہ ولادت شریفہ ۸ ربیع الاول کو ہوئی ہے اور دوشنبہ کو آٹھویں ہی تاریخ تھی۔ پس اس قول کے موافق ہم کو یوم البرکت اور تاریخ البرکت دونوں سے حصہ مل جاتا اور جمہور کے قول کے موافق ۱۲ ربیع الاول تاریخ ولادت شریفہ ہے اس لیے اب بھی اس تاریخ کی برکت سے محرومی نہ رہی بلکہ اب دو برکتیں حاصل ہو گئیں، یوم کی بھی اور تاریخ کی بھی؛ اس لیے کہ دوشنبہ کے روز نیت بیان کی تھی اور مومن کی نیت پر بھی ثواب کا وعدہ ہے، یوم کی برکت یوں حاصل ہو گئی اور آج کہ ۱۲ تاریخ ہے اس کا وقوع ہو گیا، تاریخ کی برکت اس طرح حاصل ہو گئی۔ یہ برکت ہے اتباع سنت کی اور ہر چند کہ اس یوم میں افراط و تفریط کے متعلق بیان کرنا زائد معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ جو افراط و تفریط کرنا تھا، آج ان لوگوں نے کر لیا ہوگا، پس اب اس بیان سے کیا فائدہ۔ مگر یہ ایام چونکہ پھر ان شاء اللہ تعالیٰ آنے والے ہیں اور نیز علاوہ ربیع الاول کے اور دنوں میں بھی لوگ ایسی مجالس منعقد کرتے ہیں اور اس میں حدود شرعیہ سے متجاوز ہوتے ہیں اس لیے اس کے متعلق بیان کر دینا خالی از نفع نہیں؛ یہ مضمون تو بطور تمہید کے تھا۔[2]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود سب سے بڑی نعمت ہے:

اب آیت شریفہ کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ جاننا چاہیے کہ اس میں کسی مسلمان کو شک و شبہہ نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی ہر نعمت قابل شکر ہے، خاص کر جو بڑی نعمت ہو پھر خصوصاً دینی نعمت اور دینی نعمتوں میں سے خاص کر جو بڑی نعمت ہو پھر ان میں بھی خصوص وہ نعمت جو اصل ہے تمام دینی و دنیوی نعمتوں کی اور وہ نعمت کیا ہے؟ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری؛ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی نعمتوں کے تو فیوض دنیا میں فائض (عام) ہوئے ہی ہیں، دنیوی نعمتوں کے سرچشمہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام عالم کے لیے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○(سورۃ الانبیاء:۱۰۷)

---

[1] اس کے تحت ذیلی طور پر

[2] حضرت تھانویؒ نے جس طرح اس وعظ کو تاخیر کے باوجود فرمایا، مجلۂ ہٰذا کی مجلس ادارت بھی اس وعظ کو اس کے اہم مضامین کے سبب تاخیر سے نذرِ قارئین کرنے میں خیر جانتی ہے۔ (ادارہ)

یعنی نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر جہانوں کی رحمت کے واسطے۔ دیکھیے! عالمین میں کوئی تخصیص انسان یا غیر انسان یا مسلمان و غیر مسلمان کی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود ہر شے کے لیے باعث رحمت ہے، خواہ وہ جنس بشر سے ہو یا غیر جنس بشر سے اور خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زماناً متاخر ہو یا متقدم۔ متاخرین کے لیے رحمت ہونا تو بعید نہیں لیکن پہلوں پر رحمت ہونے کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک وجود سب سے پہلے پیدا فرمایا اور وہ وجود نور کا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وجودِ نوری سے سب سے پہلے مخلوق ہوئے ہیں اور عالمِ ارواح میں اس نور کی تکمیل و تربیت ہوتی رہی۔ آخر زمانہ میں اس امت کی خوش قسمتی سے اس نور نے جسد عنصری میں جلوہ گر و تاباں ہو کر تمام عالم کو منور فرمایا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولاً و آخراً تمام عالم کے لیے باعث رحمت ہیں۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تمام نعمتوں کی اصل ہونا عقلاً و نقلاً ثابت ہوا تو ایسا کون مسلمان ہو گا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود پر خوش نہ ہو یا شکر نہ کرے! پس ہم پر خاص تہمت اور محض افترا اور نرا بہتان ہے کہ توبہ توبہ نعوذ باللہ کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف یا اس پر خوش ہونے سے روکتے ہیں، حاشا و کلا؛ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تو ہمارا جزوِ ایمان ہے۔

میلادِ مروجہ سے روکنے کی وجہ:

ہاں جو شے خلاف ان قوانین کے ہو گی جن کی پابندی کا ہم کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اس سے البتہ ہم روکیں گے اگرچہ فی نفسہٖ وہ شے مستحسن ہو اور شریعت میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں۔ دیکھو! اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ قبلہ سے منہ پھیر کر نماز پڑھنا ممنوع ہے اور یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ یوم النحر اور یوم الفطر میں روزہ رکھنا حرام ہے اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) میں افطار ضروری ہے اور یہ بھی تمام امت کا مسئلہ مسلّمہ ہے کہ ماہ محرم میں حج نہیں ہو سکتا اور نیز محل حج مکہ مکرمہ ہی ہے بمبئی میں حج ممکن نہیں۔ دیکھیے! نماز، روزہ، حج فرض ہیں، لیکن خلاف قاعدہ و قانونِ شریعت چونکہ کیے گئے اس لیے وہ بھی منہی عنہا[1] ہو گئے اور ان کے ممنوع ہونے کو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پس اگر کوئی ایسے نماز، روزہ، حج کو منع کرے تو اس کو کوئی عاقل یوں نہ کہے گا اور یہ تہمت اس پر نہ لگائے گا کہ یہ شخص نماز، روزہ، حج سے روکتا ہے۔ اگر نماز، روزہ سے روکتا تو خود ہی ان پر کیوں عامل ہوتا؟ اسی طرح مسئلہ متنازع فیہا کے اندر سمجھو کہ ہمارے حضرت کی نسبت یہ کہنا کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ کے ذکر یا اس پر خوش ہونے کو منع کرتے ہیں، یہ نری تہمت اور افترا ہے؛ سبحانک هذا بهتانٌ عظيم (پاک ہے تُو، یہ بہتانِ عظیم ہے)۔ حاشا للہ ہم ہرگز منع نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہر شے کا ایک طریق ہوتا ہے، جب وہ شے اس طریق سے کی جاوے تو وہ پسندیدہ ہے ورنہ ناپسند اور قابل منع کرنے کے ہے۔ دیکھیے! تجارت ہے، اس کے لیے گورنمنٹ نے خاص قوانین مقرر کر دیے ہیں، اگر کوئی شخص ان قوانین کے خلاف تجارت کرے گا تو وہ ضرور قوانین کی خلاف ورزی میں ماخوذ ہو گا۔ چھرّہ، بارود کی تجارت وہی کر سکتا ہے جس نے لائسنس حاصل کر لیا ہو۔ اسی طرح شریعت میں بھی ہر شے کا قاعدہ اور قانون ہے، جب اس کے خلاف کیا جاوے گا تو وہ ناپسند اور منہیٰ عنہ ہو جائے گی۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر مبارک عبادت ہے، لیکن دیکھنا چاہیے کہ قانون دان حضرات، یعنی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنھم جن کی اقتدا کا ہم کو حکم ہے، انھوں نے اس عبادت کو کس طرز اور طریق سے کیا ہے۔ اگر آپ لوگ اسی طریق سے کریں تو سبحان اللہ! کون روکتا ہے اور اگر اس طریق سے نہ کیا جائے تو بے شک و شبہ وہ قابل روکنے کے ہے۔ اب فرمایئے کہ کیا ہم لوگ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روکنے والے ہیں؟ اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی چھرّہ بارود کی تجارت کو لائسنس نہ ہونے کی وجہ سے منع کرے اور اس کو یہ کہا جاوے کہ یہ تو تجارت کو منع کرتے ہیں۔ پس نفسِ فرح و سرور علی ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم (ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشی) کو کوئی منع نہیں کرتا کہ وہ تو عبادت ہے، ہاں جب اس کے ساتھ اقتران منہیٰ عنہ کا ہو گا تو وہ بے شک قابل ممانعت ہے۔

خوشی کی اقسام:

فرح اور سرور ہی کو دیکھ لیجیے کہ اس کی نسبت قرآن مجید میں ایک مقام پر تو ہے 'لا تفرح' (خوش مت ہو) اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے 'فليفرحوا' (پس چاہیے کہ خوش ہوں)، جیسا اس آیت میں ہے۔ معلوم ہوا کہ بعض فرح کے افراد ماذون فیہ (جن کی اجازت ہے) ہیں اور بعض منہیٰ عنہا۔ اور ظاہر ہے کہ اعمال اخرویہ میں ہمارے لیے معیار شریعت ہے۔ پس شریعت کے قواعد سے جو فرحت جائز ہے اس کی تو اجازت ہے اور جو ناجائز ہے وہ ممنوع ہے۔ چنانچہ جس جگہ 'لا تفرح' ہے وہاں دنیوی فرحت مراد ہے، مگر وہی فرحت جو حدود سے تجاوز ہو، ورنہ نفسِ فرح نعمتِ دنیویہ پر بھی لوازمِ شکر سے ہے۔ اور جہاں امر کا صیغہ ہے وہاں نعمتِ دینی پر فرحت مقصود ہے لیکن وہی فرح جس میں قواعد شریعت سے تجاوز نہ ہو، مثلاً اگر کوئی نماز پر کہ وہ نعمتِ دینی ہے خوش ہو اور خوشی میں آکر یہ کرے کہ بجائے چار رکعت کے پانچ رکعت پڑھنے لگے تو بجائے اس کے کہ ثواب ہو الٹا گناہ ہو گا، اس لیے کہ شریعت کے قواعد سے اس نے تجاوز کیا۔ خود ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ جس میں اختلاف ہے، اسی کو لے لیجیے کہ مسئلہ متفق علیہا ہے کہ جو شخص چار رکعت والی نماز میں قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد اللھم صلی علی محمد پڑھ دے تو نماز ناقص ہو گی، حتیٰ کہ سجدۂ سہو سے وہ نقصان منجبر (پورا) ہو گا، اگر سہواً ایسا کیا۔ دیکھیے! درود شریف کہ جس کی نسبت ارشاد ہے 'من صلی عليّ مرة صلی الله عليه

---

[1] جس سے روک دیا گیا ہو۔

عشراً' او کما قال، یعنی جو شخص درود بھیجے مجھ پر ایک مرتبہ، اس پر اللہ تعالیٰ دس مرتبہ رحمت فرماویں گے اور پھر موقع کون سا؟ نماز! لیکن حکم شرعی یہ ہے کہ نماز میں نقصان آجائے گا تو اس کی آخر کیا وجہ ہے؟

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
پندار سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جزبر پئے مصطفیٰ

(زہد وورع اور صدق وصفا میں سعی کرو لیکن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھنے کی کوشش نہ کرو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ کے خلاف جس نے دوسرا راستہ اختیار کیا، وہ ہرگز منزل مقصود کو نہ پہنچے گا۔ سعدی یہ گمان نہ کرو کہ سیدھا راستہ ہے، بجز پیرویٔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں چل سکتا)

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو موقع درود شریف کا نماز میں مقرر فرمادیا ہے چونکہ اس سے تجاوز ہوا ہے اس لیے نماز میں نقصان آیا۔ اگرچہ درود شریف فی نفسہٖ عبادت ہے اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر اہل بدعات کا بھی اتفاق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوش ہونے سے کون منع کر سکتا ہے؟

پس اے حضرات! خدا سے ڈریے اور اس مادۂ فاسدہ کو اپنے دماغ سے نکالیے ورنہ اس کا اثر دور دور تک سرایت کرے گا اور احکام میں نظر انصاف اور حق طلبی سے غور فرمائیے، پھر اگر شبہات رہیں تو شائستگی اور تہذیب سے ان کو رفع فرمائیے۔ اور خوب سمجھ لینا چاہیے کہ قرآن مجید میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود کی نسبت، جیسا کہ آیت کی تفسیر میں عن قریب مفصل آئے گا صیغۂ امر 'فلیفرحوا' موجود ہے، تو اس فرحت کو کون منع کر سکتا ہے؟ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ پر فرحت اور سرور کو کوئی منع نہیں کر سکتا اور یہ امر بالکل ظاہر ہے لیکن میں نے اس میں اس لیے تطویل کی کہ ہم پر یہ افترا ہے کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو منع کرتے ہیں۔

ہر روز ہر مسلمان کم از کم ۲۸ مرتبہ ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرتا ہے:

صاحبو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک تو وہ شے ہے کہ اگر اس پر اجر کا بھی وعدہ نہ ہوتا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بمقتضائے 'من أحب شيئاً اكثر ذكره' (جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے وہ اس کا ذکر اکثر کرتا ہے)، اس کو مقتضی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت ذکر کیا کرے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر عین عبادت ہے اسی واسطے حق تعالیٰ نے خود اس قدر مواقع آپ کے ذکر کے مقرر فرمائے ہیں کہ مسلمان سے لامحالہ ذکر ہو ہی جاوے۔ دیکھیے! نماز کے اندر ہر قعدہ میں 'السلام علیک أیها النبی' (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر سلام ہو) موجود ہے اور قعدۂ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء میں دو دو ہیں اور فجر میں ایک تو کُل نو قعدے ہوئے اور سنن مؤکدہ اور وتر میں لیجیے تو ظہر میں تین، مغرب میں ایک، عشا میں تین اور صبح میں ایک تو کُل سترہ قعدے ہوئے، پس یہ سترہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا۔ پھر پانچوں وقت فرائض اور سنن اور وتر کے قعدۂ اخیرہ میں کُل گیارہ مرتبہ درود شریف بھی پڑھا جاتا ہے، پس سترہ اور گیارہ، کُل اٹھائیس بار تو لامحالہ ہر مسلمان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کرنا روزانہ ایسا ضروری ہے کہ اس سے کسی طرح مفر ہی نہیں۔ پھر پانچوں وقت اذان اور تکبیر ہوتی ہے، اس میں اشہد ان محمد رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) موجود ہے، جس کو مؤذن اور سننے والا دونوں کہتے ہیں، پھر ہر نماز کے بعد دعا بھی سب ہی مانگتے ہیں اور دعا کے آداب میں سے کر دیا گیا کہ اس کے اول و آخر درود شریف ہو، غرض اس حساب سے بھی اٹھائیس سے بھی زیادہ تعداد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کی ہوگی اور یہ تو وہ مواقع ہیں کہ ان میں پڑھے بے پڑھے سب شامل ہیں اور جو طالب علم حدیث شریف پڑھتے ہیں وہ تو ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذکر میں رہتے ہیں اس لیے کہ ہر حدیث کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ درود شریف موجود ہے، چنانچہ احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھیے اور ان میں جابجا 'قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' اور 'قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم'، 'عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم' واقع ہے اور درمیان میں جہاں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک آیا ہے وہاں بھی درود شریف موجود ہے، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو ایسا گوندھ دیا ہے کہ بغیر ذکر کے مسلمان کو چارہ نہیں۔

ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہونا چاہیے

مولانا فضل الرحمان صاحب گنج مرادآبادیؒ سے کسی نے پوچھا تھا کہ ذکرِ ولادت آپ کے نزدیک جائز ہے یا ناجائز؟ انھوں نے فرمایا کہ ہم تو ہر وقت ذکرِ ولادت کرتے ہیں اس لیے کہ ہر وقت کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کلمہ کہاں پڑھتے؟ پس محبت کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت ذکر ہو اور اس کے لیے اس کی ضرورت نہیں کہ اس کے لیے مجالس منعقد کی جاویں اور مٹھائی منگائی جاوے تب ذکر ہو۔ عاشق اور محب کو اتنی دیر کیسے صبر آسکتا ہے؟ دیکھو! اگر کسی سے محبت ہو جاتی ہے تو محب کی کیا حالت ہوتی ہے کہ ہر وقت اس کی یاد میں بے قرار رہتا ہے۔ اگر اس سے کوئی کہے کہ میاں! ذرا ٹھہر جاؤ، ہم مجلس آرائی کر لیں اور مٹھائی منگالیں، اس وقت ذکر کیجیو۔ وہ کہے گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری محبت کاذبہ ہے کہ جو اتنی دیر تک تم ذکرِ محبوب سے صبر کرتے ہو، محبت تو وہ شے ہے جیسے مجنوں کی حالت تھی کہ:

دید مجنوں را یکے صحرا نورد
در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بعد و انگشتان قلم
می نمودے بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنون شیدا چیست این
می نویسی نامہ بہر کیست این
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می کنم

(کسی نے مجنوں کو جنگل میں تنہا دیکھا کہ غمگین بیٹھا ہوا ہے، ریت پر انگلیوں سے کچھ لکھ رہا ہے۔ پوچھا اس نے اے مجنوں! کسے خط لکھ رہے ہو؟ کہنے لگا لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں، اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں)

بتلایئے کہ اگر مجنوں کو اس حالت میں کوئی یہ کہتا کہ ذرا ٹھہر جاؤ ہم مجلس بنالیں اور مٹھائی منگالیں اس وقت لیلیٰ کا ذکر کرنا تو وہ یہ جواب دے کہ سلام ہے ایسی مجلس کو اور ایسی مٹھائی کو جو میرے اور میرے محبوب کے درمیان حجاب ہو۔ اور ہم نے تو اکثر مجالسِ میلاد والوں کو یہی دیکھا ہے کہ یہ محبت سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔

محبت کا معیار

اس لیے کہ بڑا معیار محبت کا محبوب کی اطاعت ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے:

تعصی الرسول وأنت تطہر حبه
هذا لعمری فی الفعال بدیع
لوکان حبک صادقا لا طعته
ان المحب لمن یحب مطیع

(یعنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے، اپنی جان کی قسم یہ امر افعال عجیبہ میں سے ہے۔ اگر تیری محبت صادق ہوتی تو ضرور تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا، اس لیے کہ محب محبوب کا مطیع ہوتا ہے)

اور ان مولد پرستوں کو دیکھا ہے کہ مجلسِ میلاد کا اہتمام کرتے ہیں، بانس کھڑے کر رہے ہیں، ان پر کپڑے مڑھ رہے ہیں اور سامان روشنی کا فراہم کر رہے ہیں اور اس درمیان میں جو نمازوں کے وقت آتے ہیں تو نماز نہیں پڑھتے اور داڑھی کا صفایا کرتے ہیں...... کیوں صاحبو! کیا محبینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ہی صورتیں اور یہی ان کی حالت ہوتی ہے؟ کیا بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا ہی حق ہے کہ پانچ روپیہ کی مٹھائی منگائی اور تقسیم کر دی اور سمجھ لیا کہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر دیا۔ کیا آپ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ کوئی پیشہ ور پیرزادہ سمجھا ہے کہ تھوڑی سی مٹھائی پر خوش ہو جاویں، تھوڑے سے نذرانے پر راضی ہو جاویں، توبہ توبہ نعوذ باللہ۔ یاد رکھو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے محبین سے خوش نہیں ہیں۔ سچے محب وہ ہیں جو اقوال و افعال، وضع، انداز ہر شے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت کرتے ہیں۔ میرے ایک دوست حافظ اشفاق رسول نامی ہیں۔ وہ ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فریفتہ ہیں۔ وہ کبھی کبھی محبت کی وجہ سے ذکر ولادت مروج طریق سے کیا کرتے تھے۔ انھوں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہم اس کی شفاعت نہ کریں گے جو ہماری بہت تعریف کرے، ہم اس کی شفاعت کریں گے جو ہماری اطاعت کرے۔ مطلب اس کا یہی ہے کہ جو شخص نرا دعویٰ کرتا ہو اور نعتیہ اشعار بہت پڑھتا ہو لیکن اطاعت کرتا نہ ہو تو اس کی شفاعت نہ کریں گے۔ میں نے جو اصلاح الرسوم کتاب لکھی ہے اس میں ایک فصل ذکرِ میلاد کے متعلق بھی ہے، چنانچہ وہ فصل طریقۂ مولد کے نام سے علیحدہ بھی طبع ہوگئی ہے، تو جب یہ کتاب لکھی گئی تو مجلسِ میلاد کے متعلق کانپور میں لوگوں نے بہت شور کیا۔ اسی اثنا میں ایک شخصِ صالح نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس اختلاف کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس میں صحیح کیا ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اشرف علی نے جو لکھا ہے وہ سب صحیح ہے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں جو کتاب 'نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیه وسلم' لکھی ہے، اس کے آخر میں ان دونوں خوابوں کو مفصلاً درج کر دیا ہے لیکن میری غرض ان خوابوں کے ذکر کرنے سے مدعا (اپنے دعویٰ) کا اثبات نہیں ہے، اثباتِ مدعا کے لیے تو مستقل دلائل ہیں، یہ تو محض تائید اور مزید اطمینان کے لیے لکھ دیا ہے۔ الحاصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود اصل ہے تمام نعمتوں کی اور اس پر شکر اور فرحت مامور بہ ہے۔

قرآن پاک کی صفات

چنانچہ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں اسی نعمت کا ذکر اور اس پر فرح کا امر ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے پہلے قرآن مجید کی شان حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ (سورۃ یونس:۵۷)

یعنی "اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت اور دل کے امراض کے لیے شفا اور مومنین کے لیے ہدایت و رحمت آئی ہے"۔

اس میں حق تعالیٰ نے قرآن مجید کی چار صفتیں بیان فرمائی ہیں: موعظہ، شفا، ہدیٰ اور رحمت۔ موعظہ کہتے ہیں وہ کلام جو بری باتوں سے روکنے والا ہے۔ اور شفا اس کی صفت بطور ثمرہ کے فرمائی ہے یعنی نتیجہ اور ثمرہ اس موعظت پر عمل کرنے کا یہ ہے کہ دلوں کے اندر جو روگ ہیں ان سے شفا حاصل ہو گی۔

گناہ کا نتیجہ

یہاں سے ایک تصوف کا مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہم لوگ گناہ میں مبتلا ہیں اور شب و روز ہم سے لغزشیں ہوتی ہیں لیکن اس ابتلا کے ساتھ دو قسم کے لوگ ہیں: ایک تو وہ ہیں کہ گناہ کرتے ہیں اور ان کو اس کا کچھ احساس نہیں ہوتا، اور ایک وہ جن کو احساس ہوتا ہے۔ سو الحمدللہ کہ ہم گو پھسلتے ہیں اور گناہ ہم سے صادر ہوتے ہیں لیکن اندھے نہیں ہیں کہ اس کی خبر ہی نہ ہو کہ راستہ کدھر ہے۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں عطا فرمائی ہیں، گو بعض

وقت نفس کے غلبہ وشرارت سے ان سے کام نہ لیں، پس ان آنکھوں سے ہم کو صاف نظر آتا ہے کہ جب کوئی کبھی گناہ ہوا ہے اس سے قلب میں ایک روگ پیدا ہو گیا، اسی روگ کی نسبت حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[1] یعنی بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کے رنگ کا غلبہ ہو گیا ہے۔ اور اسی کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے تو قلب پر ایک داغ لگ جاتا ہے، اگر توبہ کر لے تو وہ مٹ جاتا ہے ورنہ بڑھتا ہے۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

ہر گناہ رنگے ست بر مرآة دل
دل شود زین رنگہا خوار و خجل
چوں زیادت گشت دل را تیرگی
نفس دون رابیش گردد خیرگی

(ہر گناہ دل کے آئینہ پر ایک رنگ ہے کہ دل ان رنگوں سے خوار و شرمندہ ہوتا ہے۔ جب دل کی تاریکی زیادہ بڑھ جاتی ہے، نفس کمینہ کو اس سے خیرگی ہوتی ہے)
غرض گناہ کے اندر خاصہ ہے کہ قلب میں اس سے ایک روگ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو وہ روگ اور بڑھ جاتا ہے۔

ارتکابِ گناہ سے تقاضا بڑھتا ہے

یہاں پر بعض اہل سلوک کو ایک عجیب دھوکا ہوا ہے اور ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شیطان ان کو گناہ کی رغبت دیتا ہے اور ساتھ ہی اس کی قوتِ نورِ ایمان گناہ سے روکتی ہے جس سے وہ رک جاتا ہے لیکن شیطان تو اس سے بہت زیادہ پڑھا ہوا ہے، وہ جب دیکھتا ہے کہ اس طور سے میرا قابو نہیں چلتا تو وہ گناہ کے اندر ایک دینی مصلحت بتاتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ اگر تم نے یہ گناہ نہ کیا تو ہمیشہ تمہارے دل میں یہ کانٹا سا کھٹکتا رہے گا۔ اور اگر ایک دفعہ دل بھر کر کر لو گے تو دل میں سے اس کا وسوسہ جاتا رہے گا بس اس سے فراغت ہو جائے گی۔ اس میں بڑے بڑے سمجھ دار لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن مومن کامل کو اللہ تعالیٰ نے ایک نور عطا فرمایا ہے کہ وہ اس کے لاکھوں تارو پود کو اس نور کے ذریعہ توڑ پھوڑ دیتا ہے، (چنانچہ عن قریب اس مغالطہ کا حل آتا ہے) اسی واسطے تو حدیث شریف میں آیا ہے: 'فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد' یعنی ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ گراں ہے، کسی نے اس مضمون کو نظم بھی کر دیا ہے:

فان فقيها واحداً متوارعا
اشد على الشيطان من الف عابد

یعنی بلاشبہ ایک پرہیزگار فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

یہ غلطی ہے جو اہل سلوک کو ہوتی ہے اور اہل سلوک کو جو غلطی ہوتی ہے دراصل غلطی وہی ہے اور وہ بہت سخت ہوتی ہے۔ اسی واسطے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ تم کو تو گناہ سے اندیشہ ہے اور ہم کو کفر سے اندیشہ ہے۔ بڑا خطرناک راستہ ہے۔ بس عافیت اس میں ہے کہ اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دے اور کالمیّت بید الغسال (مثل مردہ کے غسّال کے ہاتھ میں) بدست محقق ہو کر رہے۔ شیخ شیرازی اسی مضمون کو فرماتے ہیں:

اگر مرد عشقی گم خویش گیر
وگرنہ عافیت پیش گیر

یعنی اگر مرد عشق ہو تو اپنے کو گم کر دو یعنی اپنی رائے کو دخل نہ دو بلکہ یہ مشرف اختیار کرو:

فکر خودو رائے خود درعالم رندی نیست
کفرست درین مذہب خود بینی و خود رائی

(عالم عاشقی میں اپنی فکر و رائے بالکل بے کار ہے۔ اس مذہب میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے)
جیسے اس شخص نے خود رائی کی کہ شریعت تو حکم کر رہی ہے کہ 'لا تقربوا الزنا'، زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو، یہ اپنی رائے سے کہتا ہے کہ میں زنا سے جب بچ سکوں گا جب جی کھول کر پانچ چھ مرتبہ زنا کر لوں گا اور اس احمق کو اتنی خبر نہیں کہ مرض کو اس سے اور زیادہ قوت ہو گی، جیسے کسی شاعر کا شعر ہے:

کنار و بوس سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی

یہ بے وقوف تو سمجھتا ہے کہ درخت میں پانی دینے سے اس کی جڑ نرم اور کمزور ہو جائے گی پھر اس کو سہولت سے باہر نکال لوں گا، مگر وہ پانی دینے سے اور زیادہ نیچے کو دھنستی اور زور پکڑتی جاتی ہے۔ گناہ کرنے کے بعد اس کو قلب خالی معلوم ہوتا ہے اور خبر نہیں کہ وہ گناہ پہلے حوالیٔ قلب میں تھا اس لیے اس کو محسوس ہوتا تھا اور اب عروق کے اندر پیوست ہو گیا اس وجہ سے اس کو محسوس نہیں ہوتا اور وقت پر بنسبت سابق کے بہت زور کے ساتھ بر آمد ہو گا۔ اور یہ نہیں سمجھتا کہ اب تو اس کا استیصال سہل ہے اور پھر مشکل ہو گا، بقول شیرازی:

سر چشمہ شاید گرفتن بمیل
چو پُرشد نشاید گذشتن بہ پیل
درختے کہ کنوں گرفتست پائے
بہ نیروئے شخصے بر آید زجائے
دگر ہمچناں روزگارے ہلی
بگر دونش از بیخ بر نگلی

[1] سورۃ المطففین: ۱۴

(چشمے کے سوراخ کو ایک کیل سے بند کر سکتے، جب پر ہو جائے تو ہاتھی بھی اس میں سے نہیں گزر سکتا۔ جس درخت نے ابھی جڑ نہیں پکڑی ہے، ایک آدمی کی طاقت سے اکھڑ سکتا ہے۔ اگر کچھ زمانہ تک اس کو اسی طرح چھوڑ دو تو اس کو جڑ سے آلہ گردوں سے بھی نہیں اکھاڑ سکتے)

الحاصل گناہ ایسی شے ہے خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، اس سے قلب میں ایک روگ پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ارشاد ہے کہ قرآن مجید ایسی موعظت ہے کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو وہ دلوں کے روگ کے لیے باعث شفا ہو گا۔ اور تیسری صفت قرآن مجید کی ھدی ارشاد فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ نیک راہ کو بتلانے والا ہے اور جو بھی صفت رحمت بطور ثمرۂ ھدیٰ کے فرمائی ہے یعنی نتیجہ اور ثمرہ اس پر عمل کرنے کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو گی۔ پس قرآن مجید میں مذکورہ بالا صفات کو جمع کر دیا ہے اور للمومنین کی قید اس لیے لگائی کہ گو مخاطب تو اس کے سب ہیں لیکن منتفع اس سے مومنین ہی ہوتے ہیں۔

خوشی کا موقع

اب اس آیت کے بطور تفریع ارشاد ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ (سورۃ یونس:۵۸)

یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ فرما دیجیے کہ اللہ کے فضل و رحمت ہی کے ساتھ بس صرف چاہیے کہ خود خوش ہوں (اس لیے کہ) وہ بہتر ہے اس شے سے کہ جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں، یعنی متاع دنیا سے یہ بہتر ہے، اور عجیب بلاغت ہے کہ پہلے مضمون کا تو حق تعالیٰ نے خود اپنی طرف سے خطاب فرمایا چنانچہ ارشاد ہے: یا ایھا الناس، اور اس دوسرے مضمون کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ کہیے، اس میں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ طبعی بات ہے کہ احکام یعنی امر و نہی انسان کو ناگوار اور گراں ہوتے ہیں اس لیے احکام تو خود ارشاد فرمائے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت محفوظ رہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ فرح کے امر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور زیادہ محبت مخلوق کو بڑھے۔ باقی اس سے کوئی یہ شبہہ نہ کرے کہ بہت جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی احکام پہنچانے کا حکم ہے اس لیے یہ نکتہ اس مقام کے متعلق ہے اور دوسری جگہ دوسرا نکتہ اور حکمت ہو سکتی ہے۔ بہر حال دو چیزوں پر خوش ہونے کا حکم ہے، فضل اور رحمت، اور یہ فضل بھی رحمت ہی کے افراد میں سے ہے، صرف فرق اس قدر ہے کہ فضل کے اندر معنیٰ زیادتی کے ہیں۔

رحمت کے مراتب

خلاصہ یہ ہے کہ رحمت بمعنی مہربانی کے دو مرتبے ہیں: ایک نفس مہربانی اور ایک زائد، یا یوں کہو کہ ایک وہ مرتبہ جس کا بندہ بحیثیت جزا کے اپنے کو مستحق سمجھتا ہے اور ایک زائد، اگرچہ پہلے مرتبۂ رحمت کا اپنے کو مستحق سمجھنا بندہ کی جہالت ہے اور وجہ اس زعم استحقاق کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر ہر شخص کو ایک ناز ہوتا ہے بلکہ اگر غور کیا جاوے تو ہم لوگوں میں ناز ہی کی شان رہ گئی ہے، نیاز بالکل نہیں رہا، اس لیے کہ اگر نیاز ہوتا تو ہم سے نافرمانی نہ ہوتی۔ دیکھ لیجیے کہ حکام دنیا کے ساتھ نیاز ہے اس لیے ان کی نافرمانی نہیں کرتے، نہ ان پر نخرے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ بالعکس ہے۔ جس کا زیادہ سبب یہ ہے کہ رحمت ہی بے انتہا ہے، حتیٰ کہ فوری سزا نہیں دی جاتی، سو جس قدر رحمت بڑھتی جاتی ہے اس رحمت و عنایت کو معلوم کر کے اسی قدر اعراض ان حضرات کا زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گدھا ہمیشہ کسی کے کھیت میں گھس جایا کرتا تھا۔ ایک روز کھیت والے نے اس کے کان میں کہہ دیا کہ مجھ کو تجھ سے محبت ہے، اس روز سے اس نے وہاں آنا چھوڑ دیا۔ پس اسی طرح حق تعالیٰ کی اس قدر عطایا اور بے انتہا رحمتیں ہیں کہ ہم لوگوں کو ناز ہو گیا اور اپنی جہالت سے یہ سمجھ گئے کہ ہم بھی محبوب ہیں، بس لگے نخرے بھگارنے۔ مگر چونکہ ناز کی لیاقت نہیں، ایسے ناز کا انجام بجز ہلاکت کے کیا ہو گا؟ جیسے کسی بے وقوف نے ایک سپاہی کو دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو دانہ کھلا رہا ہے اور وہ گھوڑا کبھی ادھر منہ کر لیتا ہے کبھی ادھر منہ پھیرتا ہے اور یہ شخص، جس طرف وہ منہ کرتا ہے اسی طرف دانہ لے جاتا ہے اور کبھی اس کی پیٹھ سہلاتا ہے اور کبھی منہ پر ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ بیٹا کھاؤ۔ اس بے وقوف نے جب یہ دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ مجھ سے تو یہ گھوڑا ہی بہتر ہے، میری بیوی تو مجھ کو بڑی ذلت سے روٹی دیتی ہے، آج سے گھوڑا بننا چاہیے۔ یہ سوچ کر گھر پہنچے اور بیوی سے کہا کہ آج تو ہم گھوڑا بنیں گے۔ وہ بھی بڑی شوخ تھی، اس نے کہا کہ میری بلا سے آپ گھوڑا بنیں یا گدھا۔ اس شخص نے کہا کہ میں گھوڑا بنتا ہوں، تم میری پیٹھ سہلانا اور دانہ میرے سامنے لانا اور یہ کہنا کہ بیٹا کھاؤ، میں ادھر ادھر منہ پھیروں گا۔ غرض یہ الو کی دم گھوڑے کی طرح کھڑا ہوا۔ بیوی صاحبہ بھی عقل مند تھیں، ایک چادر جھول کی بجائے اس پر ڈالی اور گاڑی پچھاڑی اس کی باندھ دی (یعنی آگے پیچھے دونوں طرف سے باندھ دیا) اور دم کی جگہ جھاڑو لگائی اور دانہ سامنے لائی اور کہا بیٹا کھاؤ۔ رات کا وقت تھا اور اتفاق سے چراغ پیچھے رکھا تھا، جب اس نے ادھر ادھر منہ پھیرا اور دولتیاں چلائیں تو چراغ کی لو جھاڑو میں لگ گئی اور آگ بھڑک اٹھی۔ بدحواسی میں یہ تو خیال نہ رہا کہ رسیاں کھول دے، شور مچا دیا کہ لوگو! دوڑو! میرا گھوڑا جل گیا۔ محلہ والوں نے جانا کہ یہ پاگل یا مسخری ہے، اس کے یہاں گھوڑا کہاں؟ یہ یوں ہی بے ہودہ بکتی ہے۔ غرض وہ گھوڑے صاحب وہیں جل بھن کر خاک سیاہ ہو گئے۔ یہ انجام ہوتا ہے ایسے نخرے اور ناز کا۔ صاحبو! ناز کے لیے صورت بھی تو بنوالو، جب ناز زیبا ہو گا۔ مولانا فرماتے ہیں:

ناز را روئے بباید ہمچو ورد
چوں نداری گرد بد خوئی مگرد
زشت باشد روئے نازیبا و ناز
عیب باشد چشم نابینا و باز

(ناز کرنے کے لیے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے، جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے تو بدخوئی کے پاس بھی نہ جاؤ۔ بدصورتی پر ناز برا ہے، آنکھ نابینا کا کھلا ہونا عیب ہے۔)

ہمارا کیا ناز، ہم کو تو نیاز چاہیے لیکن حق تعالیٰ کے کرم اور رحمت بے انتہا سے ہم لوگوں کی عادتیں بگڑ گئی ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ جس قدر رحمت ہوتی، شرماتے اور تضرع و نیاز زیادہ ہوتی، مگر یہاں بالعکس ہے۔ اس لیے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ گر مجھ کو یہ کہا جاوے ما غرک بربک الکریم، یعنی کس شے نے دھوکے میں ڈالا تجھ کو اپنے رب کریم کے ساتھ؟ تو میں جواب دوں گاقد غرنی کرمک، یعنی آپ کے کرم نے مغرور کر دیا۔ یعنی میں خلاف مقتضائے کرم اس کرم پر مغرور ہو گیا۔ مقصود یہ ہے اور اس کو عذر گردانا مقصود نہیں۔ پس یہ سارا ناز اس وجہ سے ہے کہ حق تعالیٰ کی عطایا زائد ہیں اور مواخذات کم ہیں اور اگر یہ ہو تا کہ جب گناہ کرتے تو غیب سے ایک چپت لگتا تو تمام ناز ایک طرف رکھارہ جاتا اور کبھی گناہ نہ ہو تا۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا بھی ہے۔

ایک بزرگ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور نہایت خوف زدہ تھے اور یہ کہتے جاتے تھے اللھم انی اعوذبک منک، اے اللہ! میں تجھ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کی کیا حالت ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ طواف کرتے ہوئے میں نے ایک مرتبہ نظر بد سے دیکھ لیا تھا، غیب سے میری آنکھ پر ایک ایسا زور سے چپت لگا کہ میری آنکھ پھوٹ گئی اور یہ ارشاد ہوا، ان عُدتُم عُدنا، اگر تم پھر کروگے تو ہم پھر یہ سزا دیں گے۔ غرض حق تعالیٰ پر ایسا ناز ہے کہ اس کی وجہ سے ہر شخص اپنے کو کسی نہ کسی رحمت کا مستحق سمجھتا ہے۔ چنانچہ اتنا تو ضرور جانتا ہے کہ مجھ کو کھانے پہننے کو ملے اور اگر اس میں کچھ کمی ہوتی ہے تو شکایت کرتا ہے۔ گر یہ شخص اپنے کو مستحق نہ جانتا تو شکایت نہ کرتا اس لیے کہ شکایت اسی کی کیا کرتے ہیں جس پر حق سمجھتے ہیں۔ دیکھیے اگر کسی کو دس روپیہ ماہوار ملتے ہیں تو ان پر تو شکر نہیں کرتا اور اگر کہیں سے زائد مل جاوے تو اس کو رحمت حق تعالیٰ جانتا ہے، اس پر شکر کرتا ہے۔ یہ صاف دلیل ہے اس کی کہ ان دس روپیہ کا اپنے کو مستحق جانتا ہے۔ ایک جاہل اکھڑ کے سامنے کسی نے دال روٹی کھائی اور کھا کر کہا کہ الحمدللہ، تو بے وقوف کہتا ہے کہ توبہ توبہ! ایسے ہی لوگوں نے اللہ میاں کی عادت بگاڑ دی ہے کہ دال روٹی کھا کر شکر کرتے ہیں۔ بس وہ ان کو دال روٹی ہی دے دیتے ہیں۔ ہم تو بدون بکرے کے کبھی شکر نہیں کرتے، پس ہم کو وہ بکرے دے دیتے ہیں، نعوذ باللہ۔ بہر حال ہر شخص اپنے کو کسی نہ کسی رحمت کا مستحق سمجھتا ہے، حالانکہ یہ غلطی ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا جانتا ہو جیسا کہ طرز معاملہ سے معلوم ہوتا ہے تو اس کو اس غلطی کی اصلاح کرنی چاہیے، اس لیے کہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہے۔

معتزلہ کا رد

معتزلہ کو بھی اس مسئلہ میں غلطی ہوئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہمارا حق ہے اور ان کو یہ دھوکہ ہوا ہے قرآن شریف کی بعض آیتوں کے نہ سمجھنے سے۔ چنانچہ ارشاد ہے، وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ[1] (مومنین کی نصرت ہم پر حق ہے)...... (باقی صفحہ نمبر 76 پر)

[1] سورۃ الروم: ۴۷

نشانِ پائے مصطفیٰ کا گھر...... (صلی اللہ علیہ وسلم)

نشانِ پائے مصطفیؐ کا گھر یہ دل
میرے حضورؐ کی ہے رہ گزر یہ دل

ہواؤں کی طرح تلاش میں رہے
جدھر ہے خوشبوئے رسولؐ، ادھر یہ دل

حصارِ کائنات میں نہ آسکے
نبیؐ کو چاہتا ہے کس قدر یہ دل

گمان بھی یقین و اعتبار بھی
مرض یہ دل، مرض کا چارہ گر یہ دل

رموز عشق کے تمام آگئے
بڑے ہی کام کا ہے ٹوٹ کر یہ دل

نشانِ پائے مصطفیؐ کا گھر یہ دل
میرے حضورؐ کی ہے رہ گزر یہ دل

مظفر وارثی رحمہ اللہ علیہ

آخری نبی کے دربار میں (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

مورخین اور مصنفین کو خدا معاف کرے، مقدس سے مقدس مقامات اور افضل سے افضل اوقات میں بھی یہ تاریخی ذوق اور طرزِ فکر ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وہ چند لمحات کے لیے بھی اس سے آزاد نہیں ہو پاتے۔ وہ جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے علم اور مطالعے کی فضا میں سانس لیتے ہیں اور حال کا رشتہ ہمیشہ ماضی سے جوڑنا چاہتے ہیں۔ مناظر کو دیکھ کر ان کا ذہن بہت جلد اس تاریخی منظر کی تلاش میں نکل جاتا ہے جس کے نتیجے میں ان مناظر کا وجود اور نمود ہے۔

میں کل مسجد نبوی میں روضۂ جنت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے مراد وہ مقام ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔ میرے چاروں طرف نمازیوں اور عبادت گزاروں کا کثیر مجمع تھا۔ ان میں کچھ لوگ سجدے میں تھے اور کچھ رکوع میں۔ تلاوتِ قرآن کی آواز فضا میں اس طرح گونج رہی تھی جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتے میں بھنبھنا رہی ہوں۔ اس وقت کا سماں کچھ ایسا تھا کہ مجھے تاریخ اور تاریخی شخصیات کو تھوڑی دیر کے لیے فراموش کر دینا چاہیے تھا لیکن تاریخ کی قدیم یادیں بادلوں کی طرح میرے دل و دماغ پر چھا گئیں اور میرا ان پر کوئی زور نہ چل سکا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس کی بعض نامور شخصیتوں اور رہنماؤں کو ایک نئی زندگی عطا کی گئی ہے اور وہ وفد کی شکل میں یکے بعد دیگرے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو رہے ہیں اور اسی عظیم مسجد میں فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد اسی عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۂ سلام اور خراجِ محبت و عقیدت پیش کر رہے ہیں اور اس کے احسانات کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ وہ مختلف زبانوں، مقامات اور طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، سب یک زبان ہو کر اس کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جنھوں نے اللہ کے حکم سے ان کو ظلمت سے روشنی کی طرف، تیرہ بختی سے خوش بختی کی طرف، مخلوق کی عبادت سے خدائے واحد کی عبادت کی طرف اور مذاہب کے ظلم و استبداد سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی کی طرف منتقل کیا۔

وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ اسلام ہی کی پیداوار ہیں اور ان کا سارا وجود اور زندگی نبوت کی مرہونِ منت ہے۔ اگر خدانخواستہ ان سے وہ سب واپس لے لیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نبی محترم کے ذریعے عطا کیا تھا اور نبوت کے وہ عطیے ان سے چھین لیے جائیں جنھوں نے دنیا میں ان کو عزت و سرفرازی بخشی تھی تو ان کی حیثیت ایک بے روح اور بے جان ڈھانچے اور چند مبہم اور بے مقصد خطوط واشکال سے زیادہ نہ رہ جائے گی اور وہ تاریخ کے اس تاریک ترین عہد کی طرف واپس چلے جائیں گے جہاں جنگل کے قانون اور ظلم و استبداد کا دور دورہ تھا اور موجودہ تہذیب و تمدن کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

اچانک میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ بابِ جبریل سے (جو مجھ سے زیادہ قریب تھا) ایک جماعت داخل ہو رہی ہے۔ سکون و وقار میں ڈوبے ہوئے لوگ، ان کی پیشانی سے علم کا نور اور ذہانت کا وفور صاف عیاں تھا۔ وہ باب الرحمت اور بابِ جبریل کے درمیانی حصے میں پھیل گئے۔ وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ان کے شمار کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

میں نے دربان سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ اس نے کہا اس امت کے امام اور رہنما، انسانیت کے محسن اور نوعِ انسانی کے ممتاز اور قابلِ فخر نمونے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پوری پوری قوم کا امام، پورے کتب خانے اور مکتبِ فکر کا بانی اور موسّس، پوری نسل کا مربّی اور مستقل علوم و فنون کا موجد ہے۔ ان کے لازوال شاہکار اور لافانی آثار اور نمونے آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے علوم و اجتہاد اور تحقیق کی روشنی میں کئی کئی نسلوں نے سفرِ زندگی طے کیا ہے۔ اس نے عجلت کے ساتھ ان چند ہستیوں کے نام بھی مجھے بتا دیے...... امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد مصری، امام اوزاعی، امام بخاری، امام مسلم، تقی الدین ابن تیمیہ، ابن قدامہ، ابو اسحاق الشاطبی، کمال ابن ہمام، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہم اللہ۔

اگرچہ ان شخصیتوں میں اپنے زمانے اور اپنے ملک، وطن اور اپنی علمی و دینی حیثیتوں اور مراتب کا بڑا فرق تھا لیکن ان سب نے اس موقع پر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور اشکِ ندامت نذر کیے۔

میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے انھوں نے تحیۃ المسجد کا دوگانہ بہت خشوع و خضوع اور حضوریٔ قلب کے ساتھ ادا کیا۔ پھر بہت ادب اور تواضع کے ساتھ مرقد مبارک کی طرف بڑھے اور بہت جچے تلے، مختصر، معانی سے لبریز، گہرے اور پر مغز کلمات کے ساتھ سلام پیش کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آواز اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز میں رقّت...... وہ کہہ رہے تھے:

> ”یا رسول اللہ! اگر آپ کی لازوال، وسیع، جامع، عادلانہ اور کشادہ شریعت نہ ہوتی اور اس کے وہ اصول نہ ہوتے جن سے انسانی ذہن اور صلاحیت نے نئے نئے گل بوٹے پیدا کیے اور دنیا کا دامن بیش قیمت اور عطر بیز پھولوں سے بھر دیا۔ اور اس کا وہ حکیمانہ اور معجزانہ نظام نہ ہوتا جس نے انسانی فکر و تدبر اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کو پیدا کر دیا۔ اور اگر وہ انسانیت کی ایک اہم ضرورت نہ ہوتی تو اس عظیم فقہ کا کوئی وجود نہ ہوتا۔ نہ یہ عظیم اسلامی قانون وجود میں آتا جس سے اس وقت تک ہر قوم کا دامن خالی ہے نہ اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ پیدا ہوتا جس کے سامنے دنیا کا سارا مذہبی لٹریچر ہیچ ہے۔ اگر علم کی اشاعت،

خدا کی نشانیوں اور اس کی قدرتِ کاملہ میں غور و فکر اور عقل سے کام لینے کی آپ نے اتنی پرزور دعوت نہ دی ہوتی تو یہ شجرِ علم زیادہ دنوں تک برگ و بار نہ لا سکتا اور نہ اس کا سایہ تمام دنیا پر ایسا محیط ہوتا جیسا آج نظر آرہا ہے، عقلِ انسانی پہلے کی طرح پابہ زنجیر ہوتی۔"

میں اس جماعت کو جی بھر کے دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو باب الرحمت سے ہو کر اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت کے آثار ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس جماعت میں حسن بصری، عمر بن عبد العزیز، حضرت سفیان ثوری، فضیل بن عیاض، داؤد الطائی، ابن السّماک، شیخ عبد القادر جیلانی، نظام الدین اولیاء اور عبد الوہاب المتقی رحمۃ اللہ علیہم جیسے حضرات بھی رونق بخش ہیں جنھوں نے اپنے قابلِ رشک پیشروؤں کی یاد تازہ کر دی۔

نماز کے بعد یہ لوگ بھی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور اپنے نبی و پیشوا اور سب سے بڑے معلم اور رہنما کی خدمت میں درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے لگے، وہ کہہ رہے تھے:

"یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے وہ عملی مثال نہ ہوتی جو آپ نے پیش فرمائی تھی اور وہ مینارۂ نور نہ ہوتا جس کو آپ نے بعد کے آنے والوں کے لیے قائم فرمایا تھا، اگر آپ کا یہ قول نہ ہوتا کہ 'اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے' اگر آپ کی یہ وصیت نہ ہوتی کہ دنیا میں اس طرح زندگی گزارو جس طرح کوئی مسافر یا راہی گزارتا ہے، اگر زندگی کا وہ طرز نہ ہوتا جس کا ذکر حضرت عائشہؓ نے اس طرح کیا ہے کہ 'ایک چاند کے بعد دوسرا چاند دوسرے کے بعد تیسرا چاند نکل آتا تھا اور آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی، نہ چولھے پر دیگچی چڑھانے کی نوبت آتی تھی' تو ہم دنیا پر اس طرح آخرت کو ترجیح نہ دے سکتے اور نہ ہم محض گزارہ پر بسر کر سکتے اور نہ قناعت کو اپنی زندگی کا شعار بنا سکتے نہ ہم نفس کی ترغیبات پر قابو پا سکتے اور نہ دنیا کے حسن و جمال اور اس کی رعنائی و زیبائی اور عہدہ و منصب کی طاقت اور کشش کا اس طرح مقابلہ کر سکتے۔"

ان کے حکیمانہ الفاظ ابھی پوری طرح میرے دل و دماغ میں پیوست بھی نہ ہوئے تھے کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو "باب النساء" سے بہت لحاظ اور ادب کے ساتھ گزر رہا تھا۔ ظاہری آرائش اور آزادی کے ان مناظر سے جو اسلامی اصول و آداب کے منافی ہیں، یہ گروہ بالکل محفوظ اور خالی تھا۔ یہ مختلف قوموں اور دور دراز ملکوں کی صالح، عبادت گزار اور عفیف خواتین تھیں جو عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ بہت دبی زبان میں اور پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنے جذباتِ تشکر و عقیدت کا اظہار اس طرح کر رہی تھیں:

"ہم آپ پر درود و سلام بھیجتی ہیں یا رسول اللہ! ایسے طبقے کا درود و سلام جس پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے۔ آپ نے ہم کو خدا کی مدد سے جاہلیت کی بیڑیوں اور بندشوں، جاہلی عادات و روایات، سوسائٹی کے ظلم اور مردوں کی زور دستی اور زیادتی سے نجات بخشی۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے رواج کو ختم کیا، ماؤں کی نافرمانی پر وعید سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ آپ نے وراثت میں ہم کو شریک اور اس میں ماں بیٹی بہن اور بیوی کی حیثیت سے ہم کو حصہ دلایا۔ یوم عرفہ کے مشہور تاریخی خطبہ میں آپ نے ہمیں فراموش نہیں کیا اور کہا کہ 'عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے ان کو اللہ کے نام سے حاصل کیا ہے'۔ اسی طرح مختلف مواقع پر مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، ادائے حقوق اور بہتر معاشرت کی ترغیب دی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے طبقے کی طرف سے وہ بہتر سے بہتر جزا دے جو انبیا و مرسلین علیہم السلام اور اللہ کے نیک و صالح بندوں کو دی جا سکتی ہے۔"

یہ نرم آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں کہ ایک اور جماعت نظر آئی جو "باب السلام" کی طرف سے آرہی تھی۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ علوم و فنون کے موجد اور مرتب ائمۂ نحو و لغت و بلاغت کی جماعت تھی۔ اس میں ابوالاسود الدئلی، خلیل بن احمد، سیبویہ، کسائی، ابو علی الفارسی، عبد القاہر الجرجانی، السکاکی، مجد الدین فیروز آبادی، سید مرتضی الزبیدی بھی تھے جو اپنے علوم کا سلام پیش کر رہے تھے اور اپنی شہرت اور مرتبۂ علمی کا خراج ادا کرنے آئے تھے۔ میں نے دیکھا وہ بہت بلیغ اور ادبی الفاظ میں اس طرح گویا ہیں:

"یا رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے اور یہ مقدس کتاب نہ ہوتی جو آپ پر نازل ہوئی، اگر آپ کی احادیث نہ ہوتیں اور یہ شریعت نہ ہوتی جس کے سامنے ساری دنیا نے سرِ تسلیم خم کر دیا ہے اور وہ اس وجہ سے عربی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے پر مجبور تھی تو پھر یہ علوم بھی نہ ہوتے جن میں آج ہم کو امامت و قیادت کا شرف حاصل ہے، نحو، بیان، بلاغت ان میں سے کسی چیز کا وجود نہ ہوتا، نہ یہ بڑی بڑی معاجم اور لغات نظر آتیں، نہ عربی زبان کے مفادات میں یہ نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں ہوتیں اور نہ ہم اس راستے میں طویل جدوجہد کے لیے تیار ہوتے (جس کے یہاں زبانوں اور بولیوں کی کوئی کمی نہ تھی) عربی سیکھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی اور نہ ان میں وہ مصنفین اور اہل قلم پیدا ہوتے جن کی ادبیت و زبان دانی کا اہل زبان نے بھی لوہا مان لیا اور ان کی ادبی ذہانت کا اعتراف کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ہی ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان واسطہ اور رابطہ تھے جو آپ کی بعثت کے بعد وجود میں آئے۔ درحقیقت صرف آپ ہی عرب و عجم میں رابطہ کا ذریعہ ہیں، آپ ہی کی ذات ہے جس نے اس درمیانی خلا کو پُر کیا اور عرب و عجم اور مشرق و مغرب کو گلے

ملا دیا اور شیر وشکر بنا دیا۔ آپ کا کتنا احسان ہے ہماری اس ذہانت، طبّاعی اور تبحّرِ علمی پر اور آپ کا کتنا کرم ہے علم کی اس دولت پر، انسانی عقل کی زرخیزی پر اور قلم کی گل کاری پر۔ یا رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے تو یہ عربی زبان دوسری بہت سی زبانوں کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتی۔ اگر قرآن مجید کا غیر فانی صحیفہ اس کا پاسبان نہ ہوتا تو اس میں اتنا تغیّر و تبدّل ہو جاتا کہ اس کی صورت ہی مسخ ہو جاتی اور وہ ایک نئی زبان بن جاتی جیسا کہ بکثرت دوسری زبانوں کے ساتھ ہوا ہے۔ عجمی الفاظ اور مقامی زبانیں اس کو جذب کر لیتیں یا نگل لیتیں اور اس کی صحت و اصلیت یکسر ختم ہو جاتی۔ یہ آپ کے وجودِ مبارک، شریعتِ اسلامی اور اس کتابِ مقدّس کا فیض ہے جس نے اس زبان کو فنا کی دست و برد سے محفوظ رکھا ہے اور عالم اسلام کے لیے اس کی عزت و محبت واجب کر دی ہے اور ہر مسلمان کے دل کو اس کا اسیر محبت بنا دیا ہے۔ آپ ہی کی توجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو دوام بخشا اور اس کی بقا و ترقی کی ضمانت دی۔ اس لیے ہر اس شخص پر جو اس زبان میں بات کرتا ہے یا لکھتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے یا اس کی دعوت دیتا ہے آپ کا احسان ہے اور وہ اس احسان کا کبھی منکر یا اس سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔"

میں ان کے اس تشکر و اعتراف اور اظہارِ حقیقت کو غور سے سن رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ "باب عبد العزیز" پر جا کر ٹھہر گئی۔ اس دروازے سے ایک ایسا گروہ داخل ہو رہا تھا جس پر مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے رنگ نمایاں تھے۔ اس میں دنیا کے بڑے بڑے سلاطین اور تاریخ کے ممتاز ترین بادشاہ اور فرماں روا شامل تھے۔ ہارون الرشید، ولید بن عبد الملک، ملک شاہ سلجوقی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، ظاہر بیبرس، سلیمان اعظم اور اورنگ زیب عالمگیر بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ انھوں نے اردلیوں اور چوب داروں کو دروازے کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا اور نظریں جھکائے ہوئے تواضع و انکسار کا مجسمہ بنے ہوئے بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے چل رہے تھے۔ میری نظر کے سامنے ان سب کی شخصیتیں اور کارنامے ابھرنے لگے۔ میری آنکھوں میں اس طویل و عریض دنیا کا نقشہ پھر گیا جس پر ان کا سکہ چلتا اور ان کا ڈنکا بجتا تھا۔ ان کی بادشاہی اور فرماں روائی کی تصویر یکایک میرے سامنے آ گئی جو ان کی دنیا کو بڑی بڑی قوموں، طاقت ور سلطنتوں اور جابر بادشاہوں پر حاصل تھی۔ ان میں وہ ہستی بھی تھی جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر یہ جملہ کہا تھا:

> "تو جہاں چاہے جا کے برس، تیرا خراج آخر کار میرے ہی خزانے میں آئے گا۔"

وہ شخص بھی تھا جس کی سلطنت کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار سانڈنی سوار سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا چاہتا تو یہ پندرہ ماہ سے کم میں ناممکن تھا۔ ان میں وہ فرماں روا بھی تھے جو نصف کرۂ ارض پر حکومت کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو خراج پیش کرنے پر مجبور تھے۔ ایسے فرماں روا بھی تھے جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ بر اندام تھا اور جن کے زمانے میں مسلمانوں کو عزت کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ و سطوت سے گرجاگھروں کے گھنٹے نہ بجتے۔ غرض اسی طرح کے نجانے کتنے بادشاہ اور فرماں روا اس مجمع میں موجود تھے۔ وہ مسجدِ نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ حضور کی خدمت میں درود و سلام کا ہدیہ پیش کرنا چاہتے تھے اور اس کو اپنے لیے سب سے بڑا اشرف و اعزاز اور سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش ان کی یہ نماز اور یہ ہدیۂ درود و سلام قبول فرمایا جائے۔

میں نے دیکھا کہ وہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے دلوں پر ہیبت طاری تھی یہاں تک کہ وہ 'صُفّہ' کے نزدیک پہنچ گئے جو فقرا صحابہ کا مسکن اور جائے قیام تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے وہاں رک گئے اور عزت و احترام اور شرم و حیا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس جگہ کو دیکھنے لگے جو کبھی ان فقرا و مساکین کا ٹھکانہ تھا جن کے قدموں کی خاک کو یہ اپنی آنکھ کا سرمہ بنانے کو تیار ہیں۔

اس کے قریب ہی انھوں نے تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعتیں پڑھیں اور قبر مبارک کی طرف بڑھے اور پھر ان کی محبت و عقیدت، جذبات و احساسات اور علم و ایمان نے جو کچھ کہلوایا وہ انھوں نے اس بارگاہِ نبوی میں عرض کیا۔ لیکن شریعت کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے اور توحیدِ خالص کو پیش نظر رکھ کر۔ میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے:

> "اے خدا کے رسول! اگر آپ نہ ہوتے اور آپ کا یہ جہاد اور یہ دعوت نہ ہوتی جو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور جس نے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کر لیا، اور اگر آپ کا یہ دین نہ ہوتا جس پر ایمان لانے کے بعد ہمارے آبا و اجداد گوشۂ عزلت اور قعرِ مذلّت سے نکل کر عزت و سربلندی، بلند ہمتی و حوصلہ مندی کی وسیع زندگی میں داخل ہوئے، پھر اس کے نتیجے میں انھوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں اور دور دراز ملکوں کو فتح کیا اور ان قوموں سے خراج وصول کیا جو کسی زمانے میں ان کو اپنی لاٹھی سے ہانکتی تھیں اور بھیڑ بکری کے گلّے کی طرح ان کی پاسبانی اور حفاظت کرتی تھیں۔ اگر جاہلیت سے اسلام کی طرف اور گوشۂ گمنامی اور تنگ و محدود قبائلی زندگی سے تسخیرِ عالم کی طرف یہ مبارک سفر نہ ہوتا جو آپ کی برکت سے انجام پذیر ہوا تو دنیا میں کسی جگہ بھی ہمارا جھنڈا سربلند نہ ہوتا اور نہ ہماری کہانی کسی جگہ سنائی جاتی۔ ہم اسی طرح بے آب و گیاہ خشک و ویران صحراؤں میں اور حقیر وادیوں میں دست و گریبان رہتے، جو طاقت ور ہوتا وہ کمزور پر ظلم کرتا، بڑا چھوٹے پر زیادتی کرتا؛ ہماری غذا بہت ہی حقیر اور معیارِ زندگی اتنا پست تھا کہ اس سے زیادہ پست کا

تصور مشکل ہے۔ ہم اس گاؤں یا محدود قبیلے سے آگے بڑھ کر کچھ سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے جس میں ہماری ساری زندگی اور ساری جدوجہد محصور تھی۔ ہماری مثال تالاب کی مچھلیوں اور کنویں کے مینڈکوں کی سی تھی۔ ہم اپنے محدود تجربوں کے جال میں گرفتار تھے اور اپنے جاہل اور بے عقل آباواجداد کے گن گاتے تھے۔

یارسول اللہ! آپ نے ہم کو اپنے دین کی ایسی روشنی عطا فرمائی کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ خیال میں وسعت پیدا ہوئی، نظر کو جِلا ہوئی۔ اس کے بعد ہم اس وسیع اور جامع دین اور اس کے روحانی رشتہ و رابطہ کو لے کر خدا کی وسیع اور کشادہ زمین میں پھیل گئے۔ ہماری مردہ و خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوئیں اور ہم نے ان صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے شرک و بت پرستی اور ظلم و جہالت کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور ایسی عظیم الشان حکومتیں قائم کیں جن کے سائے میں ہم اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی صدیوں تک آرام اور فائدہ اٹھاتے رہے۔

آج ہم آپ کی خدمت میں غلامانہ نذرِ عقیدت پیش کرنے آئے ہیں اور اپنے جذبۂ محبت اور عزت و احترام کا خراج یا ٹیکس اپنی خوشی و مرضی سے ادا کر رہے ہیں اور اس کو اپنے لیے باعثِ فخر اور وسیلۂ نجات سمجھتے ہیں۔ ہمیں پورا اعتراف ہے کہ اس دین کے احکام و قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں (جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سرفراز کیا تھا) ہم سے یقیناً بڑی کوتاہی ہوئی۔ ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔''

میں ان بادشاہوں کی طرف متوجہ تھا، میری نظریں ان کے خاموش اور باادب چہروں پر مرکوز تھیں، میرے کان ان کے ان پرخلوص نیاز مندانہ الفاظ پر لگے ہوئے تھے جو اس سے قبل میں نے ان سے کسی موقع پر نہیں سنے تھے کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی اور ان بادشاہوں اور فرماں رواؤں کی پروا کیے بغیر ان کی صفوں سے ہوتی ہوئی سامنے آگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بادشاہوں کے رعب و دبدبہ اور قوت و اقتدار کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا تو یہ شاعر ہیں یا انقلابی۔ یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ جماعت ان دونوں گروہوں پر مشتمل تھی۔ انھوں نے ایک کو اپنا ترجمان بنایا اور لائق ترجمان نے ان الفاظ میں اپنے جذباتِ عقیدت کا اظہار کیا:

''خواجۂ کونین، سالارِ بدر و حنین، یارسول اللہ! میں آپ سے اس قوم کی شکایت کرنے آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خوانِ نعمت کی ریزہ چیں ہے اور آپ کے سایۂ رحمت کے سوا اس کو کہیں پناہ نہیں ملتی اور آپ ہی کے لگائے ہوئے باغ کے پھل کھا رہی ہے۔ وہ ان ملکوں میں، جن کو آپ نے قفسِ استبداد سے آزاد کرایا تھا اور سورج کی روشنی اور کھلی ہوا عطا کی تھی، آج آزادی کے ساتھ اور اپنی حیثیت کے مطابق حکومت کر رہی ہے۔ لیکن یہی قوم آج اسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم امت کے وجود اور عظمت کا دارومدار ہے۔ اس کے رہنما و لیڈر آج یہ کوشش کر رہے ہیں کہ امتِ واحدہ کو کثیر التعداد قومیتوں میں تقسیم کر دیں۔ وہ اسی چیز کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جس کو آپ نے ختم کیا تھا، اسی چیز کو بگاڑ رہے ہیں جس کو آپ نے بنایا تھا اور اس امت کو عہدِ جاہلیت کی طرف لے جا رہے ہیں جس سے آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکالا تھا۔ اور اس معاملہ میں یورپ کی تقلید کر رہے ہیں جو خود زبردست ذہنی افلاس اور انتشار و بے یقینی کا شکار ہے۔ وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر کے اپنی قوم کو تباہی کے گھر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے جن بتوں سے کعبہ کو پاک کیا تھا وہ آج مسلمانوں کے سروں پر نئے نئے ناموں اور نئے لباسوں میں پھر مسلط کیے جا رہے ہیں۔ مجھے عالمِ عربی کے بعض حصوں میں، جن کو آپ کا مرکز اور قلعہ ہونا چاہیے تھا، ایک عام بغاوت نظر آرہی ہے لیکن کوئی فاروقؓ نہیں۔ فکری و ذہنی ارتداد کی آگ تیزی سے پھیل رہی ہے اور کوئی ابوبکرؓ نہیں جو اس کے لیے مردانہ وار میدان میں آئے اور اس آگ کو بجھائے۔''

یہ بلیغ اور یقین و ایمان سے لبریز الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ مسجدِ نبوی کے میناروں سے اذان کی دل نواز صدا بلند ہوئی۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ میں یک بارگی ہوشیار ہو گیا اور تخیلات کا یہ حسین سلسلہ جو تاریخ کے سہارے قائم ہو گیا تھا، ٹوٹ گیا اور میں پھر اسی دنیا میں واپس آگیا جہاں سے چلا تھا۔ کچھ لوگ نماز میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت کر رہے تھے۔ عالمِ اسلام کے مختلف وفود اور جماعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کر رہی تھیں۔ زبانوں اور لہجوں کے اختلاف کے ساتھ جذبات و تاثرات کے اتحاد نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں - خط نمبر: ۳

میاں سعد خالد

بعد از خدا بزرگ و برتر، اپنے پیارے اور سچے رسول کی خدمت میں (صلی اللہ علیہ وسلم)

از طرف خاکِ پائے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میرے پیارے نبیؐ!

وہی خواہش آج بھی ہے کہ یہ آرزوئے دِل آپ کے گھر اور آپ کے منبر کے درمیان بیٹھ کر 'روضۃ من ریاض الجنۃ' میں بیان کرتا۔ آپ کے مزار کی جالیوں سے سینہ چمٹا کر بیان کرتا، لیکن اے رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ کے دشمنوں نے آپ کے اس گنہگار عاشق کا راستہ روک رکھا ہے۔ یارسول اللہ! آپ کا مرتبہ تو ہم عاصیوں کے لیے ناقابلِ بیان ہے، آپ کی شان تو آپ کا اور ہمارا اللہ بیان کرتا ہے، ہم سوں کا یہ خط اور یہ اظہارِ عشق کسی حساب میں نہیں آتا، لیکن یارسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ عاشق اظہار کے لیے بے تاب ہوتا ہے۔

یارسول اللہ! دو مہینے ہونے کو آئے کہ آپ کے ایک دشمن نے فرانس میں آپ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا، یہ ملعون ایک سکول میں استاد تھا۔ آپ کے ایک عاشق نے جس کا نام بھی ہمیں معلوم نہیں، اس عاشقِ صادق نے اس خبیث گستاخ کا سر اتار لیا اور آپ کی عطا کردہ دعا و خوش خبری کا مستحق ٹھہرا 'افلحت الوجہ'، یہ چہرہ کامیاب رہے۔ یارسول اللہ! آپ کی اس دعا کی عطا سے، یہ نوجوان عاشق چند لمحوں بعد ہی شہادت کی موت سے ہمکنار ہوا۔ یارسول اللہ! آپ کے ایک شہید عاشق انور العولقیؒ کی زبانی سنا کہ آپ کے صحابہؓ فرماتے تھے کہ آپؐ جس کو دعائے رحمت دیتے تو وہ 'شہید' ہو جاتا، یارسول اللہ یہ گمنام عاشق بھی شہید ہو گیا۔ یارسول اللہ! ہم اس نوجوان کا نام نہیں جانتے لیکن جن کو آپ نے 'فاروقؓ' کا خطاب عطا کیا، جب انہیں آپ کے صحابیٔ خاص سعد بن ابی وقاصؓ نے جنگِ قادسیہ کا احوال لکھتے ہوئے، تذکرۂ شہدا میں چند نام بیان کرنے کے بعد کہا کہ 'فلاں فلاں کو تو آپ (عمر فاروقؓ) جانتے ہیں لیکن باقی شہیدوں کو آپ نہیں جانتے' تو آپ کے 'فاروقؓ' رونے لگے اور فرمایا 'عمر اگر نہیں جانتا تو کیا ہوا، عمر کا رب تو انہیں جانتا ہے'۔ یارسول اللہ! اس عاشقِ گمنام کو آپ کا رب تو جانتا ہے اور ہم آپ کے پیروکاروں میں اس گمنام عاشق کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے، ''ہمیں اس سے فی اللہ محبت ہے' اور اس محبت کے صدقے آپ کے فرمان کے مطابق 'روزِ قیامت جب کوئی سایہ نہ ہو گا تو ان دو لوگوں میں شامل ہونے کی تمنا رکھتے ہیں جو فی اللہ ملے اور فی اللہ جدا ہوئے'۔

یارسول اللہ! آپ کے اور ہمارے اللہ کے، آپ کے، آپ کے دین کے اور آپ کی امت کے عصرِ رواں میں سب سے بڑے دشمن 'امریکہ' کو آپ کے رب کی نصرت سے افغانستان میں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ یارسول اللہ! آپ کے امتی اس فتح کو اس فتح کی مثل سمجھتے ہیں جیسی فتح آپ کو بنفسِ نفیس اللہ نے 'حدیبیہ' میں عطا کی تھی۔ یارسول اللہ! جیسے بعد از حدیبیہ اللہ اور آپ کے دین کی تبلیغ کے مواقع عام ہوئے تھے، جیسے پرچارِ دینِ حق چہار دانگِ عالَم میں ہوا تھا 'معاہدۂ دوحہ' کے بعد بھی ایسے ہی امکانات روشن ہو گئے ہیں۔ یارسول اللہ! آپ کی پگڑی کی طرح کی سفید اور کالی پگڑیوں والے، کھلے کھلے کُرتے پہنے اور کاندھوں پر کملیاں رکھے آپ کے مجاہد عاشق ساری دنیا میں آپ کی شریعت کے نفاذ کا پیغام، اس شریعت کی برکتیں اور محاسنِ اسلام بیان کر رہے ہیں۔ یارسول اللہ یہ آپ پر اترے قرآن کے پیغام پر عمل کرنے اور آپ کی تلواروں 'ذوالفقار' و 'بتار' کو ہاتھ میں تھامنے کا بابرکت ثمرہ ہے۔ یارسول اللہ! یہ آپ پر نازل ہوئے قرآن کی عملی تفسیر ہے کہ 'کافروں نے ایک چال چلی اور اللہ نے ایک چال چلی اور اللہ بہترین چال چلنے والا ہے'، یارسول اللہ! اللہ ہی کی چال غالب ہے، آپ کے دین کی اس اشاعت و تبلیغ کو دیکھ کر ہم آپ کے نام لیواؤں کے دل خوشی سے بے حال ہیں اور زبانیں آپ کے اور ہمارے اللہ کی حمد میں رطب اللسان ہیں۔

یارسول اللہ! اس دنیا میں آپ کے کچھ عاشق ایسے بھی ہیں جو آپ کی سندھ و ہند کو فتح کرنے کی بشارتیں سن کر مچل رہے ہیں۔ یہ دعوت و جہاد کے میدانوں میں کھپ رہے ہیں۔ یارسول اللہ! اس غزوۂ اخیر الزماں کے غازی بڑے غریب ہیں! یارسول اللہ یہ جیشِ عسرت کی مانند ہیں۔ یا رسول اللہ! اس غزوے کے غازیوں کے پاس اسلحہ ایسا کم ہے جیسا آپ کے صحابہؓ کے پاس بدر کے دن تھا۔ یارسول اللہ! سواریاں کم ہیں۔ یارسول اللہ! ہزاروں جیلوں میں پڑے ہیں اور آپ کے مؤذنؓ کی مانند 'احد' 'احد' کہہ کر فضائے ایمان کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ یارسول اللہ! مثلِ سمیہؓ، مثلِ زنیرہؓ کتنی عفیفات ہیں جو امریکہ سے لے کر پاکستان تک، باگرام سے لے کر اڈیالہ و تہاڑ تک زندانوں میں پڑی ہیں، لیکن آپ کے دین کو چھوڑنے کا خیال ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں۔ یارسول اللہ! آپ کی امت میں لاتعداد بچے ہیں جنہوں نے اس لیے یتیمی کو گوارا کر لیا ہے کہ ان کا باپ آپ کا عاشق تھا۔ یارسول اللہ! ان بچوں کا دنیوی 'کیریئر' کچھ نہیں لیکن آپ کے اللہ کا اور آپ کا وعدہ سچا ہے، یہ بچے یقیناً ہر میدان میں آگے نکلیں گے، یہ حسنینؓ بن علیؓ بنیں گے، یہ اسامہ بن زیدؓ بنیں گے، یہ عبد اللہ بن زبیرؓ بنیں گے، یہ زین العابدینؒ بنیں گے، دنیا کی وسعتوں میں آپ کا سفید و کالا عَلَم یہ لہرائیں گے اور آخرت کی وسعتیں ان کا مقدر ٹھہریں گی، ان شاء اللہ! یارسول اللہ سرحد سے بلوچستان اور سندھ سے پنجاب تک، کشمیر سے دہلی تک اور بمبئی سے ڈھاکہ و رنگون تک آپ کی مبارک الہامی پیشین گوئی کے مصداق...... (باقی صفحہ نمبر 9 پر)

’آئی ایس آئی‘ کے ہاتھوں، پھر سے استعمال نہ ہو جانا......

سیلاب خان

راقم بفضل اللہ ایک مجاہد فی سبیل اللہ ہے اور اس سے قبل قریباً ایک دہائی تک مختلف اخباروں کے دفتروں، اطلاعات و نشریات کی منسٹری کے دفتروں، پریس کلبوں کے چکر کاٹتا اور نیوز ڈیسکوں پر چائے کی چسکیاں لیتا رہا ہے، گاہے اپنے تجربات و مشاہدات اور کچھ پوشیدہ سٹوریاں لکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے تا کہ وطنِ عزیز پاکستان میں نافذ ’فاسد‘ نظام کی کچھ حقیقت فاش کرنے میں اپنا حصہ بھی ڈال سکے۔(سیلاب خان)

زیرِ نظر مضمون دسمبر ۲۰۱۹ء کے مجلّہ ’نوائے افغان جہاد‘ کے شمارے میں اول بار شائع ہوا تھا، فائدۂ عام اور سقوطِ ڈھاکہ کی تاریخ کی نسبت سے دوبارہ نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے۔(ادارہ)

یہ ۱۹۷۱ء کی شاموں کا ذکر ہے، ایسی شامیں جو کچھ ہی عرصے میں ’خون آشام‘ ہونے والی تھیں۔ ’متحدہ پاکستان‘ کی کرتا دھرتا اسٹیبلشمنٹ، جس نے مشرقی پاکستان کا ’عسکری‘ دفاع، مغربی پاکستان کو رکھا ہوا تھا...... مشرقی پاکستان میں ہونے والے حملے کا جواب مغربی پاکستان میں بھی نہ دے سکی۔ مشرقی پاکستان میں لڑنے کے لیے فوج کم تھی اور فوج کی کمی سے زیادہ، موجود فوج میں لڑنے کے جذبے کی کمی تھی۔ اس جذبے کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ’دائیں‘ بازو کی جماعت ’جماعتِ اسلامی‘ اور جماعتِ اسلامی ہی کی طرز و فکر اور سرپرستی میں قائم ’اسلامی جمعیتِ طلبہ‘ جس کا بنگلہ زبان میں نام ’اسلامی چھاترو شانگو‘ تھا کا سہارا لیا گیا۔

جماعتِ اسلامی کے تحت بنیادی طور پر دو ’تنظیمیں‘ بنائی گئیں، ایک کا نام ’البدر‘ اور دوسری کا ’الشمس‘ تھا۔ یہ رضاکار تنظیمیں شہری علاقوں میں امن و امان قائم رکھنے کی نیت سے فوج کے ساتھ مصروفِ عمل تھیں۔ لیکن جب ’لا الٰہ الا اللہ‘ کی خاطر قائم ہونے والے ملکِ خداداد کی سرحدوں کو ضرورت پڑی تو ان رضاکاروں نے اپنی جانیں بچائے رکھنا گوارا نہ کیا۔

آخری قطرۂ خون تک جنگ جاری رکھنے کا وعدہ کرنے والی ’متحدہ پاکستان‘ کی فوج کے ایک بریگیڈیئر سے، ڈھاکہ کے ایک مکان میں جماعتِ اسلامی کے رہنما جنابِ خرم مرادؒ کی جنگی حالات اور حکمتِ عملی کے متعلق اکثر ملاقات ہوتی۔ خرم صاحب، اس مکان کے دروازے پر جایا کرتے، دروازے پر ایک ’آئی ایس آئی‘ کا ماتحت اہلکار خرم صاحب کا استقبال کرتا اور راہداری کھولتا۔

پھر ۱۶ دسمبر سے ایک یا دو راتوں پہلے کی بات ہے کہ خرم صاحب جنگی حکمتِ عملی اور بھارت کے ممکنہ باہنی کی صورت میں اثر و نفوذ کے متعلق بات کرنے بریگیڈیئر صاحب سے ملنے اسی مکان پر گئے۔ گھنٹی بجائی تو وہی مانوس صورت والا ایجنسی کا اہلکار استقبال کو نکلا، لیکن یوں ملا جیسے اجنبی سے ملا جاتا ہے۔ ’جی! آپ کون؟‘، ہرکارے نے پوچھا۔ خرم صاحب نے کمال حیرت سے تعارف کروایا اور بریگیڈیئر صاحب سے ملاقات کروانے کو کہا۔ ہرکارا بولا ’یہاں تو کوئی بریگیڈیئر صاحب نہیں ہوتے اور نہ ہی میں آپ کو جانتا ہوں؟!‘۔ خرم صاحب یہ جواب سن کر پریشان ہو گئے اور ان ہزاروں کارکنوں کا خیال ان کے ذہن میں آیا جو اس فوج کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے اور جن کارکنان کا مستقبل آج تادمِ تحریر قید، قتل اور باغی گردانا جانا ہے۔ بوجھل قدموں اور الجھے خیالوں کے ساتھ خرم صاحب واپس مڑے ...... فوج ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر چکی تھی اور سولہ دسمبر کو نوے ہزار سے زائد فوجیوں کے ساتھ البدر و الشمس کے رضاکار بھی تھے جو بطورِ ’جنگی قیدی‘ ہندوستان کی قید میں گئے۔ انہی قیدیوں میں سے ایک جنابِ خرم مراد بھی تھے۔ فیضؔ کو یہ واقعہ تو معلوم نہ تھا، لیکن سقوطِ ڈھاکہ ہی پر لکھی اس کی نظم کا یہ مصرع اسی ’سیناریو‘ پر جچ رہا تھا:

ع ہم کہ ٹھہرے اجنبی کتنی ملاقاتوں کے بعد

خرم مرادؒ صاحب نے یہ واقعہ خود، جہادِ کشمیر کے آغاز پر جہادِ کشمیر ہی سے وابستہ ایک ’داعیٔ جہاد‘ کو جہادِ کشمیر سے وابستہ ایک ماہانہ مجلّے کے لیے انٹرویو دیتے ہوئے سنایا۔ پھر کہا کہ ’بریگیڈیئر فلاں پھر نہیں ملے گا‘، اور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ کہیں اس ’آئی ایس آئی‘ اور فوجی اسٹیبلشمنٹ کے ہاتھوں پھر سے استعمال نہ ہو جانا۔ یہ انٹرویو کبھی شائع نہ ہو سکا لیکن سینہ در سینہ یہ روایت ہم تک پہنچ گئی اور آج یہی روایت زیرِ نظر مضمون کا موجب ہے۔

مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنے پچاس سال ہونے والے ہیں۔ ملکِ خداداد پاکستان کی نامور اسلامی جماعت نے سنہ ۷۱ء میں کیوں فوج کا ساتھ دیا، فوج کا اس وقت کیا کردار تھا اور بعض اسلامی جماعتوں کے لیے اس سانحے میں کیا سبق پنہاں ہے؟ انہی چند سوالوں کا جواب زیرِ نظر مضمون تلاش رہا ہے۔

ہر انسان کے کچھ اعتقادات ہوتے ہیں یا تحریکیں نظریات رکھتی ہیں۔ اعمال ان اعتقادات اور نظریات کے تابع بھی ہوتے ہیں اور عکاس بھی۔ اگر کسی کا کوئی فعل ’فساد‘ کا شکار ہو جائے تو فقط یہ بات کافی نہیں ہوتی کہ اس نے ماضی میں کسی خاص نظریے یا عقیدے پر حلف اٹھایا تھا اور اس کی پاسداری کا اقرار کیا تھا۔ ربّانی قانون تو کہتا ہی یہی ہے، دیکھا جائے تو دنیا کے ’ناقص‘ قوانین جو ’ناقص‘ عقلوں سے برآمد ہوئے ہیں، ان کے نزدیک بھی فیصلہ فقط نعروں اور نظریات کے اعلان سے نہیں بلکہ افعال کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اسی لیے تو توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندۂ مومن کا جرم بھی فقط ’دعوائے عشق‘ کی بنیاد پر احسن قدم قرار نہیں دیا جاتا۔ گھر میں موجود سب سے زیادہ تابع فرمان بیٹا بھی جرم کرے، تو کسی نہ کسی درجے کی تادیب و سزا اس کا مقدر بہر کیف قرار پاتی ہی ہے۔

ملکِ خداداد، پاکستان لا الٰہ الا اللہ کی بنیاد پر وجود میں آیا، لیکن اس کے اربابِ اختیار ہمیشہ لا الٰہ الا اللہ کے مخالف رہے۔ بلکہ صرف مخالف نہ رہے اس کے خلاف کمر بستہ رہے۔ ان کے اعتقادات مغربی اور افعال لادینی تھے۔

اسی سب کا ایک مظہر مشرقی پاکستان تھا۔ پاکستان میں شامل ہونے والے 'عوام' نے رنگ و نسل، قوم و قبیلے، زبان و برادری کو نابود کر کے 'دین' کی بنیاد پر عمارتِ پاکستان قائم کی تھی۔ اسی واسطے کہا گیا:

اسلام ہی اس ملک کی بنیاد و بقا ہے
بنیاد پہ قائم نہ رہے گا تو فنا ہے

پاکستان کے اولین حکمرانوں سے لے کر ۱۹۷۱ء تک اور ۱۹۷۱ء کے بعد باقی ماندہ پاکستان کے حکمرانوں نے آج تک ایک لمحے کے لیے بھی پاکستان کو اس کی بنیاد پر قائم نہیں رہنے دیا۔ جس کا پہلا بڑا نتیجہ بنگلہ دیش تھا اور درجنوں المیے اور ناسور اس بنیاد سے ہٹ جانے کے سبب آج تک ہماری روح قبض کر رہے ہیں۔

مغربی پاکستان کی اسٹیبلشمنٹ نے بنیادِ دین سے ہٹتے ہوئے لمبے قد، انگریزی بولنے میں مہارت اور گورے رنگ کے سبب بنگالیوں کو ملیچھ سمجھا اور لفظِ بنگالی کو مثلِ گالی قرار دیا۔ ہر ہر ادا اور طور طریقے سے مشرقی پاکستان کے ان مسلمانوں کو اپنے سے کمتر، حقیر اور چھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی۔ دین کے نفاذ سے تو منہ موڑا ہی، جدید ریاستوں کے بنیادی حقوق سے بھی مشرقی پاکستان کے اہالیان کو محروم رکھا۔

مورخین نے سنہ ۷۰ء میں مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی حالت کی جو تصویر کشی کی ہے تو اس کو پڑھ اور جان کر آج کا ایتھوپیا یا نائیجیریا ذہن میں آ جاتا ہے، جہاں ہڈی پر کالی کھال کے سوا انسانوں کی کوئی اور تصویر نہیں۔

فوج، سول بیوروکریسی، سرکاری ٹینڈر، صنعتی اداروں کو ملنے والی مراعات...... ہر ہر شعبے میں مغربی پاکستان سے آئے افسر صدر کرسیوں پر براجمان تھے۔ دین کا عدمِ نفاذ اور پھر دین پر عمل نہ ہونے کے سبب محرومیاں، وہ مسائل تھے جن کو استعمال 'بھارت' نے کیا۔ اور بھارت کی سازش کا مقابلہ کرنے کی خاطر البدر اور الشمس میدان میں اتریں اور ظاہر ہے کسی بھی دینی جماعت کو بھارت کا راستہ روکنے کے لیے اترنا بھی چاہیے تھا، سوال اس اترنے پر نہیں، سوال اس عمل میں 'پاکستانی فوج' کے ساتھ اتحاد و تعاون پر ہے۔

'پاکستانی فوج' کے ساتھ کسی بھی اسلامی جماعت کا اتحاد، کیوں غلط ہے؟ اس کی چند بنیادی وجوہات ہیں:

پہلی وجہ

فوج کا نظریۂ جنگ اسلامی نہیں تھا اور نہ ہی کسی بھی اسلامی کاز کی خاطر فوج یہ جنگ لڑ رہی تھی۔ فوج کا مسئلہ حدودِ ریاستِ پاکستان کا دفاع بھی نہیں تھا، بلکہ مشرقی پاکستان کے اندر وہ اثاثے موجود تھے جن سے فوج متمتع ہو رہی تھی۔ مشرقی پاکستان دراصل وہ grazing ground تھا جہاں سے چَر کر جانور فربہ ہوا کرتے۔ فوج مشرقی پاکستان میں موجود 'پاکستانیوں' کی محافظ بھی نہیں تھی۔ اس زمانے میں فوج چونکہ براہِ راست حاکم بھی تھی، ملک میں مارشل لاء کا نفاذ تھا تو فوج ملک کی آدھی سے زیادہ آبادی پر مسلط ہو کر صرف وسائل کی لوٹ کھسوٹ کر رہی تھی۔ فوج کا مشرقی پاکستان میں جاری 'آپریشن سرچ لائٹ'، 'جوائے بنگلہ' کے مقابلے میں 'جیوے پاکستان' کا مشن لیے ہوئے تھا، ایسا پاکستان جس کا حاکم یحییٰ خان تھا۔

بریگیڈیئر صدیق سالک کی کتاب 'میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا' کے مطابق، ''سنہ ۷۰ء کے انتخابات کے بعد، ڈھاکہ میں یحییٰ خان نے میڈیا کے نمائندوں سے بات کرتے ہوئے کہا، 'جب وہ (شیخ مجیب الرحمان) ملک کی باگ ڈور سنبھالیں گے تو میں یہاں نہیں ہوں گا'۔ بعد ازاں بنگالی اخبار نویسوں نے کہا کہ صدر کے بیان میں کلیدی جملہ '...... تو میں یہاں نہیں ہوں گا' تھا''۔ یحییٰ خان تو جنوری ۱۹۷۱ء میں ہی اس ملک کو دولخت کر چکا تھا اور اس کا نظریہ کوئی اسلامی تو دور کی بات ہے، وطنی اور قومی بھی نہیں تھا۔ یحییٰ خان کا بھٹو یا مجیب کی طرف جھکاؤ یا دونوں کا اتحاد، دونوں صورتوں میں مطمحِ نظر اپنے اقتدار کا دوام تھا۔

مکتی باہنی سے فوج کی وجہِ دشمنی ان کا سیکولر اور لادین ہونا نہیں تھا، بلکہ فوج خود سیکولر تھی، لادینی اس کے انگ انگ میں بسی ہوئی تھی۔ فوجی ہر بنگالی کی جان، عزت و عصمت اور مال کو اپنے لیے حلال بلکہ اپنا حقِ محض سمجھتے تھے۔ بریگیڈیئر اے آر صدیقی نے اپنی کتاب 'East Pakistan the Endgame, An Onlooker's Journal 1969-1971' میں لکھا ہے کہ ''جنرل نیازی فوجیوں کے عورتوں کو بے حرمت کرنے کا دفاع کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ 'آپ کیسے توقع کر سکتے ہیں کہ ایک فوجی مشرقی پاکستان میں رہے، لڑے اور مارا جائے اور جنسی عمل جہلم جا کر کرے؟!'۔ جنرل اے اے کے نیازی جوانوں کی غیر انسانی اور بہیمانہ حرکتوں کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے اور اپنی آنکھوں میں شیطانی چمک کے ساتھ فوجی جوانوں سے پوچھا کرتے تھے کہ 'شیر! کل رات تیرا اسکور (score) کتنا رہا؟'۔ یہاں سکور سے مراد جنسی زیادتی کا نشانہ بنائے جانے والی عورتوں کی تعداد ہوتی تھی!''۔

سو فوج کا نظریۂ جنگ نفس کی تسکین اور شیطانی خواہشات کی تکمیل تھا۔ نظریہ شہوت پرستی تھا، جس میں بدکاریاں بھی داخل تھیں اور مال و اسباب کی لوٹ کھسوٹ اور اپنے ہی ملک کے 'تیسرے درجے کے شہریوں' پر فرعونی حکومت کا نشہ بھی۔

جب کہ البدر و الشمس، پاکستان کو اسلام کے ایک قلعے کے طور پر سامنے رکھتے ہوئے، استحکامِ پاکستان کی جنگ لڑ رہی تھیں۔

دوسری وجہ

ہندوستانی سازشوں اور ہندوستان کے خلاف جنگ تو بجا ہے، لیکن ہندوستان کے خلاف لڑنے والی فوج خود بھی فسادی ہے۔ ہندوستان اگر حد سے تجاوز کر رہا ہے اور ظلم کر رہا ہے تو فوج کے

اپنے اعترافات کے مطابق انہوں نے چھبیس ہزار عام بنگالیوں کو مارچ ۱۹۷۱ء سے دسمبر ۱۹۷۱ء تک قتل کیا اور بیس ہزار مسلمان بنگالی عورتوں کی عصمت ریزی کی[1]۔ اس زمانے میں فوجی افسروں نے خود کروڑوں روپے ملک کے نیشنل بینک سے لوٹے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ دو متضاد نظریات یعنی اسلام اور شہوتِ نفسانی و حکمرانی کا عقیدہ، متحد ہو جائیں؟

تیسری وجہ

ایک دینی جماعت کے ایک صوبائی امیر نے ابھی کچھ عرصہ قبل کہا کہ اگر ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا تو ہم ایک بار پھر البدر اور الشمس بنائیں گے اور فوج کا ساتھ دیں گے۔ ہندوستان سے لڑنا تو جائز ہے، بلکہ مطلوب ہے، فرض ہے لیکن ہندوستان سے لڑنے کے لیے یہ بات کہاں لازم آتی ہے کہ ہندوستان سے سیاہ رُو فوج لڑے گی اور ہم نے اس کا ساتھ لازمی دینا ہے!!

یہ بات تو درست ہے کہ جس زمین پر اہلِ دین نفاذِ شریعت اور اقامتِ دین کی جنگ لڑ رہے ہیں، اسی زمین یعنی پاکستان پر فوج بھی موجود ہے، لیکن نظریات اور تصورات کے مابین بعد المشرقین واقع ہے، بلکہ جنت اور جہنم، آگ اور پانی جیسا فرق پایا جاتا ہے۔

اسلامی پاکستان کے استحکام کا مطلب فوج کا استحکام نہیں!

پاکستان اور پاکستان کی فوج پانی کے جوہری فارمولے کی طرح لازم و ملزوم نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہائیڈروجن کے ساتھ جب تک آکسیجن جمع نہ ہو تو پانی بن نہیں سکتا۔ مگر بد قسمتی سے ہمارے بعض اہلِ دین نے فوج کو پاکستان اور پاکستان کو اسلام قرار دیتے ہوئے، بقائے اسلام کو بقائے فوج سمجھ لیا ہے۔ اسی لیے فوج اور فوج ہی کی وضع کردہ ریاستی پالیسیوں کا دفاع بلکہ ان کی حفاظت کے لیے اقدام کو ان جماعتوں نے اپنا فرضِ منصبی بنالیا ہے۔ یوں یہ جماعتیں فوج کے ہر سیاہ و سفید میں سہولت کار ہی نہیں شریکِ کار بھی بن جاتی ہیں۔

مذکورہ دینی جماعت کے ایک مرکزی رہنما نے ایک بار جہادِ کشمیر کے ذکر پر مبنی ایک مجلس میں کہا کہ 'ایسا نہیں ہے کہ ہم فوج کے ماتحت ہو کر جہادِ کشمیر یا تحریکِ کشمیر کو چلا رہے ہیں بلکہ معاملہ یہ ہے کہ آئی ایس آئی کے بھی کچھ مفادات ہیں اور ہمارے (تحریکِ کشمیر کے) بھی...... یوں ہمارے اور آئی ایس آئی کے بعض مفادات ایک ہو جاتے ہیں اور ہم مل کر کام کر لیتے ہیں'۔ ایسی بات کرنا سوائے سادگی کے کچھ نہیں کہ اس فوج کی ستر سالہ تاریخ اور اس سے بھی پہلے اس فوج کی اصل تاسیس یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کے چوکیداروں اور پھر رائل انڈین آرمی کا حصہ ہونے کی تاریخ اس پر گواہ ہے کہ اس فوج نے ہمیشہ اہلِ دین کو دھوکہ دیا ہے اور انہیں صرف اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ ہماری دینی جماعتیں ایسا موقع یقیناً استعمال کرتی ہیں جب فوج اور ان کے مفاد ایک ہو جاتے ہیں، مگر کیا یہ جماعتیں اُس وقت کے لیے بھی کوئی پروگرام رکھتی تھیں یا آج رکھتی ہیں جب فوج کے مفاد اور ان کی (اسلامی) ذمہ داریوں کے بیچ ٹکراؤ آجائے؟ آج فوج تو اپنا مفاد پورا کر ہی رہی ہے، کیا یہ جماعتیں بھی اپنے فرائض ادا کر رہی ہیں؟

سقوطِ ڈھاکہ کا آپ جائزہ لیجیے، بھارت کے خلاف جنگ یقیناً جہاد تھا، مگر اس جہاد میں زمامِ کار کیا خود اس دینی جماعت کے ہاتھ میں تھی، یا یہ اس نے خود اپنے اختیار سے اس 'اتحادی' فوج کے حوالے کر رکھی تھی؟ اتحاد و تعاون ہوتا رہتا ہے اور واضح کافروں تک کے ساتھ بھی ایک بڑے کافر کے خلاف اتحاد کیا جاسکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود تک کے ساتھ معاہدے کیے۔ مگر ان معاہدوں اور اتحاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی پالیسی کے تابع نہیں، بلکہ یہود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ عملی کے تابع تھے اور معاہدے و اتحاد کا فائدہ اسلام اور اہلِ اسلام کے حق میں نکلتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اہلِ اسلام تو نعوذ باللہ محروم کے محروم رہتے مگر یہود دونوں ہاتھوں سے مفاد لُوٹتے۔

مشرقی پاکستان میں البدر و الشمس اور فوج کے بیچ اتحاد کی کیا صورت تھی؟ یہاں کس کا ہاتھ بھاری تھا؟ البدر و الشمس کا یا فوج کا؟ کس کی پالیسی اور کس کا حکم فیصلہ کُن تھا؟ کون تھا کہ اگر وہ کہتا کہ جنگ ہو تو جنگ ہوتی اور اگر وہ اسلحہ رکھتا، تو البدر و الشمس بے دست و پا ہو جاتے اور ہندو فوج کو فتح ملتی؟ یہ حیثیت ہر لحاظ سے اُس پاکستانی فوج کو حاصل تھی جس کی اخلاقی، دینی اور نظریاتی حالت بیان ہو بھی چکی اور کچھ آگے بھی ہو گی۔ اُس فوج کی پالیسیاں یہاں حاکم تھیں جو کسی طور پر بھی ہندو فوج سے بہتر نہیں تھی، بلکہ کئی پہلوؤں سے تو ہندوؤں سے بھی وہ بدتر تھی۔ ایسے میں ایک دینی جماعت کا ایسی 'قوت' کی ماتحتی قبول کرنا اور اپنی دعوت و قتال، حال و مستقبل سب کچھ اس کے ہاتھ میں دے دینا کیسے اسلام و اہلِ اسلام کے حق میں بہتر ہو سکتا تھا؟

آج جہادِ کشمیر کے تناظر میں دیکھیے...... دینی جماعتوں کا آج کیا فرض ہے؟ کیا پاکستانی فوج اس فرض میں معاون ہے یا رکاوٹ؟ آج اہلِ دین کی ذمہ داری ہے کہ وہ کشمیری مسلمانوں کی مدد کریں اور جس طرح بیس سال پہلے ان کے مجاہدین بارڈر پار کرتے تھے، آج بھی وہ مسلمان ماؤں بہنوں کی مدد کے لیے جائیں۔ مگر آج راستے میں کون رکاوٹ ہے؟ کس کے مفاد حائل ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ بیس سال پہلے اپنے کارکنوں کو کشمیر بھیجنا شرعی فرض تھا اور آج جبکہ کشمیریوں کو پہلے سے زیادہ ہماری ضرورت ہے تو ہم نہیں جا رہے اس لیے کہ آج ریاست[2] کی پالیسی مختلف ہے!!! اس "ریاست" کی پالیسی ۷۱ء میں ہمیں ساتھ ملا کر ہم سے کام نکلوانا تھا، ہم ساتھ ہو گئے، پھر اس نے اسلحہ رکھا اور ہم سے مشورہ تک نہیں کیا، تو ہم بیچ جنگ میں اکیلے رہ گئے اور آج تک ہم ڈھاکہ میں پھانسیوں پر چڑھ رہے ہیں، پھر فوج کی پالیسی تھی کہ مقبوضہ کشمیر میں اپنے مجاہدین بھجوائیں تو ہم بھیجنے لگے اور یہ ہمارا جہاد تھا۔ وقت بدل گیا اور اب اس

---

[1] بمطابق حمود الرحمان کمیشن رپورٹ۔ بنگلہ دیشی ذرائع یہ تعداد دس گنا زیادہ بتاتے ہیں، لیکن دیگر آزاد ذرائع کے مطابق یہ تعداد تین لاکھ کے قریب ہے۔

[2] جو پاکستان میں دراصل فوج کا دوسرا نام ہے۔

ریاست کی پالیسی ہے کہ کشمیر میں کوئی مجاہد قدم نہ رکھے تو ہم نے بھی اپنا سب کچھ لپیٹ لیا۔ اور شاید آئندہ کل کا منظر نامہ پھر یہی ہو کہ 'مجاہدین غزوۂ ہند' کو کشمیر و ہند میں اتر تا دیکھ کر یہ فوج پھر اس جہاد میں اترنا چاہے، ایسے میں ہم کیا لائحہ رکھتے ہیں؟ اس سارے قصے میں کیا ہماری بھی کوئی پالیسی ہے یا نہیں؟ کیا ہم سے بھی یہ دین کوئی مطالبہ کر رہا ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ بس جو فوج کہے، اتفاق سے وہی اسلام کا بھی تقاضہ ہوتا ہے؟ اسی دینی جماعت کے ایک مرکزی ذمہ دار سے جب آج ایک انٹرویو میں سلیم صافی نے جہادِ کشمیر سے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ 'یہ تو خود ریاست کی پالیسی ہے اور ہزار ہا علمانے اس پر (پیغامِ پاکستان) دستخط کیا ہے کہ جنگ ریاست کرے گی، جنگ حکومت کرے گی......'۔

جب مزید پوچھا گیا کہ 'اسّی لاکھ کشمیری مسلمانوں کے لیے کیا آپ نے کوئی اقدام اٹھایا ہے؟'، تو جواباً بولے 'میں نے کوئی initiative نہیں لیا ہے......'۔ سلیم صافی بولا 'حکومت تو کبھی نہیں (initiative) لے گی تو بس کشمیریوں کی یہی حالت رہے گی؟ اگر کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے تو اپنی شہ رگ کی آزادی کے لیے پاکستان کو جنگ نہیں کرنی چاہیے؟'، اس پر گویا ہوئے کہ 'میں نے حکومت کو تجاویز دی ہیں...... خود مقبوضہ کشمیر کے نوجوان اس کے لیے تیار ہیں کہ وہاں انڈین آرمی کا مقابلہ کریں اور وہ مقابلہ کر رہے تھے، وہاں ایک زبردست لڑائی تھی گلی گلی کوچے کوچے میں؛ لیکن ہمارے نظام نے اس ساری لڑائی کو لپیٹ دیا اور اس کو فریز (freeze) کیا اور انڈین اتنے دلیر ہو گئے کہ انہوں نے کشمیر کو انڈین یونین کا حصہ بنایا'۔ گویا جس طرح البدر و الشمس کے ساتھ کیا گیا تھا، وہی کچھ آج کشمیر کے ساتھ کیا جانا قبول کیا جا رہا ہے اور افسوس کہ سب کردار وہی ہیں، بس ایک کشمیری قوم کا نام مختلف ہے؛ پاکستانی فوج وہی، مقابلہ پر ہندو فوج وہی، دینی جماعت بھی وہی! بس بنگالی مسلمانوں کی جگہ کشمیری مسلمان ہیں۔

البدر و الشمس نے فوج کو کیا فائدہ دیا؟

البدر و الشمس کا نظریہ جو بھی ہو...... ان کے اعمال و افعال کیا تھے؟ یہ بات یقینی ہے کہ دینی تحریک کے کارکنان پر لگائے جانے والے ناحق قتل اور عصمت ریزیوں کے الزامات سراسر جھوٹ اور بہتان ہیں لیکن البدر و الشمس نے درجِ ذیل جرائم میں یا تو حصہ لیا یا ان کے فوج میں پائے جانے کے باوجود فوج کا ساتھ دیا:

1. فوجی ظلم کے خلاف اٹھنے والے بنگالیوں کی تحریک کے خلاف بطورِ مخبر فوج کے ساتھی بنے رہے۔ مکتی باہنی کوئی اسلامی تحریک نہ تھی، نہ اس کے نظریات اور ایجنڈے کی ہم حمایت کر رہے ہیں، بلکہ اس کی مثال آج کی بلوچ انسر جنسی اور پشتون تحفظ موومنٹ جیسی تحریکات ہیں۔ ان تحریکات کے شعائر اور ایجنڈوں میں یقیناً فساد ہے لیکن جس بنیاد پر یہ فوج کے خلاف اٹھی ہیں وہ سراسر درست ہے اور وہ بنیاد ہے فوج کا ظلم، بربریت اور جابرانہ اندازِ حکمرانی۔ مکتی باہنی بھی ظالم تھی لیکن ظالم کے خلاف اس سے بڑے ظالم (فوج) کا ساتھ دینا سراسر ناانصافی اور ظلم کی بات ہے!
2. اپنے اعترافات کے مطابق چھبیس ہزار عام بنگالیوں کا قتل، جبکہ دیگر ذرائع اس تعداد کو تین لاکھ بتاتے ہیں۔ اس قتلِ عام پر مجرمانہ خاموشی ہی جرم نہیں بلکہ اس کے باوجود ساتھ دینا اصل جرم ہے۔
3. اپنے اعترافات کے مطابق بیس ہزار مسلمان بنگالی عورتوں کی عصمت دری جبکہ ایک آسٹریلوی ڈاکٹر کے مطابق چار لاکھ عورتوں کو زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ ان چار لاکھ حادثات میں ایک لاکھ ستر ہزار عورتوں نے اسقاطِ حمل کروایا، جبکہ پانچ ہزار عورتوں نے اسقاطِ حمل خود سے کیا۔ سنہ ۱۹۷۲ء کے پہلے تین ماہ میں ان زیادتیوں کے نتیجے میں تیس ہزار ناجائز بچے (war babies) پیدا ہوئے۔ کتنے ہی بچوں کا ماؤں نے جننے کے بعد خود قتل کر دیا یا پھر زیادتی کا نشانہ بننے کے بعد ان عورتوں نے اپنی جان لے لی[1]۔ دیگر سب جرائم اور قتل ایک طرف لیکن عصمت دری وہ جرم ہے جس پر انسان سب سے زیادہ غیرت کھاتا ہے اور یہ بدترین قبیح جرائم میں سے ہے اور اس جرم کے مشرقی پاکستان میں سرزد ہونے کی شرح اتنی زیادہ ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ مشرقی پاکستان کے اندر رہتے ہوئے کسی کو اس کا علم نہ ہو۔
4. آج جب البدر و الشمس کا ذکر کیا جاتا ہے جبکہ فوج کے مظالم جو نہ جاننا چاہے وہ بھی جانتا ہے، پھر اس پر مستزاد یہ کہ یہ بھی کہا جائے کہ ہم پھر فوج ہی کی حمایت میں البدر و الشمس ایک بار پھر بنائیں گے یا یہ کہ 'فوجی وردی کی تقدیس ایسی ہے جیسی کہ جائے نماز کی ہوتی ہے' تو یہ ظلم اور ناانصافی کی بات ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ہم فوج کے ۷۱ء میں کیے جرائم میں شریک تھے اور آئندہ بھی شریک رہیں گے۔ پھر آج جبکہ فوج کھلم کھلا ۷۱ء جیسے جرائم ایک بار پھر صرف کر ہی نہیں رہی بلکہ ان جرائم پر سینہ زوری بھی کرتی ہے اور پھر کھلم کھلا 'وار آن ٹیرر' نامی 'وار آن اسلام' میں امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی ہے، ایسے میں اس فوج کی حمایت اور اپنی تاریخ میں سرزد ہوئی غلطی کا ادراک نہ کرنا جماعتوں کی نظریاتی موت کے مترادف ہے، ان جماعتوں کی نظریاتی موت جن کا دعویٰ اقامتِ دین ہے۔
5. البدر اور الشمس کے تحت سرزد ہوئی غلطیوں اور فوج کے جرائم کے باوجود اس کا ساتھ دینا اور اسی پر صرف مجرمانہ خاموشی نہیں بلکہ مجرمانہ ساتھ دینا دنیا و آخرت میں خسارے کا سبب نہ بن جائے۔ کل تک اگر مکتی باہنی کا جھانسا دے کر اس فوج نے استعمال کیا اور آج اگر یہ جماعتیں 'تجاہلِ عارفانہ' برتتے ہوئے فوج کا ساتھ

[1] بحوالہ کتاب: Against Our Will: Men, Women and Rape از Susan Brownmiller

دینے اور پھر سے مثلِ 'البدرِ بنگال' بنانے کی سوچ میں ہیں تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس فوج نے لال مسجد میں خون کی ہولی کھیلی ہے، بوٹوں تلے قرآنِ مجید کو روندا ہے، یہ فوج فخر کے ساتھ گوانتاناموآباد کرنے، چھ سو عرب مجاہدین (مکتی باہنی یا بلوچ علیحدگی پسند نہیں) کو امریکہ کو بیچنے کا اعلان سینہ ٹھونک کر کرتی ہے۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ بنگال کے بعد ان 'بانکے سپاہیوں' نے مہران سے بولان اور پنجاب سے خیبر تک ہزاروں داڑھیوں والوں، علمِ دین کے حاملین اور قرآنِ مجید کے حافظین کو کیوں قتل کر کر کے سڑک کنارے پھینکا ہے؟!

فوج نے البدر والشمس کو کیا دیا؟

1. فوج نے البدر والشمس کے ساتھ غداری کی، ان کو لڑوایا، ان کو مروایا، ان کو مکتی باہنی کے ٹارچر سیلوں میں تڑپتا چھوڑا۔ آج بھی مکتی باہنی کے غنڈوں کی وہ تصاویر موجود ہیں، جن میں سنگینوں سے مکتی باہنی کے غنڈے البدر والشمس کے کارکنوں کو مار رہے۔ البدر والشمس کے کارکنوں کی اجتماعی قبریں موجود ہیں۔
2. فوج نے اپنی کھال بچانے کے لیے پندرہ ہزار کے قریب البدر و الشمس کے نوجوانوں کو بھی بھارت کی قید میں ڈلوا دیا۔
3. کارگل میں بھی البدر والشمس کے کارکنوں کی مثل، مجاہدینِ کشمیر کو اگلے محاذ پر لڑوایا اور جنگ نے ذرا سی شدت اختیار کی تو اس فوج اور خفیہ ایجنسیوں نے اپنے 'بہادر' بھگوڑے کمانڈو پرویز مشرف کے ذریعے نواز شریف کو کھلوایا اور اس نے کلنٹن کی واشنگٹن میں جا کر منتیں کیں اور جنگ بندی کروائی۔ یہاں بھی مجاہدین کو آگے کیا اور اپنے فوجیوں کو بچالائے۔
4. جہادِ کشمیر سے وابستہ جہادی تنظیموں کے ساتھ بھی البدر والشمس جیسا سلوک ہی کیا گیا، نوّے کی دہائی کے شروع میں جن تنظیموں کو اٹھایا گیا، امریکی اشارہ اور پھر امریکی بارگاہ میں (بعد از نائن الیون) فوج کے سجدے کے بعد، ان مجاہدین کو abandon کیا گیا۔ جنرل کیانی جو ۲۰۰۱ء میں ڈی جی ایم او (Director General Military Operations) تھا، ۲۰۰۴ء میں ڈی جی آئی ایس آئی، پھر اکتوبر ۲۰۰۷ء میں وائس چیف آف آرمی سٹاف اور پھر نومبر ۲۰۰۷ء تا نومبر ۲۰۱۳ء بطورِ فور سٹار جنرل چیف آف آرمی سٹاف (چھ سال کے لیے) رہا، فوجی افسروں کی ایک نجی محفل میں کہتا ہے (اور یہ باتیں ویڈیو ریکارڈنگ کی صورت میں محفوظ ہیں) کہ "نائن الیون کے واقعے نے مکمل طور پر کئی پیمانوں (equations) کو یا تو بدل دیا ہے یا انہیں دوسری شکل دے دی ہے۔ ہم نائن الیون سے قبل اور اس کے بعد کے معاملات کو پرکھنے کے لیے ایک ہی انداز کا فہم نہیں رکھ سکتے۔ جسے نائن الیون سے پہلے "جدوجہدِ آزادی" کہتے تھے، نائن الیون کے بعد اسے کچھ اور کہتے ہیں (دہشت گردی)! ہم اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ کشمیر میں جاری جدوجہدِ آزادی..... آزادی کی جدوجہد ہے۔ لیکن اگر آپ کو کسی کی حمایت حاصل نہ ہو تو آپ کو حالات کے مطابق بدلنا (موافق ہونا) پڑتا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ ہم نے کشمیر کی جدوجہدِ آزادی کو Abandon (ترک) کیا ہے کیونکہ یہ ہمارے 'قومی مفاد' میں ہے!"۔
5. سرکردہ کشمیری جہادی تنظیم 'حزب المجاہدین' کے سپریم کمانڈر سید صلاح الدین صاحب نے، اس وقت کے امیر جماعتِ اسلامی قاضی حسین احمد صاحب کے اصرار پر جماعتِ اسلامی کے ایک اجتماعِ عام میں شرکت کی اور تقریر بھی کی۔ اس زمانے میں جنرل کیانی 'صاحبِ اقتدار' تھا اور فوج و آئی ایس آئی نے سید صلاح الدین صاحب کے پاکستان میں کسی بھی عوامی اجتماع میں شامل ہونے اور تقریر کرنے پر 'ہندوستانی پریشر' کے سبب پابندی لگا رکھی تھی۔ سید صلاح الدین صاحب نے جب تقریر کر دی تو جنرل کیانی نے انہیں summon (طلب) کیا اور ان سے کہا 'پیر صاحب! آپ پر تو ہم نے کسی قسم کے اجتماعات میں شمولیت اور تقریروں پر پابندی لگائی ہے تو آپ نے ایسا کیوں کیا؟'، جواباً انہوں نے کہا کہ 'قاضی (حسین احمد) صاحب میرے لیے محترم ہیں، انہوں نے مجھے کہا تو میں انکار نہیں کر سکا'۔ یہ سن کر کیانی نے کہا 'پیر صاحب! ہندوستان حافظ سعید اور آپ کو ہم سے مانگتا ہے..... آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ حافظ سعید پاکستانی ہیں جبکہ آپ انڈین سٹیزن ہیں!'۔ پیر صاحب اور آج کی البدر و الشمس کے لیے جنرل کیانی کی بات میں واضح اشارہ ہے۔

البدر والشمس کے وارثین سے سوال

البدر والشمس کا مقصدِ تاسیس کیا تھا؟ اگر تو محض کسی ٹکڑا ہائے زمین کی جنگ البدر والشمس لڑ رہی تھیں تو ایسی 'فریڈم موومنٹس' تو دنیا میں کئی جگہوں پر پائی جاتی ہیں اور صرف ٹکڑا ئے زمین کی بات ہی ہو تو مکتی باہنی جو بنگالی تھے ان کا سرزمینِ بنگال پر مغربی پاکستان والوں سے زیادہ حق تھا اور ان کی لڑائی زیادہ صائب بھی؟!

لیکن اگر مقابلہ اسلام کی خاطر کیا گیا، اسلام کے قلعے کی حفاظت کے لیے کیا گیا تو یہ کیوں نہیں دیکھا گیا کہ اس 'اسلام کے قلعے' کے حاکموں اور 'محافظوں' (جو گھر کے بھیدی ہیں) کا اسلام سے کوئی لینا دینا نہیں؟ بلکہ ان 'محافظوں' کا اسلام تو چھوڑیے، اس ملک سے بھی کوئی واسطہ نہیں، تبھی تو نوّے ہزار کی تعداد میں ہونے کے باوجود انہوں نے ہندوستانی فوج کے سکھ جرنیل کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور ایک لاکھ پچاس ہزار مربع کلومیٹر کا علاقہ ہندوستان کے سپرد کر دیا۔ مغربی پاکستان میں پندرہ ہزار مربع کلومیٹر کا رقبہ، ۱۹۷۱ء میں ہونے والی صرف ۱۳ روزہ جنگ میں ہندوستان نے قبضہ کر لیا۔

یوں تو جو کلمہ گو دِلّی میں رہتے ہیں اور اپنے وطن 'بھارت ماتا' کی حفاظت میں جیتے ہیں، زمین کے ٹکڑے کے دفاع میں ان کا پاکستان سے لڑنا بھی عین بر حق ہے اور کشمیری مجاہدین جو ہندوستان کا کشمیر پر تسلط ماننے سے انکاری ہیں ان کے خلاف انڈین آرمی اور پولیس کا حصہ بن کر 'قتال' بھی عین بجا ہے۔

بالفرض اگر تو یہ مقابلہ ومقاتلہ ٹکڑ اہائے زمین کی خاطر تھا تب تو قصہ ہی ختم ہوا، نہ بحث ہے اور نہ ہی کوئی سمجھنے کی بات...... لیکن ہم جانتے ہیں کہ البدر والشمس کے نوجوانوں کو جب مکتی باہنی کے غنڈے پکڑتے اور انہیں کہتے کہ تم نعرہ لگاؤ 'جوائے بنگلہ' تو وہ مکہ کی تپتی ریت پر تڑپتے بلالِ حبشیؓ کا تصور ذہن میں لاتے اور جواباً کہتے 'اللہ اکبر!'۔ جب نظریہ یہ تھا تو سوال یہ ہے کہ کس نظریاتی واعتقادی بنیاد پر دین دشمن اور وطن فروش فوج سے اتحاد کیا گیا؟

پھر مسئلہ یہاں بھی ختم نہیں ہوتا۔ اگر یہ تحریکیں اور جماعتیں نظریاتی ہیں تو آج اسی ظالم وجابر اور لادین وبے دین فوج کے ساتھ کیوں کھڑی ہیں، وہ فوج جو اس وقت بھی کشمیر کا سودا کرنے میں مصروف ہے اور نفاذِ دین کے لیے آواز اٹھانے والی ہر کوشش کو جبر کے ساتھ، فوجی بوٹوں کے آہنی تلووں تلے روندنے کے درپے ہے۔ اگر دس ہزار عاشقینِ ختمِ نبوت، ممتاز قادری کے قاتلوں، لال مسجد پر فاسفورس پھینکنے والوں، ہزاروں اسلام پسند قبائیلیوں کی قاتل، وار آن ٹیرر میں امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی فوج کے خلاف اٹھ نہیں سکتے تو پھر اس دین ووطن فروش بلکہ دین ووطن کُش فوج کی حمایت اور پھر سے البدرِ بنگال کی مثل تنظیمیں بنانے کے نعرے چہ معنیٰ دارد؟

ہم جب البدر والشمس کی بات کرتے ہیں، تو ان کے مؤسسین اور بڑوں کی نیت پر ہرگز شک نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیں تو ان پر حیرت ہے جو نہ ماضی کو سمجھنے پر رضامند ہیں، نہ جنابِ خرم مرادؒ کی بات ہی کو ماننے کو تیار ہیں، بلکہ خرم صاحب کی بات کے بعد تین دہائیوں سے اسی فوج کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے 'کشمیر' کو تک رہے ہیں، نہ سید منور حسنؒ صاحب جیسے مردِ درویش کے اسوے سے کوئی سبق سیکھتے ہیں، نہ تاریخ سے کوئی سبق لیتے ہیں اور نہ ہی فوج کے حال سے فوج کے کردار وافکار کو سمجھ رہے ہیں۔

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے، غفلت ہے، سرمستی ہے، بے ہوشی ہے یہ

دینی جماعتوں پر لازم ہے کہ وہ ہندوستان کے خلاف میدان میں اتریں، اس کے لیے ابھی سے تیاری کریں اور اُس دن کا انتظار نہ کریں کہ کل اگر ہندوستان خدانخواستہ آتا ہے تو پھر ہم اپنے رضاکاروں کو اس کی فوج کے تحت لگا کر فتح کی امید رکھیں۔ اللہ وہ دن نہ لائے، مگر ہم نے اگر یہ غلطی دوبارہ کی تو نتیجہ مختلف نہیں نکلے گا۔ ضروری ہے کہ ہم اہلِ دین اپنے جوانوں کو خالص اسلامی نظریہ دیں، وہ نظریہ جو وطنیت وقومیت نہیں بلکہ اسلامیت پر مبنی ہے اور پھر انہیں قتال فی سبیل اللہ کے لیے تیار کریں، اعداد وقتال کے اس فرض میں ہم تعاون واتحاد کے لیے امت مسلمہ کے مظلوم عوام کی طرف دیکھیں، اس فوج کی ماتحتی بالکل بھی قبول نہ کریں، وہ فوج جس کی ماتحتی میں پاکستان دولخت ہو گیا اور جس کا ساتھ دے کر آج تک ہمارے پیارے پھانسیوں پر لٹک رہے ہیں، پھانسیوں پر لٹکنا سعادت ہے، لیکن یہ لٹکنا خالص اسلام کی دعوت کے لیے ہو...... مگر جہاں پھانسی پر چڑھنے کے باوجود بھی نفاذِ دین کی دعوت نظروں سے اوجھل ہو اور ان قربانیوں کو اُس فوج کے دفاع کے کھاتے میں ڈالا جائے جو اسلام کی دشمن ہے تو ایسے میں ہماری روح تک ماتم نہ کرے تو کیا کرے؟ ہندوستان ہو یا امریکہ اسلام کے ان دشمنوں کے خلاف جہاد ہمارا فرض ہے پر اس فرض میں کسی دشمنِ شریعت فوج کی ماتحتی ہم قبول نہیں کریں گے، یہ ہمارا عزم اگر ہوا، تو اللہ کے اذن سے پورے برصغیر کا نقشہ تبدیل ہو گا اور یہ پس قدمی، پیش قدمی میں بدل جائے گی!

؎ یہ دیس جگمگائے گا، نورِ لا الٰہ سے!

☆☆☆☆☆

بقیہ: زندگی بے بندگی شرمندگی

ہم آخرت کے مسافر ہیں، دنیا ہماری ضرورت ہے، اس دنیاوی زندگی کو ضرورت سمجھ کر گزاریں نہ کہ ضروری سمجھ کر۔ معلوم ہونا چاہیے کہ مقصد زندگی اللہ رب العزت کی بندگی ہے اور اور مقصد حیات اللہ رب العزت کی یاد ہے۔

انسان کا دنیا میں آمد کا مقصد صرف اور صرف اتنا ہی ہے کہ رب العالمین کی بندگی ہو عبادت ہو اطاعت رسول ہو اور دنیا میں رہتے ہوئے زندگی گزارتے ہوئے اپنی جدوجہد کو اللہ کی رضا کے لیے خاص کر دے، ہر معاملہ میں، چاہے داخلی زندگی سے متعلق ہو یا خارجی زندگی سے، اللہ کے حکموں کی حفاظت ہو تو یہ کامیابی کی ضمانت ہے اور مقصد زندگی بھی یہی ہے کہ ہمارا اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور ابدی زندگی کا لازوال سکون ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میسر آسکے۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

☆☆☆☆☆

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

''کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں؟''

(تعلیم، حکمِ تعلیم اور نظامِ تعلیم پر بحث کرتا ایک مقالہ)

مولانا ڈاکٹر عبید الرحمٰن المرابط حفظہ اللہ

باب ہشتم: علوم کی ترویج کس کا فرض ہے؟

مولانا بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اب اس پر غور فرمائیں کہ تمام قدیم وجدید علوم کی تعلیم وتربیت اور ان علوم الٰہی کی ترویج و اشاعت نیز علوم انسانی کی توسیع وہمت افزائی یہ کس کے ذمے ہے؟ یہ ذمہ داری تمام تر اسلامی حکومتوں اور اسلامی حکمرانوں کی ہے۔ سُوئے اتفاق سے اس وقت مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک تمام حکومتیں اور حکمران درجہ بدرجہ اس ذمہ داری کے معاملہ میں مقصر نہیں بلکہ مجرم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تمام تعلیمی اور تجرباتی نظام سے تمام امت کو مستفید بنانے کے لیے حکومت کی سطح پر ہی کام ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ مسلم ہے کہ تعلیمی میزانیہ فوجی میزانیہ سے زیادہ ہونا چاہیے۔ لیکن جب حکومتیں اس طرح کی مجرمانہ غفلت برت رہی ہیں تو علوم الٰہیہ کی، جو فرض عین ہیں یا فرض کفایہ، حفاظت امت کے ذمہ ہی عائد ہوتی ہے۔

متحدہ ہندوستان میں جب مسلمان اسلامی حکومتوں کے سائے سے محروم ہو گئے تو علمائے دین اور عام مسلمانوں نے اس ذمہ داری سے سبکدوشی کو اپنا فرض سمجھ کر اس کی کما حقہ تدبیریں کیں۔ دیندار ارباب اموال سے مالی اعانتیں حاصل کر کے ان کی حفاظت کی۔ اور آج تک الحمدللہ یہ سلسلہ ہند و پاکستان دونوں ملکوں میں قائم ہے اور آج ہزاروں مدارس دینیہ باوجود گوناگوں نقائص اور کمزوریوں کے کسی نہ کسی درجہ میں یہ فرض انجام دے رہے ہیں۔

حکومتی اثرات سے محفوظ تعلیم

مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے مضامین کے دیباچے میں مدارس دینیہ کی حفاظت کے بارے میں فرماتے ہیں:

قرآن وسنت دین اسلام کی اثاث اور بنیاد ہیں۔ ان کی تعلیم و تشریح اور حفاظت کے لیے خود نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی میں مدرسے کی بنیاد رکھی گئی تھی، جس کو صفہ کہا جاتا تھا، اور اس میں زیر تعلیم طلباء کو اصحاب صفہ کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد سے پھر مدارس دینیہ کا سلسلہ امت میں وراثت کے طور پر متواتر چلا آرہا ہے۔ یہ دینی مدارس ہمیشہ شخصی اور نجی ہوا کرتے ہیں اور عام مسلمان ان کے اخراجات کے لیے املاک وقف کیا کرتے ہیں۔ ہماری تاریخ کی کتابیں ان مدارس کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ اس لیے یہ مدارس حکومتوں کے اثر سے آزاد ہوتے ہیں۔ [خاص کر جب حکومتیں لادین ہو چکی ہوں]

مقالہ کے نتائج: تعلیمی اصول

بحث کو سمیٹے ہوئے سابقہ معروضات سے نکلنے والے نتائج کو اختصار کے ساتھ اصولوں کے انداز میں پیش کرتا ہوں:

1. شریعت میں علم سے مراد علم دین ہے جس کا مصدر قرآن و سنت ہے۔ یہی اصل اور افضل علم ہے۔
2. علم دین میں سے کچھ حصہ فرض عین ہے جو کہ ہر مسلمان کی عمر اور حالت کے مطابق درجہ بدرجہ مقرر ہوتا ہے۔ اس کا حصول اولین ترجیح ہے۔ چنانچہ مجاہدین کے لیے جہاد کے احکام اور آداب کا حصول فرض عین ہے۔
3. جائز دنیوی علوم کی تحصیل ضرورت کے مطابق فرض کفایہ ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ہر ہر علم کو ہر ہر مسلمان پر فرض کرنا بے انصافی ہے۔ لیکن جس فرد یا طالب علم پر ضرورت کی تحصیل متعین ہو جائے اس پر وہ علم حاصل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مجاہدین کو جہاد کی ادائیگی کے لیے جن دنیوی علوم کی ضرورت ہے وہ علوم ان پر اس ضرورت کے مطابق فرض ہیں۔
4. جن افراد میں دینی علوم کی تحصیل کی مکمل استعداد نہ ہو ان کے لیے حسب ضرورت ان کی استعداد کے مطابق بندوبست کرنا ضروری ہے؛ جیسا کہ بے شمار مجاہدین کی خواہش بھی ہوتی ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے۔ عام مجاہدین کے لیے چاہے وہ تعلیم کی عمر سے نکل چکے ہوں، دینی تعلیم کا بندوبست تمام مراکز میں کرنا اور اس کے لیے مناسب کتب اور معلمین کا بندوبست کرنا ضروری ہے۔
5. عربی زبان کی حفاظت ہر ایک پر لازم ہے اور اس کی تحصیل فرض کفایہ ہے۔ لیکن اولین ترجیح ہے۔
6. اردو زبان کی اسلامیت و عربیت کی حفاظت بھی ہر ایک پر لازم ہے۔ اردو زبان کی تعلیم عربی کے بعد دوسری ترجیح ہے، اور ہمارے حالات میں اس کے حصول کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

7. انگریزی زبان کی تعلیم بطور مضمون جب کہ اس کا نصاب متقی مسلمانوں نے تیار کیا ہو اور وہ مغربی تہذیب اور ثقافت سے پاک ہو فرض کفایہ ہے۔ زبانوں میں اس کی تعلیم تیسری ہے اور سکھانا بھی بس بقدر ضرورت ہو۔

8. دنیاوی علوم (علوم طبیعیہ، ریاضی، صنعت، حرفت اور دیگر فنون) کی تحصیل فرض کفایہ ہے۔ لیکن اگر متعین ہو بھی جائے تب بھی دینی اور دنیاوی علوم کا امتزاج مناسب نہیں۔ ہر ایک علم کو اس کی اہمیت کے مطابق حیثیت دی جائے۔ پھر افضل اور اہم سے شروع کیا جائے۔

9. دنیاوی علوم کا نصاب اردو میں ہو، اسے متقی مسلمان اساتذہ مرتب کریں اور متقی مسلمان ہی پڑھائیں۔ منافق، لا دین اور کفار کے مرتب کردہ نصاب سے پرہیز کیا جائے۔

10. اسلامی نظام تعلیم کو حکومت کی دخل اندازی سے بالکل پاک، مستقل، خود کفیل اور مفت ہونا چاہیے۔ جس کے لیے امرائے جہاد اور امت کے مخیر حضرات کا تعاون ناگزیر ہے۔

11. مغربی نظام تعلیم کے ذریعے حصول علم ناجائز ہے۔ اس میں مغربی نظام کی وضع کردہ کتب فنون اور نصاب سے تعلیم حاصل کرنا بھی شامل ہے اور مغربی تعلیمی اداروں (اسکول و کالج) میں تعلیم حاصل کرنا تو بطریق اولی۔

12. مغربی نظام تعلیم کی ممانعت سے بر بنائے ضرورت دینیہ و دنیویہ استثناء دیا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی فرد یا طالب علم کو استثناء دینا علماء کا کام ہے۔ نیز ضرورت بس ضرورت کی حد تک ہی رہنی چاہیے۔

13. امرائے جہاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ مجاہدین اور ان کے اہل خانہ کی تعلیم پر توجہ دیں۔

مثالی تعلیمی نظام اور اضطراری کیفیت

میری ناقص رائے میں ان اصولوں کے مطابق مثالی تعلیمی نظام مجاہدین کے زیر تسلط علاقوں میں ہی قائم ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ خود مجاہدین فکری طور پہ اتنے باشعور ہوں کہ وہ دوبارہ ان اداروں اور نصابوں کو رائج نہ کر دیں جنہوں نے اس امت کو غلامی میں دھکیلا۔ باذن اللہ امید ہے کہ امارت اسلامیہ افغانستان میں مثالی نظام تعلیم دیکھنے کو ملے گا۔

لیکن جہاں یہ آزادی حاصل نہیں وہاں ہر ذی شعور مسلمان اور مجاہد سوچے کہ وہ جس نظام میں اپنے بچوں کو تعلیم دے رہا ہے اس کا حاصل اور نتیجہ کیا ہے۔ حاصل اور نتیجہ جتنا دین سے دور ہو گا اتنا ہی اس نظام کے تحت تعلیم و تربیت دینا ناجائز ہو گا۔ موجودہ ریاستی جبر میں مثالی تعلیمی ادارہ یا نظام بنانا ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ہے اس لیے اضطراری صورت حال سے نمٹنے کے لیے تمام والدین پر فرض ہے کہ بچوں کو تعلیمی اداروں کے مضر اثرات سے بچائیں۔ مثلاً اگر نصاب میں کہیں سودی نظام بغیر نقد و جرح بلکہ الٹا خوشنما بنا کر پڑھایا جاتا ہے تو والد پر لازم ہے کہ بچے کو بتائے کہ ہمارے دین میں سود کا حکم کیا ہے۔ یا مثلاً کسی سکول میں بہت ماہر اور اچھے اخلاق کے حامل استاد کی داڑھی نہیں تو والد بچے کو بتائے کہ بیٹا استاد کی اچھی خوبیاں اپنی جگہ لیکن یہ معاملہ نہ صرف خلاف سنت بلکہ گناہ شمار ہوتا ہے۔ وعلی ہذا القیاس۔

نیز والدین یہ بھی سوچیں کہ وہ کون سی اضطراری کیفیت ہے جو انہیں اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں داخل کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ آیا وہ کیفیت شرعاً مجبوری کے زمرے میں آتی ہے یا محض معاشرتی مجبوری ہے۔ پھر جہاں والدین ان اداروں کی غیر شرعی جزئیات سے بچانے کی کوشش کریں وہاں اس اضطراری کیفیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی بھی از حد کوشش کریں۔ یہ کوشش انفرادی سطح پر بھی ہو اور اجتماعی سطح پر بھی۔

ریاست سے آزاد تعلیم اور متبادل نظام

ہر ممکن کوشش کی جائے کہ تعلیم ریاست سے آزاد ہو۔ شخصی آزادی کے حق کے تحت ریاست کے جبری قوانین کے خلاف جدوجہد اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنا جدید دنیا میں کوئی نئی بات نہیں اگرچہ ہمارے ممالک میں یہ بہت مشکل ہے۔ فریڈم آف ایجوکیشن (آزادئ تعلیم) کو اکثر مغربی ممالک میں قانونی حیثیت حاصل ہے۔ مغرب کے ہاں آزادئ تعلیم سے مراد 'ریاست کی مداخلت قبول کیے بغیر والدین کا حق کہ وہ اپنی اولاد کو اپنے مذہب اور نظریات کے مطابق تعلیم دیں'۔ اگرچہ اہل مغرب اس آزادی کے حدود و قیود خود منتخب کرتے ہیں لیکن اس نعرے کو ہم اپنے نظریات کو بچانے کے لیے جس حد تک استعمال کر سکتے ہیں کرنا چاہیے۔

اور جہاں یہ حق والدین کو حاصل نہیں یا اس کے مواقع میسر نہیں تو بہت سے 'قانونی' اور 'مروجہ' ذرائع ہیں جنہیں اختیار کرتے ہوئے ہم ریاستی جبری تعلیم اور معاشرتی مجبوری کو کم کر سکتے ہیں اور تعلیم و تربیت کے غیر شرعی پہلوؤں سے کچھ نہ کچھ بچ سکتے ہیں۔ ان سب کو ہم 'متبادل' یا غیر روایتی اس لیے کہیں گے کہ والدین جس غیر شرعی نظام سے اب تک دوچار ہیں اسے تبدیل کرنے کے لیے انہیں محسوس ہو گا کہ وہ اپنی روایت سے ہٹ رہے ہیں۔ مثلاً جو والدین بچوں کو سکول سے نکالنے کا تصور ہی نہ کر سکتے ہوں ان کے لیے 'گھریلو تعلیم' غیر روایتی اقدام محسوس ہو گا۔

تین اہم عوامل

یاد رہے ان تمام متبادل ذرائع میں تین بنیادی عوامل کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا:

- اساتذہ کا کردار: اچھا نصاب ہوتے ہوئے بھی اگر استاذ ہم فکر، خدا ترس اور با عمل نہ ہو تو نتائج حاصل نہ ہوں گے۔
- نصاب کا کردار: استاذ اچھا ہو لیکن نصاب مخالف فکری مواد سے بھرا ہو جنہیں انتہائی خوشنما طریقے سے دکھایا جائے تو ممکن ہے کہ طالب علم پھسل جائے۔ فکر و منہج کے مطابق نصاب تشکیل دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ نصاب منتخب کرنے والا صاحب فکر ہو تو موجودہ میسر نصابوں میں سے ایسی کتب منتخب کرنا کوئی مشکل نہیں۔
- ماحول کا کردار: ارد گرد بچے اور ان کے والدین بھی ہم فکر اور با عمل ہوں۔ اسی طرح خود گھر کے اندر اس نئے انداز میں تعلیم دینے کے حوالے سے ہم آہنگی پائی جاتی ہو اور اس کی کامیابی کے لیے پوری کوشش کی جائے۔

متبادل نظام کی مثالیں

یہاں ممکنہ متبادل نظام کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ سوچیں تو 'ضرورت ایجاد کی ماں ہے' کے مصداق بہت ساری راہیں نکل سکتی ہیں۔ بلکہ اس سے بہتر ہے کہ یہ کہہ لیں:

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ○(سورۃ العنکبوت: ۶۹)

”اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم اُن کو ضرور اپنے رستے دکھادیں گے۔ اور خدا تو نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔“

- گھریلو تعلیم (ہوم سکولنگ): چاہے والدین یا قریبی رشتہ دار خود پڑھائیں یا منتخب اساتذہ کو پڑھانے کے لیے بلایا جائے (ہوم ٹیوشن)۔ عموماً مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ تمام والدین میں یہ قابلیت نہیں ہوتی کہ وہ پڑھا سکیں یا ان کے پاس وقت نہیں ہوتا۔ اور قریبی رشتہ داروں میں بھی ایسے افراد میسر نہیں ہوتے۔ جبکہ ہوم ٹیوشن اکثر کے لیے مہنگا پڑتا ہو گا۔ بہر حال میرے سامنے اس کی حقیقی مثالیں ہیں جہاں پاکستان کے اس معاشرے میں ہی والدین نے اپنے بچوں کو گھر میں پڑھایا۔
- محلے کے مکاتب (ٹیوشن سنٹرز): جہاں والدین کی استطاعت نہ ہو کہ اپنے بچوں کو گھروں میں پڑھائیں وہاں محلے یا شہر کی سطح پر ہم فکر افراد اپنی پسند کا نصاب اپنی پسند کے اساتذہ کے ذریعے پڑھائیں۔
- مساجد کے مکاتب: جن میں روایتی طور پہ نماز، قرآن کریم ناظرہ اور چند بنیادی عقائد سکھائے جاتے ہیں۔ لیکن ان کو بڑھا کر ان میں عربی اردو زبان، حساب اور چند عصری علوم شامل کیے جا سکتے ہیں۔
- دینی مدارس: جو کہ اب بھی کافی حد تک سرکاری اصول و ضوابط سے بچے ہوئے ہیں۔ کوشش کی جائے کہ ان مدارس کو چنا جائے جن میں تربیت پر توجہ دی جاتی ہو اور جدت پسندی اور سرکاری دخل اندازی کم سے کم ہو۔
- پرائیوٹ سٹوڈنٹ: سرکاری سکول میں حاضری سے مستثنیٰ طلبہ جو صرف امتحان کے لیے سکول جاتے ہیں۔ باقی تعلیم وہ گھر میں یا ٹیوشن کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ یہ ان والدین کے لیے جو روزگار کے لیے تعلیمی سند تو حاصل کرنا چاہتے ہوں لیکن بچوں کو سکول کے برے ماحول سے بھی بچانا چاہتے ہوں۔ اگرچہ نصاب سرکاری ہوتا ہے لیکن پڑھانے والے اساتذہ مناسب ہوں تو وہ نصاب کے برے اثرات سے بھی بچا سکتے ہیں۔
- پرائیوٹ سکولز: پرائیوٹ ہونے کے باوجود پاکستان میں وزارت تعلیم کی طرف سے ان کے لیے بہت اصول و ضوابط رکھے گئے ہیں اور ان کی جانچ پڑتال کے لیے خصوصی ٹیمیں مقرر ہوتی ہیں۔ اس کے باوجود ان میں اتنی گنجائش نکالی جا سکتی ہے کہ اپنی پسند کی تربیت دی جائے بشرطیکہ اساتذہ ہم فکر ہوں اور نصاب کو از حد غیر شرعی مواد سے پاک کیا جائے۔
- مواصلاتی تعلیم (ڈسٹینس لرننگ/Distance Learning): تاکہ کالج اور یونیورسٹی کے غلط ماحول سے بچا جا سکے۔ نصاب کی گمراہیوں کو خود دور کر لیا جائے چاہے خط و کتابت کے ذریعے تعلیم دی جائے یا انٹرنیٹ کے ذریعے آن لائن ہو (کورونا کے تناظر میں یہ طریقِ تعلیم تو بہت ہی عام ہو چکا ہے)۔
- اوپن ایجوکیشن: تعلیم کی سطح اور مواقع بڑھانے کے لیے اس نظام میں طلبہ کے داخلے کے لیے بہت سے سرکاری اصول و ضوابط کی چھوٹ ہوتی ہے۔ مثلاً تعلیم کی عمر، سابقہ تعلیمی ریکارڈ وغیرہ۔
- الٹرنیٹ سکولز (Alternate Schools): جن میں غیر روایتی انداز میں تعلیم دی جاتی ہے۔ عام طور پہ یہ معذور افراد کے لیے ہوتی ہے لیکن دیگر افراد کے لیے بھی قصہ کہانی اور دیگر نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کے ذریعے تعلیم دی جا سکتی ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 9 پر)

مسلم بربریت کی فرضی داستان

مجاہد فی سبیل اللہ، لیفٹیننٹ جنرل شاہد عزیز شہید رحمہ اللہ

لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز پاکستان کی ملٹری ایلیٹ میں ایک نمایاں نام ہیں۔ چیف آف جنرل سٹاف اور کور کمانڈر لاہور جیسے عہدوں پر فائز رہنے کے علاوہ ڈائریکٹر جنرل نیب (قومی احتساب بیورو) رہے۔ فوج کو آپ نے قریب سے دیکھا اور اس کو باطل جانا۔ بعد از ریٹائرمنٹ آپ نے اپنے ضمیر کی آواز پر اپنی خود نوشت 'یہ خاموشی کہاں تک' لکھی اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ کو القاعدہ برِّ صغیر کے سر کردہ ذمہ دار اور مجلّہ 'نوائے افغان جہاد' ('نوائے غزوۂ ہند' کا سابقہ نام) کے بانی مدیر حافظ طیب نوازؒ صاحب کے ذریعے براہ راست حق کی دعوت ملی۔ آپ نے حق کی دعوت کو سمجھا اور اس پر لبیک کہتے ہوئے جہاد سے وابستہ ہو گئے۔ ایمان کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے، بطورِ کفارہ آپ نے بہتر جانا کہ آپ جہاد، خصوصاً عصرِ حاضر میں امریکہ کے خلاف جاری جہاد کے متعلق لکھیں اور دعوتِ جہاد میں اپنا حصہ ڈالیں۔ اس غرض سے آپ نے اپنی دوسری کتاب 'War against Terrorism and the concept of *Jihad*' تصنیف کی۔ آپ کو یقین تھا کہ اس کتاب کو لکھنے کے جرم میں آپ کو گرفتار کر لیا جائے گا، لہٰذا اس کتاب کی تکمیل تک آپ نے اس بات کو صیغۂ راز میں رکھا۔ سنہ ۲۰۱۵ء کے نصفِ آخر میں آپ کی یہ کتاب مکمل ہوئی تو اس کتاب کا ایک نسخہ القاعدہ برِّ صغیر کے مرکزی ذمہ داران تک اس پیغام کے ساتھ پہنچایا کہ 'میں ارضِ جہاد کی طرف ہجرت کرنا چاہتا ہوں'، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ 'اگر یہ کتاب شائع ہو جائے اور پھر میں گرفتار کر لیا جاؤں تو مجھے کچھ غم نہیں!'۔ آپ کی گرفتاری یا شہادت کی صورت میں اس کتاب کے 'مستند' ہونے پر کوئی اعتراض نہ کرے تو آپ نے خود ہی اس کا بندوبست بھی فرمایا کہ اسے 'بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد' کے شعبۂ اسلامیات میں 'ایم اے' کی سند کے مقالے کے طور پر جمع کروایا۔ لیکن اس سے پہلے کہ آپ میدانِ جہاد میں پہنچتے پاکستان کے خفیہ اداروں نے آپ کو گرفتار کر کے پسِ زنداں ڈالا اور یوں امریکی 'وار آن ٹیرر' میں فرنٹ لائن اتحادی اور امریکی وفاداری میں دین تو دین، اپنے 'ادارے کی وفاداری' (Military Comradeship) کو بھی پامال کیا۔ سال ۲۰۱۸ء کے وسط میں آپ کی شہادت کی خبریں منظرِ عام پر آئیں۔ بعض ذرائع نے شہادت کی اطلاعات کی تردید کی، لیکن مجاہدینِ القاعدہ برِّ صغیر کو اپنے ذرائع سے جو خبریں ملیں، ان کے مطابق مجاہد فی سبیل اللہ شاہد عزیز صاحب، شہید ہو چکے ہیں، اللہ پاک آپ سے راضی ہو جائیں اور آپ کو انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کی معیتِ حسنہ عطا فرمائیں، آمین۔ لیکن (گو کہ اس بات کا امکان بہت کم ہے) اگر آپ بحالتِ گرفتاری حیات بھی ہیں تو ہم دعا گو ہیں کہ اللہ پاک آپ کو ایمان پر استقامت کے ساتھ رہائی عطا فرمائیں۔

زیرِ نظر مضمون شاہد عزیز صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا 'انگریزی' تصنیف کے زیرِ طبع و ترتیب اردو ترجمے سے لیا گیا ہے۔ اردو ترجمہ 'قاضی ابو احمد' نے کیا ہے۔ زیرِ نظر منتخب مضمون شاہد عزیز صاحب کی کتاب کا تیسرا باب ہے۔

(ادارہ)

مغرب اسلام کے تصور کو مسخ کرتا رہا ہے:

کسی بھی سماجی گروہ کو وحشی، حقیر اور خطرناک بنا کر پیش کیے جانے کا نتیجہ اس گروہ کی محکومی اور نسل کشی کی صورت میں نکلتا ہے۔ صلیبی جنگوں سے نوآبادیاتی دور تک اور تب سے اب تک اسلام اور اہل اسلام کے اس مسخ شدہ تصور کا نتیجہ مسلم سرزمینوں پر فوجی یلغاروں اور مسلمانوں کے بڑے پیمانے پر قتل عام کی صورت میں ہی سامنے آیا ہے۔ تاریخ کی روشنی میں ماضی کی طرح آج بھی مسلمانوں کو حقیر، خطرناک اور وحشی دشمن کے طور پر پیش کر کے ان کے قتل عام کا جواز پیش کیا جا سکتا ہے۔

فرانسیسی مصنف (Jean Claude Barreau) جین کلاد برو اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"مسلمانوں کی فطرت میں یقینی طور پر موجود جس صفت کو 'رذیل ترین' کہا جا سکتا ہے اور اس کی توجیہ ان کے مصادرِ دین سے دی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ (ان کی فطرت) جنگجوانہ، فتوحات کی بھوکی اور کفار کے لیے نفرت سے بھرپور ہے"۔

اسلام کے بارے میں مغرب نے جو تصور قائم کر رکھا ہے، اس کی بنیادی صفات جارحیت، بہیمیت، تعصب، نامعقولیت، قرون وسطیٰ کی پسماندگی اور عورت سے نفرت ہیں۔ ایسپوسیٹو (Esposito) لکھتا ہے کہ "متعدد مغربی مبصرین کے مطابق اسلام اور مغرب باہم متصادم ہیں۔ اسلام کا خطرہ تین قسم کا ہے: سیاسی، آبادیاتی اور مذہبی معاشرتی"۔ دیگر اہل نظر مثلاً چارلس کروتھیمر (Charles Krauthammer) نے، سوویت یونین کی ٹوٹ پھوٹ کے دور میں 'بحران کی ایک نئی قوس' کے نام سے مسلم دنیا کے قلب اور اس کے محیط میں انقلاب کی خاطر مسلمانوں کے اٹھ کھڑے ہونے اور ایک عالمگیر اسلامی شورش کی پیش گوئی کی۔

مغرب میں عمومی تصور یہ ہے کہ اسلام بنیادی طور پر، نہ صرف اپنے برتاؤ بلکہ اپنی تعلیمات میں بھی عدم برداشت کا دین ہے۔ جے ڈی بیٹ (J. D. Bate 1836-1923) کا دعویٰ ہے کہ مسلمان فطری طور پر عیسائیت مخالف ہیں اور "تبدیلیٔ مذہب کے معاملے میں یہودیوں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ عیسیٰ (علیہ السلام) کے خلاف یہی بغض ہے جو محمدیت کی طرف لے جاتا ہے، جیسا کہ رومیت جو ظلم و جبر کا ایک علیحدہ ذریعہ ہے۔ یہ مسیح دشمن (دجال) کی حقیقی روح ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ قدیم سے آج تک، پورے اسلامی دور میں، خواہ عربوں کے ماتحت یا ترکوں کے، تمام اقلیتوں نے ان بہترین مواقع کے حصول میں آزادی اور مساوات سے بھرپور فائدہ اٹھایا جن کی برابری آج کی کوئی ایک بھی مغربی قوت نہیں کر سکتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہودیوں نے صلیبی یورپ کی بجائے ترک خلافت کے ماتحت رہنے کو ترجیح دی؛ اور یہی وجہ ہے کہ جب مسلمان اندلس سے نکلے تو یہودیوں نے ان کے ساتھ ہی مغربِ اسلامی کی طرف نکلنا پسند کیا۔

اہل اسلام کے بارے میں نفرت انگیز احساس کئی سالوں میں پروان چڑھایا گیا ہے۔ تمام تر مغربی میڈیا کو، نہ صرف مسلم ممالک بلکہ ان میں بسنے والی تمام مسلم آبادی کی طرف سے درپیش خطرے کی تصویر کشی کے لیے جھونکا گیا ہے۔ اکثر ہی میڈیا بڑے پیمانے پر مشتہر گرفتاریوں اور 'اسلام پسندوں کے دہشت گرد منصوبوں' کے افشا کی خبروں سے بھرا نظر آتا

ہے۔ شدت پسندی اور دہشت گردی کے خلاف واویلا کان پھاڑنے والا ہے۔ اور نہایت دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان ہمیشہ ہی اپنے آپ کو صفائیاں، معذرتیں اور وضاحتیں پیش کرتے ہی پاتے ہیں۔ کوئی مسلمان حکومت ان کے حق میں آواز اٹھانے کو تیار نہیں ہے۔ ہر مسلمان حکومت حکمرانوں اور اپنی آبادی کے قلیل مگر اعلیٰ ترین (elitist) 'روشن خیال' طبقے کے شخصی مصالح کی حفاظت پر کمربستہ ہے۔ یہ سب کے سب دہشت گردی کے خلاف اس عالمگیر جنگ میں مغرب کے ساتھ یکجا ہیں۔

مسلمانوں کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنا:

مغربی ذہنوں میں یہ امر مسلّم ہے کہ اسلام اور مسلمان ایک خطرہ ہیں اور یہ کہ اگر پوری دنیا میں کہیں بھی کوئی پرتشدد واقعہ ہوگا تو اس کے ذمہ دار صرف مسلمان ہی ہوں گے، نیا نہیں ہے۔ یہ عرصۂ دراز سے قائم اسی رویے کی پیروی کرتا ہے جس کے تحت مسلمانوں کو وبال ظاہر کرکے ان کے بارے میں (منفی) آرا قائم کی جاتی ہیں۔ چنانچہ وِٹکس لکھتا ہے: "مغرب میں، مشرقِ اسلامی کو شیطنت کے روپ میں پیش کرنا قرونِ وسطیٰ کے اوائل سے بیسویں صدی کے اواخر تک کئی صدیوں پر محیط ایک قدیم اور پختہ روایت ہے۔ یہ مشرقی سلطنتوں کی قدیم نمائندگی کرنے والوں اور اسلام پر لشکر کشی کرنے والے حملہ آور لشکروں، بشمول دنیائے قدیم کے آشوریوں اور فارسیوں کی طرف لوٹتی ہے۔ مغرب کے اجتماعی شعور میں ثبت ہوئی (جعلی) تاریخی اور کتابی روایات جو بعد ازاں 'مقدس جنگ' کے تاریخی تجربے سے مزید ٹھوس اور مضبوط ہو گئیں، وہ 'مقدس جنگ' جو ظہور اسلام کے ساتھ شروع ہوئی، صلیبی جنگوں کے دور میں جاری رہی، اور اندلس کی دوبارہ (عیسائی سلطنت کے طور پر) بحالی اور عثمانی شہنشائیت کے دوران پائیدار رہی۔ مغربی یورپ میں سولہویں اور سترہویں صدی کے دوران جو اسلامی مشرق کا تصور پیدا ہوا، اس کی بنیاد جنگی جارحیت اور ثقافتی مقابلے کی ایک طویل تاریخ تھی"۔

اسلام پر ایک حالیہ کتاب میں ۱۰۹۹ء میں صلیبیوں کے بیت المقدس پر قبضے اور اس کی تمام مسلم اور یہودی آبادی کے قتل کے واقعے کے تناظر میں بات کرتے ہوئے مصنف نے حقائق کے برخلاف یہ لکھا: "۱۰۹۹ء میں بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ ایک خونیں جھڑپ تھی، جس میں زیادہ تر عیسائی آبادی کو تہ تیغ کیا گیا"، یہ تبصرہ یقیناً حیران کن ہے۔ امریکی مجلّے 'ٹائم' کے مطابق، "یہ اسلام کا تاریک پہلو ہے جو تشدد اور دہشت گردی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور جس کا مقصد جدت پسندی اور زیادہ لادین حکومتوں کو زیر کرنا اور ان کی حامی مغربی اقوام کو نقصان پہنچانا ہے"۔ اسی بنیاد پر یہ تصور پختہ ہوا کہ "امن اور سلامتی کے دوام کی خاطر اس عفریت سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے"۔

ہپلر اور لئیگ (Hippler and Lueg) لکھتے ہیں کہ کس طرح: "میڈیا کی تقریباً تمام اقسام میں، 'ماہرین' ہمیں مشرق کی جانب سے مذہب کی بنیاد پر جنگوں، متشدد ہجوم اور قرونِ وسطیٰ کے جدیدیت سے اور مذہب کے روشن خیالی سے انتقام کے نئے خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسلام کبھی دعوت جنگ (چیلنج) ہے تو کبھی خطرہ۔ ترکوں کے ہاتھوں ویانا بظاہر ایک بار پھر فتح ہوا ہی چاہتا ہے۔ خمینی، قذافی، صدام حسین، عرفات اور الجزائری بنیاد پرستوں کی معیت میں مغربیت مخالف لہر آگے بڑھ رہی ہے جو بہرحال مشہور مجلّوں اور پردۂ سکرین کی زینت بن رہی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خطرہ روحانی ہو، مغربی تہذیب کے مقابل مشرقی نمونہ؛ اس کا نتیجہ فراہمیٔ تیل کی روک تھام یا ترکی سے مغربِ اسلامی تک مہاجرین کی ثقافتی یلغار کی صورت میں بھی سامنے آسکتا ہے۔ یہ اسلامی ایٹم بم، دہشت گردی یا ایرانی سانچے میں ڈھلے ایک متوقع اسلامی بنیاد پرست عالمی انقلاب میں بھی پنہاں ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ عام ذہن اسے اسلام اور عیسائیت یا 'کفار' کے خلاف ایک جنگ کے طور پر دیکھے۔ یورپ اور امریکہ میں خطرات کی ان تمام انواع کا ادراک ہے، کبھی اکٹھے اور کبھی جداگانہ۔ بعض اوقات یہ خطرات اچانک نمودار ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے مسابقت کرتے ہیں، اور بعض دیگر اوقات میں یہ منظم اور مرکب ہوتے ہیں...... اس سب کا انحصار کسی خاص صورت حال میں ضرورت یا چاہت پر ہے"۔

ٹی وی چینلوں اور انٹرنیٹ پر پھیلی فلموں میں دکھائے جانے والے 'دہشت گردوں' کے تمام وحشی افعال کے بارے میں ایک سوال ذہن میں اٹھ سکتا ہے۔ ایک پہلو تو یہ ہے کہ ہمیں تصویر کا صرف ایک رخ دکھایا جاتا ہے؛ ہم 'برائی' کے خلاف کھڑے ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کے اعمال کی بجائے محض (ان اعمال پر رونما ہونے والا) ردعمل دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ جب آپ آبادی کے ایک حصے کو کھنڈر بنا دیتے ہیں، ان کے گھروں کو جلاتے، ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرتے ہیں تو موقع ملنے پر وہ اپنے انتقام میں شدید تر ہو جاتے ہیں؛ آپ ان سے مہذب رویے کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ اکثر اوقات ان واقعات میں سے بیشتر ریاستی اداروں کی کارستانی ہوتے ہیں۔ الجزائری لکھتا ہے کہ "مصنوعی اسلامی دہشت گرد گروہ تخلیق کیے جاتے ہیں۔ یہ گروہ غیض وغضب پیدا کرتے ہیں، جو دہشت گردی کے عملی مواقع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ 'دہشت گردی مخالف اقدامات' کا جواز بھی پیدا کرتا ہے۔ 'دہشت اور خلاف دہشت' کے چکر میں مسلمان اشرافیہ کو بالطبع علیحدہ کر دیا جاتا ہے؛ اس اشرافیہ میں موجود ذی ہوش اور نمایاں دینی مقام رکھنے والے افراد کو 'دہشت گردوں' (جو ان پر معتدل اور غدار ہونے کا الزام لگاتے ہیں) کے ہاتھوں قتل کرا دیا جاتا ہے، جبکہ سرگرم نوجوان مسلمانوں کو دہشت گرد کہہ کر قتل کر دیا جاتا ہے۔ یوں آپ ایسی رپورٹوں کے پیچھے عامل تمام وجوہات کو مکمل طور پر اور بہت اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں جو ایک ہی وقت میں ریاستی حمایت یافتہ قاتل گروہوں کے ہاتھوں مسلمان اشرافیہ کے قلع قمع کو چھپاتی ہیں، مسلمانوں کو سنی شیعہ میں تقسیم کرتی ہیں اور یہ ظاہر کرتی ہیں کہ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے قتل عام میں مصروف ہیں، اور مسلمانوں کے بارے میں وحشی اور اجڈ ہونے کے تصور کو مزید ابھارتی ہیں۔ (...) مسلمانوں کا تصور مسخ کرنے اور ان سے خوف اور ان کے لیے نفرت پیدا کرنے کے مغربی خبط پر محیط یہ تقریباً دس صدیاں تاریخ میں منفرد رہی ہیں۔ کسی اور تہذیب یا ثقافت نے اپنے مقصدِ وجود کی

طرح اسلام پر اتنا منظم دھاوا نہیں بولا اور مسلمانوں کو اس طرح عفریت بنا کر نہیں پیش کیا جیسا کہ مغربی ثقافت نے کیا"۔

نسل کشی۔مغربی تہذیب کا ایک قاعدہ:

نسل کشی در حقیقت مغربی معاشرے کا ایک قاعدہ ہے۔ مخالف کو وحشی دکھایا جاتا ہے اور پھر اس کا قلع قمع کر دیا جاتا ہے، نیز مسلم سرزمینوں کی مغربی آبادکاری کے 'عالی مقاصد' بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ ۱۸۴۷ء میں مارمئیر (Marmier) نے الجزائر کی فرانسیسی آبادکاری پر لکھا:" فرانس کی تاریخ میں ایک عظیم الشان مبارک مشن کے اضافہ پر ندامت!.....چہ معنی دارد! دنیا کے ان حصوں میں کہ جن کا ماضی قتل و غارت گری سے عبارت تھا اور جو عوام پر ظلم و ستم مسلط کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے، یہ امن اور قانون کا مشن تھا۔ ذی ہوش عوام کہ جنہیں صرف رہنمائی کی ضرورت تھی، کے لیے تہذیب سکھانے والا ایک مشن؛ زمین پر ایک مذہبی مشن جسے ہمارے عقیدے نے ہمارے جاں نثاروں کے خون سے سینچا ہے"۔ یوں فرانسیسی عالی مقاصد نے لاکھوں الجزائریوں کی بڑے پیمانے پر بیخ کنی کا جواز پیش کیا۔
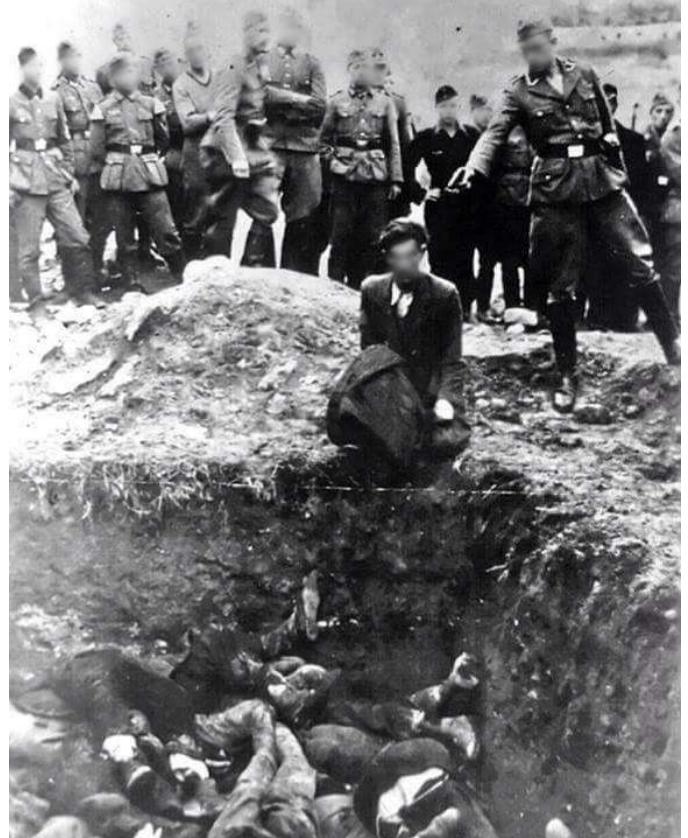
[الجزائر، فرانسیسی فوجی، دفاعی مزاحمت کرنے والے الجزائریوں کو زمین میں کھودے گئے ایک گڑھے کے پاس لے جا کر گولی مار رہے ہیں۔ گڑھے میں مسلمان مزاحمت کاروں کی نعشیں دیکھی جا سکتی ہیں]

الجزائر کے خطے قبیلیہ (Kabyle) میں ایک کارروائی سے متعلق فرانسیسی آرمی کی ایک رپورٹ بتاتی ہے کہ:" مہم سے واپسی پر ہمارے سپاہی خود شرمندہ تھے۔ تقریباً اٹھارہ ہزار درخت کاٹے گئے؛ گھروں کو جلا دیا گیا؛ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کیا گیا۔ بدقسمت خواتین کی چاندی کی بالیوں، پازیبوں اور چوڑیوں نے، جو وہ عادتاً پہنتی تھیں، بالخصوص طمع کو بھڑکایا۔ نو عمری میں لڑکیوں کے ہاتھ پاؤں میں پہنائے جانے والے ان گہنوں کے فرانسیسی کنگنوں کی طرح کے بند نہیں ہوتے۔ لڑکیوں کے بڑے ہونے پر یہ گہنے اتارے نہیں جا سکتے۔ ان گہنوں کو اتارنے کے لیے ہمارے سپاہی ان لڑکیوں کے زندہ جسم سے ان کے اعضا کاٹ لیتے تھے اور انہیں اسی مثلہ شدہ حالت میں زندہ چھوڑ جاتے تھے"۔

[الجزائر، فرانسیسی فوجی، دفاعی مزاحمت کرنے والے الجزائریوں کے کٹے ہوئے سر دکھا رہے ہیں]

سٹینرڈ، جس نے براعظم امریکہ میں ماضی میں ہونے والی نسل کشیوں کی دستاویز کے سلسلے میں بہترین کام کیا ہے، لکھتا ہے،" جیسا کہ وارڈ چرچل اور دیگر نے زبردست تحریری کام کیا ہے، نئی دنیا (شمالی و جنوبی امریکہ) کی یورپی فتح، بشمول امریکی حکومت کے ہاتھوں اپنی ہی دیسی قوم کی تباہی و بربادی، دنیا کی تاریخ میں نسل کشیوں کا سب سے بڑا مربوط سلسلہ تھا۔ ۱۴۹۲ء کے موسمِ خزاں میں کولمبس کی ہسپانیولا اولین آمد سے، ۱۸۹۱ء کے سرما میں وُونڈِڈ نی (Wounded Knee) کے مقام پر امریکی فوج کے بے گناہ ہندی مردوں، عورتوں اور بچوں کے وحشیانہ قتل عام تک، تقریباً چار صدیوں پر محیط عرصے میں کروڑوں کی تعداد میں مغربی نصف کرۂ ارض کی مقامی آبادی اس پر تشدد قتل عام کے نتیجے میں ہلاک ہوئی جس نے یکے بعد دیگرے کئی مقامات پر نوّے سے پچانوے فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ حد تک دیسی آبادی کو ہلاک کیا"۔

'مہذب یورپ' کے عین وسط میں، بوسنیا میں مسلمانوں کی اجتماعی عصمت دری اور قتل عام کے واقعات مسلمانوں کو برا بنا کر پیش کرنے اور ان کے قتل عام کا عقلی جواز فراہم کرنے کے بعد رونما ہوئے، جبکہ مغرب محض تماشائی بنا کھڑا دیکھتا رہا۔ روزانہ کی بنیاد پر، صنعت کلام کی اکثر مہارت اسلام اور مسلمانوں کو وحشی ظاہر کرنے پر ہی صَرف کی جاتی ہے، جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

در حقیقت کبھی بھی کسی بھی مسلمان ملک پر مغربی یلغار اس کے اعلیٰ مقاصد یعنی اسلامی وحشت و بربریت کے خاتمے اور مسلم معاشرے کو روشن خیال بنانے کی تشہیر سے قبل نہیں کی گئی۔

بعض یورشوں کا مقصد ایسے ممالک کا تحفظ بھی ظاہر کیا گیا، مثلاً ۱۹۱۲ء میں فرانس کی مراکش پر چڑھائی [فوجی قبضے کو پرٹیکٹوریٹ (زیر حمایت) کہا جاتا تھا]۔ تاریخ بھی ہمیں سکھاتی ہے کہ مسلمان سرزمینوں پر کبھی کسی ایک بھی مغربی حملے کا نتیجہ اس کی آبادی کے قتل عام اور عظیم لوٹ مار کے سوا نہیں نکلا۔ مسلمانوں پر پے در پے حملوں اور ان کے بدترین نتائج کا تکیہ، انحصار اور بنیاد ہمیشہ ہی مسلم وحشت و بربریت کے تصور پر رہی ہے۔ چنانچہ یہ عین معقول ہے کہ جب تک مسلم وحشت کا یہ تصور برقرار رہے گا، مسلمانوں کی اپنی ہی سرزمینوں میں ان پر حملوں اور ان کے عظیم قتل عام کا سلسلہ جاری رہے گا۔

مسلمانوں کے بارے میں شیطانیت کا پرچار، اسلام کے تصور کو تاریک تر کرنے کے علاوہ مسلمانوں کے خلاف فوجی کارروائی کا استدلال آج بھی فراہم کرتا ہے۔ الجزائری لکھتا ہے کہ ”کسی وجود کو مسخ کرنے کا اساسی مقصد اس کے خلاف فوجی لشکر کشی اور اس کے بعد اس کی آبادی کا قتل عام ہی ہوتا ہے۔ حقیقت واضح کرنے کو عراق کا معاملہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے کہ کس طرح جھوٹ اور من گھڑت خطرات کا پرچار اس پر ایک وسیع عسکری جنگ مسلط کرنے اور اسے اس بد نظمی اور خلفشار میں دھکیلنے کے لیے کافی تھا جس کے نتیجے میں سالانہ اس کے ہزاروں افراد قتل ہو رہے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ نے ہمیں دکھایا کہ عراق کا معاملہ، صدیوں سے مسلم سرزمینوں پر ہونے والے مغربی یلغار کے دیگر تمام واقعات پر سراسر دلالت کرتا ہے“۔

کسی بھی مسلم سرزمین کو وحشی اور خطرناک ہستیوں کا مسکن بنا کر پیش کرنے سے پہلے اس پر حملہ نہیں کیا گیا، اور اس الزام نے ان پر مغربی یلغار کا جواز فراہم کیا تاکہ وہ وہاں کے باسیوں کو اجالے اور تہذیب سے روشناس کرواسکیں؛ مگر اس یلغار کا نتیجہ بالعکس یعنی وہاں کی آبادی کے قتل عام کی صورت میں نکلا۔ ہم واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ ہر واقعے میں، چاہے وہ فلسطین ہو، بوسنیا، چیچنیا، الجزائر، افغانستان، پاکستان، لیبیا، عراق، شام، یمن یا مصر ہو...... بد نظمی اور خونریزی کی بنیاد محض جھوٹ اور دھوکے پر ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں کے ذبح کیے جانے کے باوجود لادین 'مسلمان' حکومتیں تکبر کے ساتھ ہم پر ہی اسلامی وحشت کے الزامات لگاتی ہیں۔

(اللہ پاک ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائیں، آمین! وما علینا الا البلاغ المبین!)

☆☆☆☆☆

بقیہ: نظریاتی جنگیں

۳۔ قرآن کے جو اچھے حوالے ہیں وہ لے کر ثابت کیا جائے کہ یہ باتیں انجیل کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہیں۔

۴۔ بتایا جائے کہ انسان 'معاشرتی ہستی' (سوشل بیئنگ/Social Being) ہے تو کیا اس کا خالق سوشل نہیں ہو سکتا، اس لیے ایک سوشل خدا تین خداؤں میں ظاہر ہوا۔

۵۔ پرچار کیا جائے کہ ایک 'زندہ بچانے والا' بہتر ہے نہ کہ ایک 'مردہ پیغمبر'۔

۶۔ مسلمانوں میں اپنی بات کی ابتدا مسلمہ سچائیوں سے کریں، خدا کے بیٹے اور تثلیث کے نظریہ کے ابتدا ہی میں اظہار سے مخالفت پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے ان میں اپنی بات سننے کے لیے مسیح کی معجزانہ پیدائش، نبوت اور مسیحائی سے آغاز کریں۔ یہ سچائیاں اسلام میں بھی مانی جاتی ہیں۔ اس کے بعد 'آہستہ آہستہ' غیر محسوس طور پر 'ابن خدا' یا 'خدا کا بیٹا' کی طرف ان کے خیالات کو موڑ دیں۔

۷۔ (حضرت) عیسیٰؑ کے ساتھ مسلمانوں کی طرح 'حضرت' کا لفظ استعمال کیا کریں اور قرآن کو 'قرآن شریف' کہا کریں، لوگوں کے سامنے اس کا ادب کیا کریں، اسے ایسی جگہ نہ رکھیں جو ناپاک ہو اور جس سے مسلمان برا مان جائیں۔

۸۔ ہر مشنری کو چاہیے کہ قرآن شریف کی تیس سے پچاس تک آیتیں بالکل صحیح تلفظ کے ساتھ مع تفسیر زبانی یاد کرے اور موقع محل کے لحاظ سے مسلمان حاضرین کے سامنے پڑھا کرے۔

مشنریوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے؟

اس سلسلے میں چند اہم سفارشات درج ذیل ہیں:

- علما اور دانشوروں کو چاہیے کہ اپنے متعلقہ تعلیمی اداروں کے نصاب میں الغزو الفکری، مسیحیت وصہیونیت اور تحریکاتِ جدیدہ کا تعارف شامل کریں۔
- نصرانیت کا جوابی لٹریچر اور رجالِ کار تیار کیے جائیں۔
- دینی مدارس میں نصرانیت کی تردید پر کام کرنے والے علمائے کرام کو مدعو کر کے طلبہ کو تربیتی کورسز کرائے جائیں۔ یہی کام سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی کیا جائے۔ تقابلِ ادیان کا مضمون شاملِ نصاب ہونا چاہیے۔
- دینی جامعات کے طلبہ مہینے میں کم از کم ایک دن اپنے قرب وجوار میں دعوتِ حق کا فریضہ ادا کرنے کے لیے باہر نکلیں۔ غیر مسلموں خصوصاً عیسائیوں کی بستیوں میں جا کر بڑی حکمت سے انھیں اسلام کی تبلیغ کی جائے۔
- ڈاکٹروں اور اطبائے کرام پر لازم ہے کہ وہ خود کو مشن ہسپتالوں کے معالجین سے بہتر ثابت کریں، غریبوں کے لیے فیس میں کچھ گنجائش رکھیں۔ علاج کے ساتھ ساتھ دعوتِ اسلام کو بھی مقصد بنائیں اور ملت کے نادار طبقے کے لیے رفاہی کاموں کی قیادت کریں۔
- اہل ثروت اور مخیر حضرات ایسے دارالامان بنائیں جہاں نومسلموں کو پناہ مل سکے اور انھیں اپنے رشتہ داروں اور این جی اوز کے شر سے محفوظ رہ کر حلال روزگار کے ساتھ چین کی زندگی بسر کرنے کا موقع ملے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

نظریاتی جنگیں

مولانا محمد اسماعیل ریحان

مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب (زید مجدہ) کی تالیف 'أصول الغزو الفكري' یعنی 'نظریاتی جنگ کے اصول'، نذرِ قارئین ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو اہلِ باطل کی جانب سے ایک ہمہ گیر اور نہایت تند و تیز فکری و نظریاتی یلغار کا سامنا ہے۔ اس یلغار کے مقابلے کے لیے 'الغزو الفکری' کو دینی و عصری درس گاہوں کے نصاب میں شامل کرنا از حد ضروری ہو چکا ہے۔ دینی و عصری درس گاہوں میں اس مضمون کو شامل کرنے کے ساتھ ساتھ 'الغزو الفکری' یعنی نظریاتی جنگ کے مضمون و عنوان کو معاشرے کے فعال طبقات خصوصاً اہلِ قلم، اسلامی ادیبوں اور شاعروں، اہلِ دانش، صحافیوں، پیشہ ور (پروفیشنل) حضرات نیز معاشرے کہ ہر مؤثر طبقے میں بھی عام کرنا از حد ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے 'اصول الغزو والفکری' کے عنوان سے اس علم کے اہم مباحث کو مختصر طور پر مولانا موصوف نے پیش کیا ہے۔ مولانا موصوف ہی کے الفاظ میں 'در حقیقت یہ اس موضوع پر تحریر کردہ درجنوں تصانیف کا خلاصہ ہے جس میں پاک و ہند کے پس منظر کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے'۔ یہ تحریر اصلاً نصابی انداز میں لکھی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود خشکی سے پاک ہے اور متوسط درجۂ فہم والے کے لیے بھی سمجھنا آسان ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو نظریاتی و عسکری محاذوں کو سمجھنے، ان محاذوں کے لیے اعداد و تیاری کرنے اور پھر ہر محاذ پر اہلِ باطل کے خلاف ڈٹنے کی توفیق ملے۔ اللہ پاک مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں کہ انہوں نے ایسے اہم موضوع کے متعلق قلم اٹھایا، اللہ پاک انہیں اور ہم سب اہلِ ایمان کو حق پر ثبات اور دین کا صحیح فہم عطا فرمائیں، آمین یا ربّ العالمین! (ادارہ)

الساحة الرابعة-التنصير، التبشير يا الردة

(Christianity Mission)

اہلِ باطل کا آخری ہدف الردۃ ہے، یعنی مسلمانوں کو مرتد بنانا اور اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے وسیع پیمانے پر نصرانیت کی تبلیغ کا کام ہو رہا ہے اس لیے ہم نصرانیت کی تبلیغ کا جائزہ لیں گے جسے التنصير یا التبشير (Christianity mission) کہتے ہیں۔

التنصیر کی تعریف:

"التنصیر" سے مراد وہ تحریک ہے جس کا مقصد غیر نصرانی اقوام کو باضابطہ طور پر نصرانیت میں داخل کرنا ہے۔

اس تحریک سے وابستہ لوگ مشنری کہلاتے ہیں۔ یہ اپنی مہم کو "التنصیر" کے بجائے "التبشیر" کا نام دیتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں ہم انسانوں کو مایوسی اور اندھیرے سے نکالتے اور نجات کی بشارت دیتے ہیں۔

تاریخ التنصیر

تحریک تنصیر کی داغ بیل تقریباً پانچ صدیاں قبل پڑی تھی۔ اس کی کارگزاری کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ (۱) جبراً نصرانی بنانے کا دور (۲) تبلیغ اور ترغیب کے ذریعے نصرانیت کی اشاعت۔

(۱) جبراً نصرانی بنانے کا دور:

جبراً نصرانی بنانے کی مہم سب سے پہلے اسپین میں شروع ہوئی۔ اسلامی اندلس کا خاتمہ ہوا تو ساتھ ہی سپین کے بادشاہ نے وہاں کے مسلمانوں کو زبردستی نصرانی بنانا شروع کر دیا۔ پرتگال میں شاہ مینوئیل نے بھی یہی کچھ کیا۔ افریقہ کی کئی ریاستوں کو بھی اس تجربے کی بھینٹ چڑھایا گیا۔

(۲) تبلیغ و ترغیب کے ذریعے اشاعتِ مذہب:

مذہب کو تبلیغ کے ذریعے پھیلانے کا کام پیرس کے سینٹ میری کلیسا کے سات عیسائی طلبہ نے شروع کیا جنھوں نے ۱۵ اگست ۱۵۳۷ء کو مسیحیت کی تبلیغ کا حلف اٹھایا اور یسوعی فرقے (Jesuit) کی بنیاد رکھی۔ اس فرقے کے مقاصد درج ذیل تھے۔

(۱) رومن کیتھولک چرچ کے عقائد کے مطابق تبلیغ نصرانیت۔ (۲) تقدس کلیسا بحال رکھنے کے لیے اشاعتِ فقر و زہد۔ (۳) تعلیمی ادارے کھول کر انھیں کیتھولک مذہب کی تعلیم و تربیت کا مرکز بنانا۔

اس طرح نصرانی مذہب کی باقاعدہ تبلیغ شروع ہوئی۔ اس کا آغاز پرتگال اور سپین سے کیا گیا۔ پھر یورپی استعمار کے ساتھ ساتھ ان کے مبلغین کی ٹولیاں بھی اسلامی ملکوں میں قدم رکھنے لگیں۔

ہندوستان میں مشنری سرگرمیوں کا تاریخی جائزہ:

ہندوستان میں مشنریوں کی آمد مغل بادشاہ اکبر کے دور میں ہوئی۔ ان کی تبلیغ سے اکبر اتنا متاثر ہوا کہ انھیں گرجے بنانے کی اجازت دے دی۔ بعد میں جہانگیر نے بھی آگرہ اور لاہور میں گرجوں کو زمین فراہم کی اور مراعات کے لیے فرمان جاری کیے۔ ان مشنریوں کی پوری کوشش تھی کہ مغلیہ خاندان کے شہزادے ان کا مذہب قبول کر لیں۔ شاہ جہاں نے جو حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی تحریک سے متاثر تھا مشنریوں پر قدغن لگائی۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور میں بھی مشنریوں کی سرگرمیاں بند رہیں مگر اس کے بعد وہ پھر متحرک ہو گئے۔ مغل حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ ہی مشنریوں کا دائرۂ کار پھیلتا گیا۔ ۱۸۳۴ء میں "ویسٹرن فارن مشن" نے پنجاب کے سکھ راجا رنجیت سنگھ کی اجازت سے پنجاب میں کام شروع کر دیا۔ ۱۸۳۵ء میں چرچ آف اسکاٹ لینڈ اور ۱۸۵۱ء میں چرچ مشنری سوسائٹی نامی جماعت سرگرم ہو گئی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان نوابوں سے چھینی ہوئی بڑی بڑی جاگیریں مشنری اداروں کو دی جانے لگیں۔ اس دور میں تعمیر کیے گئے چند مشہور چرچ یہ ہیں:

- سینٹ میری چرچ، لاہور۔
- سینٹ جان چرچ، جہلم۔
- ہولی ٹرینٹی چرچ، سیالکوٹ۔
- کرائسٹ چرچ، راولپنڈی۔
- سینٹ لوکا چرچ، ایبٹ آباد۔
- سینٹ جان چرچ، بنوں۔

چند سرگرم عیسائی مشن:

برصغیر میں سرگرم مشنز کی تعداد درجنوں میں تھی جن میں سے چند یہ ہیں: پریس بائی ٹیرین فرقہ، دی ایسوسی ایٹ، ریفارمڈ پریس بائی ٹیرین چرچ (اے آر پی)، سالویشن آرمی یا مکتی فوج، دی افغان بارڈر کروسیڈ (اے بی سی)، دی چرچ آف کرائسٹ۔

پاکستان میں سرگرم مشنز کا تعلق برطانیہ، امریکہ، سوئٹزرلینڈ، جرمنی، ہالینڈ، بیلجیئم، اٹلی اور سکاٹ لینڈ سے ہے۔ چاروں صوبوں کے مختلف شہروں میں مختلف مشنوں کے ''بائبل خط و کتابت سکول'' کام کر رہے ہیں۔ بڑے پیمانے پر مسیحی لٹریچر تقسیم کیا جارہا ہے۔ ملک بھر میں سترہ (۱۷) بڑے مشن ہسپتال کام کر رہے ہیں۔ اکثر و بیشتر مشنری اداروں کو حکومتِ پاکستان نے ٹیکس سے آزاد رکھا ہے۔

مراحل التنصیر:

مشنریوں کی مہم کے تین اہم مراحل ہیں:

۱۔ مسلمانوں کے عقائد و اعمال کو کمزور کرنا۔ ۲۔ مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنا۔ ۳۔ مسلمانوں کو نصرانی بنانا۔

وسائل التنصیر

وہ اہم وسائل جن کو استعمال کرکے مسلمانوں کو عیسائی بنایا جاتا ہے درج ذیل ہیں:

۱۔ سکول و کالج اور یونیورسٹیاں: اسلامی ممالک کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں مشن سکول کھلے ہیں۔ مسلم بچوں کی بہت بڑی تعداد کی تربیت یہ نصرانی سکول کر رہے ہیں۔

۲۔ پرنٹ میڈیا: مشنری عیسائیوں کے سیکڑوں اخبارات و جرائد رسالے اسلامی ناموں سے شائع ہو رہے ہیں جیسے 'المجلۃ الاسلامیۃ' اور 'مسلم ورلڈ'۔

۳۔ الیکٹرانک میڈیا: مشنریوں کے سیکڑوں ریڈیو، ٹی وی اسٹیشن ہیں۔ کئی سو ویب سائٹس اسلام کے نام سے کام کر رہی ہیں۔ ان نشریات کا انداز بڑا پرکشش ہوتا ہے۔

۴۔ تعلیمی وفود: اسلامی ملکوں کے ذہین طلبہ کو یورپ اور امریکہ کے تعلیمی سیمینارز میں مدعو کیا جاتا ہے جہاں وہ عیسائی مفکرین کے لیکچر سن کر خاصے متاثر ہوتے ہیں۔

۵۔ مشن ہسپتال، طبی اور رفاہی خدمات: مشنری ادارے مختلف شہروں میں ہسپتال اور دوا خانے قائم کرتے ہیں۔ ہسپتالوں میں کمرۂ انتظار میں میزوں پر عیسائیت کی تبلیغ پر مشتمل مختصر کتابچے رکھ دیتے ہیں۔

۶۔ بائبل خط و کتابت کورس: گھر بیٹھے مذہبی معلومات میں اضافے اور خوبصورت اسناد کے حصول کا شوق دلا کر بائبل خط و کتابت کورس کرایا جاتا ہے۔

۷۔ شفا کے لیے دعائیہ مجلس: مختلف مقامات پر (عموماً چرچ) میں دعائیہ مجالس منعقد کی جاتی ہیں، شرکت کرنے والے مسلمان ان میں اندھوں اور گونگوں کو شفا پاتا دیکھ کر حیران ہوجاتے ہیں، حالانکہ یہ صرف ڈرامہ ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی کمزوریاں

مسلم دنیا کی تین بڑی کمزوریاں ہیں جن سے فائدہ اٹھاکر مشنری اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

۱۔ غربت

۲۔ جہالت

۳۔ امراض

مشنریوں کے اہداف

مشنریوں کی ابلاغی کوششوں میں درج ذیل موضوعات پر زور دیا جاتا ہے:

۱۔ اسلامی عقائد کو مٹانا اور عقیدۂ تثلیث کو ثابت کرنا۔

۲۔ دین اسلام سے اعتماد ختم کرنا۔

۳۔ قرآن مجید میں تحریف، معانی میں تبدیلی، مسلمانوں کو قرآن مجید سے دور کرنا۔

۴۔ رسالت محمدیہ میں تشکیک (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

۵۔ عالم اسلام پر غلبے کے لیے استشراق و استعمار سے تعاون کرنا۔

مشنریوں کے لیے ہدایات اور تربیتی نصاب:

مشنری ادارے اپنے مبلغین اور کارکنوں کی تربیت پر پوری توجہ دیتے ہیں۔ ان کے تربیتی سکولوں کے نصاب کے پہلے ہی سال میں مسلم فرقوں اور ان کے باہمی اختلافات کا تفصیلی مطالعہ کرادیا جاتا ہے اور اسلامی تاریخ بھی مکمل پڑھادی جاتی ہے۔ مشنریوں کے تربیتی پروگراموں میں ذہن نشین کرائی جانے والی چند بنیادیں یہ ہیں:

۱۔ ایسی پرجوش کتابیں لکھی جائیں جو انسانی ''قلب'' کو کشش کریں جن میں 'گناہ' اور 'نجات' کی اہمیت ثابت ہو۔

۲۔ اسلام سے اچھی چیزیں لے لی جائیں اور بتایا جائے کہ ان کی تکمیل کس طرح انجیل میں ہوئی۔

(باقی صفحہ نمبر47پر)

زندگی بے بندگی شرمندگی

حافظہ ام حیدر

زندگی مسلسل جدو جہد کا نام ہے۔ ہر ایک کا طرز زندگی اس کے طے کردہ مقصدِ زندگی کا آئینہ دار ہے۔ کسی کے نزدیک دنیاوی زندگی ہی سب کچھ ہے تو کوئی جانتے بوجھتے ہوئے بھی آخرت کو بھلائے بیٹھا ہے؛ دنیا کی چمک دمک اور رنگینیاں ہر ایک کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں اور ابن آدم اس فانی دنیا کے پیچھے سرپٹ بھاگنے میں مصروف ہے۔ ایسے میں بہت ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو زندگی گزارنے کا صحیح ڈھنگ پہچان پائے ہیں، جو یہ جانتے ہیں کہ محض اسلام کے بتلائے طریقے پر بسر کی ہوئی زندگی ہی کامیاب ہے۔ وہ رب العالمین کے اس فرمان عالی شان کی حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ اور دنیاوی زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے[1]۔

شریعت کی پاسداری سے آزاد انسان کو دنیا کی محبت اندھا کر دیتی ہے اور وہ حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر اندھا دھند اس حقیر دنیا کے ساز و سامان کے پیچھے بھاگنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ دو اور دو چار کرنے میں ہی عمر بیت جاتی ہے اور نتیجہ میں موت کے بعد کی وحشت ناک تنہائیاں اور اللہ کا عذاب منتظر ہوتا ہے۔ لیکن ذرا سی عقل و سمجھ رکھنے والا دانش مند انسان خوب سمجھتا ہے کہ اس دنیا کی قدر و قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ اگر اس کی وقعت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ نصیب ہوتا۔

اللہ رب العزت نے انسان کو عدم سے وجود بخشا تو ساتھ ہی مقصد زندگی سے آشنا بھی کروایا۔ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ پس دنیا میں انسان کی آمد کا مقصد دنیا کمانا یا نام و نمود حاصل کرنا نہیں بلکہ ایک بہت ہی عظیم الشان مقصد پیش نظر ہے اور وہ ہے رب تعالیٰ کی عبادت کرنا اور دنیاوی زندگی کے تمام شعبوں میں اسی کے احکامات بجالانا۔ پھر ان اوامر کو اپنی ذات پر تولاً گو کرنا ہی ہے ساتھ ہی اپنے ماتحت اور خاص طور پر اپنی اولاد اور جن تک آپ کی رسائی ہے ان تک بھی پہنچانا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو بھی بحسن خوبی انجام دینا ہے۔

تمام عبادات میں، چاہے بدنی ہوں یا مالی، رضائے الٰہی پیش نظر ہونی چاہیے اور مقصود اصلی، آخرت کی زندگی کا کامیاب ہونا ہمہ وقت دل میں موجود ہو تو زندگی کو صحیح اسلامی طرز پر گزارنا آسان ہو جاتا ہے۔ زندگی جہد مسلسل کا نام ہے تو کیوں نہ اپنی کوششوں اور جد و جہد کو ایسے کاموں میں صرف کیا جائے جس سے دنیاوی زندگی بھی سنور جائے اور ابدی زندگی کا سکون بھی نصیب ہو جائے۔

وقت کا کام تو ہے گزر جانا اور وقت کی سب سے بڑی خوبی بھی یہی ہے کہ اچھا ہو یا برا ہر حال میں گزر ہی جاتا ہے تو یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم کیسے اپنے وقت کو قیمتی بناتے ہیں اور اپنی دنیا کو آخرت کے بنانے میں صرف کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ زندگی کو حصولِ دنیا کی دوڑ میں لگ کر گنوا دیتے ہیں لیکن ہمیں اس سے آگے بڑھنا ہے اور اپنی زندگی کو دنیا کے لہو لعب، کھیل تماشوں کی نذر نہیں کرنا اور نہ ہی خود کو حالات کے دھارے پر بہنے کے لیے چھوڑ دینا ہے بلکہ ایک مضبوط عزم اور توانا ولولے کے ساتھ زندگی بِتانی ہے اور اس زندگی کو ایک دوسری زندگی کے بنانے میں صرف کرنا ہے۔ اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ جب زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کی رضا مقصود ہو، دل و دماغ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے تابع ہو اور خواہشات نفس کو شریعت کی ڈالی لگام نے تھام رکھا ہو۔

انسان کی سعادت اور فلاح و کامیابی اسی سے وابستہ ہے کہ تمام دنیاوی فکروں پر فکر آخرت غالب ہو اور ''اللّٰھم لا عیش الّا عیش الآخرۃ'' دل اور روح کی صدا ہو۔ دنیا کی بے وقعتی اور ناپائیداری کو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں مختلف پیرائے میں اور مختلف انداز سے پیش کیا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنی کوششوں اور کاوشوں کو حیات اخرویہ کے لیے صرف کرنے حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۚ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام: ۳۲)

''اور دنیوی زندگی تو ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور یقین جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے آخرت والا گھر کہیں زیادہ بہتر ہے۔ تو کیا اتنی سی بات تمہاری عقل میں نہیں آتی؟''

اسی طرح حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

''كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ.''

''دنیا میں اس طرح رہو گویا تم مسافر ہو یا راستہ طے کرنے والے ہو''۔

اس بات کی حقیقت تو میں اور آپ بخوبی جانتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی سفر درپیش ہو اور سفر بھی لمبا ہو، منزل بھی دور ہو تو ہم میں سے ہر ایک اپنا انتہائی ضرورت کا سامان ساتھ رکھتا ہے اور ہر وہ سامان جس کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر بھی ہم گزارہ کر سکتے ہیں اس کو چھوڑ

---

[1] سورۃ آل عمران: ۱۸۵

دیتے ہیں، وجہ یہی ہوتی کہ سامان کم ہو تو سفر آسان ہوتا ہے۔ دوسری طرف اگر انتہائی ضرورت کا سامان بھی پاس نہ ہو تو سفر کی مشکلات بڑھ سکتی ہیں۔ پھر راستہ کے اعتبار سے بھی سیدھا اور آسان راستہ اختیار کرتے ہیں کہ جس میں منزل تک پہنچنا آسان ہو۔ بالکل اسی طرح دنیا کے مسافر کا بھی حال ہے کہ آخرت کا لمبا سفر درپیش ہے دنیا میں رہنا ہے تو ایک مسافر کی طرح رہنا ہے کہ سفر میں درپیش مشکلات کا حل بھی کرنا ہے لیکن منزل کو سامنے رکھتے ہوئے کہ اصلی منزل تک پہنچنے میں کیا چیزیں مددگار ہو سکتی ہے اور راستہ کا تعین بھی ضروری ہے کہ اخروی منزل تک پہنچنے میں کون سا راستہ معین و مددگار ہو سکتا ہے۔

رب کریم نے اپنے اس مسافر کی مشکل کو حل کرتے ہوئے راستہ کا تعین خود ہی کر دیا۔ اے میرے بندو! ایک صراط مستقیم ہی ہے جس پر چلتے ہوئے تم اس سفر کو آسانی سے طے کر سکتے ہو، جس کے بعد کی منزل منزلِ حقیقی ہے اور یہی صراط مستقیم ہے جو کامیابی کا راستہ ہے۔ صراط مستقیم ہے کیا؟ تو اس کو بھی وضاحت سے بیان فرمایا کہ میرا یہ راستہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر میں نے انعام کیا اور یہ میرے انبیا، صدیقین اور شہدا کا راستہ ہے اور یہی واحد، سیدھا اور صاف راستہ ہے جو سیدھا منزل تک جاتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ اگرچہ اللہ کے نیک بندوں کے احوال مختلف ہیں لیکن ان میں بھی قابل رشک وہ ہیں جو دنیا کے ساز و سامان کے اعتبار سے بہت ہلکے ہیں البتہ عبادات و اطاعات میں ان کا ایک خاص حصہ ہے؛ لیکن وہ اللہ کے ایسے گمنام بندے ہیں کہ کوئی ان کی طرف انگلی اٹھا کر نہیں کہتا کہ یہ فلاں بزرگ ہیں اور ان کی روزی بقدر کفاف ہے لیکن وہ اس پر دل سے صابر اور قانع ہیں۔ دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو اس حال میں کہ پیچھے زیادہ سامان نہیں کہ جس میں جھگڑے ہوں؛ بالکل ایک دم سے رخصت ہو جاتے ہیں اور نہ ان پر زیادہ رونے والیاں ہوتی ہیں۔...... بلاشبہ اللہ کے ایسے نیک بندوں سے دنیا خالی نہیں ہے یہ الحمدللہ آج بھی پائے جاتے ہیں۔

دنیاوی زندگی ہو اور مشکلات بھی نہ ہوں ایسا بہت مشکل ہے کیونکہ یہ دارالامتحان ہے۔ امتحان گاہ تک پہنچنے سے پہلے انسان بہت محنت سے امتحان کی تیاری کرتا ہے اور رات دن ایک کر کے امتحان کی تیاری کرتا ہے کہ کہیں کسی پرچہ میں رہ نہ جاؤں۔ ذہن میں متعدد سوالات گردش کرتے رہتے ہیں اور امتحان گاہ تک پہنچنے سے پہلے نجانے کتنی راتوں کی نیندیں اسی جدوجہد میں صرف ہو جاتی ہیں کہ تھوڑا اور پڑھ لوں، یہاں سے پڑھ لوں، یہاں سے دیکھ لوں، ہو سکتا ہے یہاں سے سوال آ جائے...... اسی کشمکش میں وقت امتحان آ پہنچتا ہے؛ جب تک پرچہ ہاتھ میں نہیں آ جاتا دل عجیب سی بے چینی کا شکار رہتا ہے۔ اب اگر پرچہ صحیح حل ہو بھی گیا تو نتیجہ کا انتظار دل کو بے چین کیے رکھتا ہے...... غرض یہ کہ ہر دو صورت میں انسان کسی نہ کسی پریشانی کا شکار رہتا ہے اور مستقل جدوجہد کا سامنا ہوتا ہے۔

لیکن دنیا ایک ایسا دارالامتحان ہے جس کے ممتحن اللہ تبارک و تعالیٰ ہیں، سوالات صاف اور واضح ہیں، صرف سوالات ہی نہیں جوابات بھی موجود ہیں گویا حل شدہ پرچہ سامنے ہے اور وہ بھی بغیر کسی مشکل کے کہ جس کے لیے کسی کی سفارش کی ضرورت پڑی ہو نہ کسی کی مدد کی اور اس سب سے بڑھ کر نتیجہ بھی موجود ہے کہ اگر ان سوالات کو درست حل کرتے ہو زندگی کو اس کے مطابق گزارتے ہو تو کامیابی مقدر ہے وگرنہ بصورت دیگر زندگی کا یہ سفر کٹ تو جائے گا لیکن اخروی کامیابی ناکامی میں بدل جائے گی پھر جس میں رد و بدل کا کوئی امکان نہیں اور وہ ہمیشگی کی زندگی ہو گی۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عقل مند تو وہی شخص ہے جس نے اپنے نفس کو تابع کر لیا اور بعد کے لیے عمل کیا اور نادان بے وقوف وہ شخص ہے جو اپنے نفس کے تابع ہوا اور اللہ پر جھوٹی آرزویں باندھتا رہا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ حاسبو قبل ان تحاسبوا کہ اپنا محاسبہ کر و قبل اس کے تمہارا حساب لیا جائے۔

زندگی کے ہر معاملہ میں انتہائی احتیاط کا پہلو پیش نظر ہونا چاہیے، چاہے عبادات سے متعلق ہو یا معاملات سے متعلق، مقصودِ حقیقی رب العالمین کی رضا ہو، آخرت کی کامیابی ہو۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کون ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ وارثوں کا مال محبوب ہو؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم میں سے ہر ایک کا یہ حال ہے کہ اس کو اپنا مال وارثوں کے مال سے زیادہ محبوب ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی کا مال بس وہی ہے جو اس نے آگے چلتا کر دیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ اس کا نہیں اس کے وارثوں کا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مال کو جمع کر کے رکھنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ اپنے مال کو اللہ کی رضا کے حصول کے لیے خیر کے کاموں میں خرچ کیا جائے تاکہ جب ہم اپنی منزل حقیقی پر پہنچیں تو ہمارے استقبال کے لیے ہمارا مال ہمارا منتظر ہو۔ اگر خرچ نہیں کیا اور جمع کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو گئے تو اب اس مال میں ہمارا کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی وہ ہمارے کسی کام آئے گا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص دنیا کو اپنا مطلوب و محبوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا۔ جب دنیا اور آخرت میں سے ایک کو اختیار کرنے میں دوسرے کا نقصان لازم ہے تو دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ آخرت کو محبوب رکھا جائے کیونکہ دنیا فنا ہو جانے والی ہے اور آخرت ابقی ہے، باقی رہنے والی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى○[10] لیکن تم لوگ دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو۔ حالانکہ آخرت کہیں زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 40 پر)

[10] سورۃ الاعلیٰ: ۱۶،۱۷

”مسلمان مسلمان سے لڑے تو اس کو فتنہ کہتے ہیں!“

(خطوط از اَرضِ رِباط)

مولانا قاری عبد العزیز شہید رحمۃ اللہ علیہ

خطوط کا انسانی زندگی، زبان و ادب اور تاریخ پر گہرا اثر ہے۔ یہ سلسلہ ہائے خطوط اپنے انداز میں جدا اور نرالا ہے۔ اس کو لکھنے والے القاعدہ برِّصغیر کی لجنہ مالیہ کے ایک رکن، عالم و مجاہد بزرگ مولانا قاری ابو حفصہ عبد الحلیم ہیں، جنہیں میادینِ جہاد 'قاری عبد العزیز' کے نام سے جانتے ہیں۔ قاری صاحب سفید داڑھی کے ساتھ کبر سنی میں مصروفِ جہاد رہے اور سنہ ۲۰۱۵ء میں ایک صلیبی امریکی چھاپے کے نتیجے میں، قندھار میں مقامِ شہادت پر فائز ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ قاری صاحب نے میدانِ جہاد سے وقتاً فوقتاً اپنے بہت سے محبین و متعلقین (بشمول اولاد و خاندان) کو خطوط لکھے اور آپ رحمہ اللہ نے خود ہی ان کو مرتب بھی فرمایا۔ ادارہ 'نوائے غزوۂ ہند' ان خطوط کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان خطوط کو لکھنے والے، پڑھنے والوں اور شائع کرنے والوں کے لیے توشۂ آخرت بنائے، آمین۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

میرے عزیز بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خیر وعافیتِ طرفین مطلوب ہے۔ ہم نے پچھلے خط میں حضرت علیؓ اور امام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے لکھا تھا کہ 'حق کو پہچانو تو حق والوں کو خود ہی پہچان لو گے' اور ہم نے یہ بھی لکھا تھا کہ فی زمانہ حق کو پہچاننا ہی سب سے بڑا مسئلہ ہے کیونکہ دجّالی نظام اور اس کے اثرات نے حق کو مشتبہ بنا کر رکھ دیا اور ناحق کو اپنی ملمع کاری کے ذریعے حق بنا کر پیش کرنے کی حتی الامکان کوشش کی۔ جس کی وجہ سے لاکھوں میں ایک کو چھوڑ کر باقی تمام لوگ اس کے فریب اور داؤ پیچ میں آ گئے۔ یہ جو لاکھوں میں ایک حق پہچان کر ہدایت کی راہ پر گامزن ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جن کی جد وجہد خالص دین کے راستے میں ہونے کی وجہ سے حق کو پہچاننے کی انہیں توفیق ہوئی اور وہ ہدایت کی راہ پر گامزن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا..... (سورۃ العنکبوت)

”اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جد وجہد کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے۔“

اس آیتِ کریمہ کے پیشِ نظر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور عبد اللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”متنازع معاملے میں محاذ والوں کو دیکھو کہ وہ کس طرف ہیں“۔

یہ تو ہے پچھلے خط کے حوالے سے ضمنی بات، اب رہی یہ بات جو آپ لوگوں نے تحریر کی کہ ”مسلمان مسلمان سے لڑے تو اس کو فتنہ کہتے ہیں“، بات تو بالکل درست ہے مگر یہ بات محلِ نظر ہے کہ دونوں فریقوں میں کون سا فریق حقیقی معنوں میں صحیح مسلمان ہے جو دوسرے فریق سے لڑ رہا ہے۔ در اصل یہ دجّالی نظام اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے میڈیا کے پھیلائے ہوئے پراپیگنڈے کا عکّاس ہے۔ اس وقت مسلم خطوں میں دو ہی گروہ برسرِ پیکار ہیں۔ ایک جمہوریت پسند لوگوں کا گروہ جو اپنے اقتدار کی خاطر آپس میں لڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں، یہ واقعی فتنہ ہے۔ دوسرا گروہ مجاہدین کا ہے جو اس فتنے کا سدِ باب کرنے اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنے لیے منہجِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق یعنی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طریقے کے مطابق کفّار و مشرکین اور مرتدین سے لڑ رہے ہیں۔ یہ کوئی ”مسلمان مسلمان کی لڑائی“ نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دجالی نظام اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والی میڈیا وار سے اپنے آپ کو بچائیں اور حقائق جاننے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہم آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سرخرو ہو سکیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ ہیں۔ اللہ رب العالمین نے ہمیں تھوڑی بہت دین کی سمجھ دی ہے ہمیں کم از کم دین کے حقیقی علم کی روشنی میں تمام امور کو دیکھنا چاہیے۔

ہر زمانے میں دنیا پرستوں نے بہت سے جھوٹے معبود گھڑے ہیں۔ کسی نے معاشرے کے رسم و رواج کو معبود بنایا تو کسی نے اپنے آباو اجداد کو معبود کا درجہ دیا اور کہا:

”قد الفينا ما وجدنا آباءنا.“

”یقیناً ہم نے اپنے آباو اجداد کو ایسا ہی پایا۔“

تو کسی نے وطن ہی کو معبود بنایا تھا۔ لیکن موجودہ دور قدرے مختلف ہے اِس دور میں اِن معبودانِ باطلہ کے علاوہ اور بہت سارے معبود گھڑ لیے گئے ہیں۔ ان میں ایک قوم پرستی ہے اور ایک جمہوریت۔ یہ دونوں معبودان مغرب کے ایجاد کردہ ہیں۔ جن میں دنیاداروں کے ساتھ ہم دین دار بھی غرق ہیں۔

یہ وطن پرستی کی نسبتیں[1] جن کو ہم یائے نسبتی سے ادا کرتے ہیں جیسے پاکستانی، بنگلہ دیشی، ترکی و عراقی اور سعودی وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسی نسبت ہے جس کی تعلیم مغرب نے ہمیں دی ہے جس کی عینک سے ہم ہر چیز کو دیکھتے ہیں۔ اس وطن پرستی کا بت ہمارے ذہن سے اس لیے محو نہیں ہوتا کہ ہمیں ہماری نوعمری سے ”حب الوطن من الایمان“ یعنی ”وطن سے محبت ایمان میں سے ہے“ کے جھوٹے قول کی چھری سے خوب خوب ذبح کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے وار کی وجہ

[1] قاری صاحب نے ایک خاص پیرائے میں یہ بات کی ہے، ایک عمومی نسبت تو وطن سے ہر کسی کی ہی ہوتی ہے، مراد قوم پرستی یا نیشنل ازم کا رد ہے۔ (ادارہ)

سے ہمارے ہاں قرآن و سنت کے معنی و مفہوم مشکوک بنا دیے گئے ہیں اس لیے ہم سے یہ جملہ برآمد ہوتا ہے کہ ”مسلمان مسلمان سے لڑے تو اس کو فتنہ کہتے ہیں“۔

تو میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو مومنوں والی فراست عطا کی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا...... (سورۃ العنکبوت)

” اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جد و جہد کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے۔“

اب آیئے ہم اس بات کو دین کی حقیقی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کریں تا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اہلِ ایمان کی لڑائی کس سے ہے ؟ آیا اہلِ ایمان کی لڑائی مسلمانوں سے ہے یا اہلِ ایمان کی لڑائی دین سے خارج مرتدین سے ہے۔ علمائے اسلام نے نواقضِ اسلام کے بارے میں بہت سے امور تحریر کیے ہیں یعنی ایسے اعمال جن کا ارتکاب مسلمانوں کو دین سے خارج کر کے کفر (ارتداد) کے دائرے میں لے جاتا ہے۔ فقہائے اسلام نے ان ہی امور کی تشریح کرتے ہوئے مختلف صورتیں بتائی ہیں تا کہ ایک عام آدمی کو ان صورتوں کے بارے میں آگاہی ہو اور ان تمام صورتوں میں سے کسی بھی صورت کے ارتکاب سے بچا جائے۔ نیز علمائے دین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان چیزوں کے ارتکاب کے لیے اعلان بھی ضروری نہیں، صرف اس کا عمل ہی اس کو دائرۂ اسلام سے خارج کر کے مرتد کے دائرے میں لانے کے لیے کافی ہے۔

آیئے ان چند صورتوں کا مطالعہ کریں جن کا ارتکاب مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر کے مرتد بناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مقابل قانون بنانا

اس وقت پاکستان سمیت مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمرانوں نے اپنے اپنے خطوں میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مقابل ایک اور نئی شریعت اور قانون بنایا ہے اور اسی کو نافذ بھی کر رکھا ہے۔ ان ہی جیسوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ (سورۃ الشوریٰ:۲۱)

”کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا؟“

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (سورۃ الانعام:۱۲۱)

”اور اگر تم لوگ اُن کے کہے پر چلے تو بیشک تم بھی مشرک ہوئے۔“

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان سمیت مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمران اپنے اپنے خطوں میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مقابل میں کافروں کی اطاعت کرتے ہیں اور سب سے بڑا حاکم ان کا خود ساختہ قانون ہے جو انہوں نے قرآن و سنت کے مقابل میں اپنے اپنے خطوں میں نافذ کر رکھا ہے۔ ان حکمرانوں کا کفر، کفارِ مکہ کے کفر سے زیادہ سخت ہے کیونکہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے معبودانِ باطلہ کو صرف عبادت کی حد تک شریک کرتے تھے اور کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ (سورۃ الزمر:۳)

”ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں۔“

اُن کی غیر اللہ کی عبادت بھی اللہ کی قربت کے لیے تھی۔ جبکہ اِن حکمرانوں کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی بغاوت پر مبنی ہے۔

حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا

پاکستان سمیت مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمران حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہراتے ہیں اور حرام کی حفاظت اور اس کی ترویج کرتے ہیں اور ایسا کرنا اپنا جمہوری حق سمجھتے ہیں۔ جیسے زنا، بے پردگی، فحاشی و عریانی (حدود آرڈیننس ایک مثال ہے) اور سود وغیرہ۔ امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ”بے شک جب انسان کسی واضح حلال جس پر امت کا اجماع ہو اس کو حرام اور متفق علیہ حرام کو حلال سمجھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے“۔ (الصارم المسلول، ص ۱۳۷)

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”چھ آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور تمام انبیاؑ کی لعنت ہے ان میں ایک وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنے والا ہے۔ (جامع ترمذی، عن عائشہؓ)

غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا

پاکستان سمیت تمام مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمران، اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے بلکہ یہ تمام حکمران اپنے خود ساختہ قوانین پر فیصلہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ○ (سورۃ المائدۃ:۴۴)

”جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلہ نہیں کرتے وہی لوگ کافر ہیں۔“

علمائے کرام نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے ان کے کفر کی تین وجوہات بیان کی ہیں۔ (۱) ترک الحکم بما انزل اللہ یعنی اللہ کے نازل کردہ قانون پر فیصلہ نہ کرنا۔ (۲) الحکم بغیر ما انزل اللہ یعنی اللہ کے قانون کے بغیر فیصلہ کرنا۔ (۳) اخترع الحکم بغیر ما انزل اللہ یعنی اللہ کے قانون کے مقابلے میں قانون کا اختراع کرنا یعنی قانون بنانا۔ یہ تینوں وجوہات پاکستان سمیت تقریباً تمام مسلم خطوں میں بطریق اولیٰ موجود ہیں۔

پاکستان سمیت تمام مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمران اور ان کے کارندے اور ان کا آئین مسلمانوں کو قرآن و سنت کے مطابق فیصلہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں اور انہیں کفری قانون کے فیصلہ پر مجبور کرتے ہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: 'الامر عندنا من منع فریضة من فرائض اللہ عز و جل فلم یستطع المسلمون اخذھا کان علیھم جھاد ہ حتی

یاخذوھا منه'۔ "یعنی حکم تو ہمارے ہاں یہ ہے کہ بلاشبہ جس کسی نے بھی اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض سے بھی لوگوں کو منع کیا اور مسلمان اس پر عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو مسلمانوں پر اس کے خلاف جہاد کرنا لازم ہے یہاں تک کہ اس سے اس فرض کو چھڑا لیں۔"

طاغوت کی تعظیم و اشاعت کرنا

پاکستان سمیت تمام مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمران مسلمانوں کے اندر خصوصاً اپنے اپنے تعلیمی اداروں (سکول، کالج اور یونیورسٹیوں) میں طاغوت کی تعظیم و اشاعت کرتے ہیں جس کو یہ لوگ آئین کا احترام کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے دین کا استہزا کرتے ہیں اور دین داروں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے مثلاً معاشرے میں داڑھی والے، شرعی لباس پہننے والے کے لیے کوئی عزت نہیں۔

اقوامِ متحدہ کے قانون کا پابند ہونا

پاکستان سمیت تمام مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمران اقوام متحدہ کے قانون کے پابند ہیں اس کی وجہ سے "ولاء وبراء" (مسلمانوں کے ساتھ دوستی کرنا اور کفار سے دشمنی کرنا) کا خاتمہ ہو گیا۔ حالانکہ "ولاء وبراء" اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ اس کا نہ ماننا کفر ہے۔

حدود اللہ کا معطل کرنا

پاکستان سمیت تمام مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمرانوں اور ان کے کارندوں نے اپنے اپنے خطوں میں اسلام کے حدود و فرائض کو معطل کر رکھے ہیں۔ نہ اس پر خود عمل کرتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اس کے برعکس شریعت کا مطالبہ کرنے والوں اور اس پر عمل کرنے والوں کو مجرم ٹھہراتے ہیں اور ان کو پکڑتے ہیں اور جیلوں میں بھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ملک میں دو قانون نہیں چل سکتے یہاں صرف جمہوریت چلے گی۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (سورۃ النساء: ۶۵)

"تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اُس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اُس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔"

شریعت کا مطالبہ کرنے والے علما، مجاہدین و عوام کے قتل کو حلال سمجھنا

پاکستان سمیت تمام مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمران اوران کے کارندے شریعت کا مطالبہ کرنے والے علما، مجاہدین و عوام کے قتل کو حلال سمجھتے ہیں اور ان کی خواتین کی بے عزتی کرنے کو بھی حلال سمجھتے ہیں جبکہ مسلمانوں کو قتل کرنا حرام ہے اور دین کی وجہ سے قتل کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمان ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۝ (سورۃ النساء: ۹۳)

"اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اُس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

یہ حکمران اور ان کے کارندے امریکہ سے دوستی کی خاطر مسلمانوں کا قتل حلال سمجھتے ہیں اور ان پر بمباریاں کرتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کا قتل حرام ہے تو جو حرام کو حلال سمجھے اور دین کی وجہ سے قتل کرے وہ بالاتفاق کافر ہو جاتا ہے۔

طائفه ممتنعه:

پاکستان سمیت تمام مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمران اوران کے کارندے یہ سب "طائفه ممتنعه" ہیں۔ طائفہ ممتنعہ اس گروہ کو کہتے ہیں جو نہ خود شریعت پر عمل کرتا ہے اور نہ ہی کسی کو شریعت کے نفاذ کے لیے اجازت دیتا ہے اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد پر بھی عمل ہو جائے۔ امام ابن العربی المالکیؒ نے اس سلسلے میں اجماع نقل کیا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ لڑنے پر امت کا اتفاق ہے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "وكل طائفة ممتنعه عن شريعة من شرائع الاسلام الظاهره المعلومه يجب قتالها ولو شهدوا..." یعنی "ہر وہ گروہ جو اسلام کے کھلم کھلا ظاہری احکام میں سے کسی حکم سے انکار کرے تو اس سے قتال واجب ہے اگرچہ وہ کلمۂ شہادت کی گواہی ہی کیوں نہ دے اور فرائض کا پابند ہی کیوں نہ ہو مثلاً وہ نماز پڑھے یا وہ روزہ رکھے"۔ (مختصر الفتاویٰ المصریہ ۱/۱۶۸)

ارتداد کے سلسلے میں قرآن وحدیث اور سلفِ صالحین کے اقوال پر مبنی تشریحات سے چند تشریحات کا ذکر کیا گیا ہے جن سے معلوم ہوا کہ پاکستان سمیت تمام مسلم خطوں کے نام نہاد مسلم حکمران اوران کے کارندے فوج اور ایجنسیاں یہ سب طائفہ ممتنعہ ہیں جو اپنی پوری طاقت و قوت کے ساتھ "ظاہرہ متواترہ شرائع اسلام" پر نہ خود عمل کرتے ہیں اور نہ کسی کو اس پر عمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں بلکہ یہ گروہ مسلمانوں کو کفری قانون پر مجبور کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کے غیر اسلامی قانون کے سامنے چیلنج بن کر کھڑا ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ حکومت کی رِٹ کو چیلنج کرتا ہے تو پھر اسے قید و بند یا موت کی سزا دی جاتی ہے۔

ہمارے سامنے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اسوہ موجود ہے جو انہوں نے مانعینِ زکوٰۃ کو مرتدین میں شمار کیا اور ان کے خلاف جہاد کیا حالانکہ وہ لوگ صرف ایک زکوٰۃ کے مسئلہ پر مانع تھے اور تمام احکام کے پابند تھے اس کے باوجود صدیق اکبرؓ نے ان کو مرتد شمار کیا۔ موجودہ دور کا یہ حکمران طبقہ اور ان کے کارندے فوج، پولیس اور دوسرے اہل کار سرے سے اسلام کے احکام ہی کو نہیں مانتے تو کیا ان کے خلاف لڑنے کو "مسلمان کی مسلمان سے لڑائی" کہا جا سکتا ہے؟ یہ تو وہ مرتدین کا گروہ ہے جو مسلمانوں کے لیے سخت اور کافروں کے لیے نرم جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفت اس کے برعکس بیان فرمائی:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ......
(سورۃ الفتح:۲۹)

''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں نرم ہیں۔''

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝(سورۃ المائدۃ:۵۴)

''اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن کو وہ (اللہ تعالیٰ) دوست رکھے اور اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ دوست رکھیں گے اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں گے اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے۔''

اس دور کی مناسبت سے مسلمانوں کے لیے یہ آیت واضح پیغام رکھتی ہے کہ آج جب مسلمانوں میں سے ایک گروہ ارتداد کا شکار ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا ایک محبوب گروہ ان کے خلاف معرضِ وجود میں لایا ہے جن کی وہی صفت ہے جو صحابہؓ کرامؓ کی تھی ''مومنوں کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں سخت'' تو میرے عزیز بھائی! اس گروہ کے بارے میں کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ ان کی لڑائی ''مسلمان مسلمان کی لڑائی'' ہے۔ یہ خط بہت زیادہ طوالت کا متحمل نہیں اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ دجالی ماحول میں دین کا صحیح فہم از حد مشکل ہے۔ اس لیے ہم آپ لوگوں سے استدعا کرتے ہیں کہ ایک بار چند دن کے لیے ہی صحیح آیئے، غالب گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ برسوں کا فہم لمحوں میں عطا کر دے گا، ان شاء اللہ، صرف نکلنے کی دیر ہے! یہ تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔

اب ہم خصوصی طور پر پاکستان کی افواج کے چند کرتوتوں کا ذکر کیے دیتے ہیں جن سے ان کا ارتداد روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ فقہائے کرام نے لکھا ہے: ''جس نے مسجد کی بے حرمتی کی وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ مسجد اللہ کا گھر ہے''۔ حالیہ دنوں میں پاکستان کی افواج نے امریکہ کی دوستی کی خاطر قبائلی علاقوں میں سینکڑوں مساجد کی بے حرمتی کی اور انہیں شہید کیا۔ اسلام آباد کی لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے لے کر پورے قبائل ان کی سیاہ کاریوں سے بھرے پڑے ہیں۔ انہوں نے مہمند ایجنسی کی 'قندھارو' کی مسجد، اسی علاقے کے دو مدرسے اور ان میں موجود قرآن پاک کے نسخے شہید کیے۔ تحصیل صافی کے آزاد خیل گاؤں کی مسجد کو اس فوج نے مائن اور بارود لگا کر بلاسٹ کیا۔ 'قندھارو' کے علاقہ ہی میں اکرم بیگ کی جامع مسجد کو فوج نے ٹینک سے ہٹ کر کے گرایا۔ مہمند ایجنسی ہی کی کئی مساجد و مدارس پر جیٹ طیاروں سے بمباری کی اور انہیں تباہ کیا۔ اسی طرح تحصیل یکہ غنڈ میں کئی مدارس اور مسجدوں کو ٹینکوں کے ذریعے ملیامیٹ کیا۔ اسی طرح باجوڑ، شمالی وزیرستان، اورکزئی، کرم ایجنسی اور خیبر ایجنسی میں مساجد و مدارس شہید کیے گئے۔ سوات میں فوج نے امریکہ، اسرائیل اور ہندوستان سے بڑھ کر جبر واستبداد کی تاریخ رقم کی اور تحصیل چہار باغ میں متعدد مساجد و مدارس کو اڑادیا۔ ان فوجیوں نے خوازہ خیلہ کے ایک مدرسہ کو فوجی چھاؤنی بنادیا اور چہار باغ کے ایک مدرسہ کو جلادیا۔ اسی طرح انہوں نے ہزاروں لوگوں کو بے گھر کیا، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو سرعام قتل کیا اور پاک دامن عورتوں کی عصمت دری کی۔ اسی طرح ہنگو کی مرکزی جامع مسجد، اورکزئی، خیبر، باجوڑ کی مساجد و مدارس کو نشانہ بنانے سمیت ان کی چالیس سے زائد مساجد شہید کیں۔ اسی طرح جنوبی وزیرستان میں سام، لالاٹئے، سپنکئی رغزئی، اور دیگر علاقوں میں مساجد و مدارس پر بمباری کی اور محسود قبائلیوں پر جہازوں اور توپوں سے گولے برسا کر انہیں نکلنے پر مجبور کیا۔ اس کے علاوہ شریعت چاہنے والے اور اس پر عمل کرنے والے سینکڑوں مجاہدین و علما کو گرفتار کر کے اپنی جیلوں میں بھرا۔

پاکستان کے حکمران اور ان کے کارندے فوج اور ایجنسیوں کا ارتداد تو واضح ہے کیونکہ یہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کے اتحادی ہیں ارشادِ ربّانی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (سورۃ المائدۃ:۵۱)

''اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو اپنا ساتھی اور دوست نہ بناؤ یہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں تم میں جو کوئی ان کو اپنا دوست بنائے گا، اپنا ساتھی بنائے گا، وہ انہی میں سے ہے۔''

امام قرطبیؒ اس فرمانِ باری تعالیٰ کے ضمن میں 'وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ' ''اور جو شخص تم میں سے انہیں دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہو گا'' لکھتے ہیں کہ ''جو شخص بھی مسلمانوں کے خلاف کافروں کی قوت و طاقت بڑھانے کے لیے کسی قسم کی مدد کرتا ہے تو[فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ] ''وہ بھی انہیں میں شمار ہو گا'' گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح طور پر فرمادی کہ اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو یہود و عیسائیوں کے ساتھ کیا جائے گا (یعنی قتال فی سبیل اللہ وغیرہ) وہ شخص کسی مسلمان کے مال میں وراثت کا حق دار نہ ہو گا اور اس کے مرنے کے بعد اس کا مال مسلمانوں میں تقسیم ہو گا اس لیے کہ وہ مرتد ہو چکا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے ''ھو مشرک مثلھم'' یعنی ''وہ انہیں کی طرح کا مشرک ہے''۔ امام جصاصؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ ''کافر مثلھم'' یعنی ''(وہ) اُنہی کی طرح کافر ہے''۔ امام مظہریؒ لکھتے ہیں کہ ''أي: کافر منافق'' یعنی ''وہ کافر اور منافق ہے''۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۝(سورۃ آلِ عمران:۲۸)

"مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہیں بناتا یا مومن مومنوں کے مقابلے میں کافروں کو اپنا دوست نہیں بناتا اور جو کوئی بھی ایسا کرے تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔"

امام ابنِ جریر طبریؒ اپنی تفسیر طبری میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں "فقد بريء من الله" کہ جس شخص نے مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کا ساتھ دیا وہ اللہ سے بری ہو گیا"۔ "وبرء الله منه" یعنی "اور اللہ اس سے بری ہو گیا"۔ "بارتداده عن دينه"، اس فعل کی وجہ سے دین سے مرتد ہو گیا"۔ "ودخوله في الكفر" یعنی "اور کفر میں داخل ہو گیا"۔ امام صاحب مزید لکھتے ہیں: "اس آیت کا معنیٰ و مفہوم یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اہلِ ایمان کو منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ کافروں کو اپنا حمایتی اور مددگار نہ بناؤ۔ وہ اس طرح کہ تم ان سے دین کی بنیاد پر دوستیاں کرنے لگ جاؤ، ایمان والوں کو چھوڑ کر (ایمان والوں ہی کے خلاف) کافروں کی مدد کرنے کے درپے ہو جاؤ اور کافروں کو مسلمانوں کے خفیہ معلومات فراہم کرنے لگو۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو کر مرتد ہو جائے گا"۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ(سورۃ آل عمران:۱۰۰)

"مومنو! اگر تم اہلِ کتاب کے کسی فریق کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝(سورۃ التوبۃ:۲۳)

"اے اہلِ ایمان! اگر تمہارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو اُن سے دوستی نہ رکھو اور جو اُن سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہیں۔"

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس آیت کا ظاہری معنیٰ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں تمام ایمان والوں کو مخاطب کیا گیا، اس آیت کا حکم قیامت تک کے لیے ہے اور حکم یہ ہے کہ اہلِ ایمان اور اہلِ کفر کے درمیان دوستی قطعاً جائز نہیں ہے"۔

اور ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے۔:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ۝(سورۃ آل عمران:۱۴۹)

"مومنو! اگر تم کافروں کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر (کر مرتد کر) دیں گے پھر تم بڑے خسارے میں پڑ جاؤ گے۔"

سورۃ النساء کی آیت ۷۶ میں اللہ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۝

"جو مومن ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔"

ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ۝(سورۃ محمد:۲۵،۲۶)

"بے شک راہِ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد جو اپنے دین سے پھر گئے" یا "لوٹ کر کفر کی طرف چلے گئے ہیں" (ارتداد کے مرتکب ہوئے ہیں)۔ شیطان نے (یہ کام) ان کو مزیّن کر دکھایا اور انہیں طول (عمر کا وعدہ) دیا۔ یہ اس لیے ہے کیونکہ انھوں نے کہا: "ان لوگوں سے جن کو اللہ کی نازل کردہ شریعت پسند نہیں تھی" "ہم عنقریب بعض باتوں میں تمہاری اطاعت کریں گے"، اللہ ان کے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے۔"

یہ ایک آیتِ مبارکہ ہے جس میں ابھی عملاً اطاعت نہیں کی صرف یہ کہا: سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ۔ "ہم عنقریب بعض باتوں میں تمہاری اطاعت کریں گے" ان کے اس قول کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مرتد قرار دیا یعنی وہ دین سے خارج ہو کر مرتد ہو گئے۔ امام طبریؒ نے ان کے کفر کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: "وہ اپنے اس قول کی سبب سے کافر ہوئے سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ "ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کریں گے۔" ہمارے چھوٹے بھائی کو میری طرف سے بیٹے کی بہت بہت مبارک باد دینا اور اس سے کہنا کہ رزق تقویٰ کے ساتھ منسلک ہے اس لیے تمام قسم کی خرافات، ٹی وی، وی سی آر سے پرہیز کرے اور اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت عطا کرے گا۔ آخر میں عرض یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس کا بغور مطالعہ کیجیے کیونکہ ہدایت کا اصلی سرا پانا ہی سب سے بڑی نعمت ہے اور اسی کا انسان محتاج بھی ہے۔ حدیث میں سورۂ کہف ہر جمعے کو پڑھنے کی تاکید آئی ہے اور ہو نہ ہو کم از کم اسی کا خصوصی اہتمام کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر کے دکھائے گا۔

والسلام علیکم

آپ کا بھائی

اسلام اور جمہوریت: باہم متصادم ادیان

شہید اسلام، شیخ ابو مصعب زرقاوی رحمہ اللہ

ثالثاً: نظامِ جمہوریت میں عوام ہی واحد منصف ہیں، جن کی طرف تمام معاملات اور قانون لوٹائے جاتے ہیں۔ اور جب حاکم اور محکوم کے درمیان کوئی اختلاف جنم لیتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں فریق معاملے کو عوام کی خواہش کے مطابق حل کرنے پر زور دیتے ہیں۔ یعنی پھر عوام ان کے باہمی اختلاف یا تنازعہ کا فیصلہ کرتے ہے۔ یہ امر تو اصول توحید کے خلاف اور اس سے جدا ہے۔ جس کی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے قضیہ میں منصف اور فیصلہ ساز اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللهِ (سورۃ الشوریٰ:۱۰)

"اور جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو، اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہے۔"

جب کہ جمہوریت کا موقف ہے کہ "جس جس چیز میں تمہارا اختلاف ہو اس کا فیصلہ عوام کی طرف ہے اور عوام کے سوا کسی کی طرف نہیں۔"۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (سورۃ النساء:۵۹)

"اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے میں سے اختیار والوں کی پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان ہے۔"

ابن قیمؒ نے اپنی کتاب اعلام الموقعین میں فرمایا:

"اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹنا دین کے واجبات اور لوازم میں سے ہے۔ اور جب یہ عمل معطل کر دیا جائے تو ایمان ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ ایک واجب کے ترک سے دیگر واجبات کے ترک کا دروازہ کھلتا ہے۔"

عوام سے فیصلہ چاہنا یا اللہ کے سوا کسی سے بھی، شریعت اس فعل کو 'تحکیم الی الطاغوت' کا نام دیتی ہے۔ جس کا انکار واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا (سورۃ النساء:۶۰)

"کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے، لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ شیطان کا انکار کریں۔"

پس اللہ نے ایسے لوگوں کے ایمان کو محض حقیقت سے خالی، جھوٹا دعویٰ قرار دیا۔ اور اس کی وجہ طاغوت اور اس کے وضع کردہ قوانین کے ذریعے فیصلہ چاہنا ہے۔ اللہ رب العزت کے قانون کے سوا کوئی بھی قانون یا ایسا کوئی حکم جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں وہ طاغوت کے معنیٰ میں داخل ہے۔ جس کا انکار واجب ہے۔

رابعاً: جمہوریت کی بنیاد آزادئ رائے پر قائم ہے۔ چاہے معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور شعائر دین پر طعن و تشنیع ہی کا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ جمہوریت میں تو ان چیزوں کو تقدس حاصل نہیں اور ان کے متعلق قبیح الفاظ کا استعمال قطعاً ممنوع نہیں۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

لَّا يُحِبُّ اللهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ (سورۃ النساء:۱۴۸)

"برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ أَبِاللهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ (سورۃ التوبۃ:۶۶،۶۵)

"کہہ دیجیے کہ اللہ اور اس کا رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے، اگر ہم تم میں سے کچھ لوگوں سے درگزر بھی کر لیں تو کچھ لوگوں کو ان کے جرم کی سنگین سزا بھی دیں گے۔"

خامساً: جمہوریت کی بنیاد دین کی ریاست، سیاست اور نظام زندگی سے علیحدگی پر قائم ہے۔ معبود کا حق تو صرف اتنا رکھا گیا کہ مندروں اور گرجوں میں اس کی عبادت کر لی جائے اس کے علاوہ زندگی کے سیاسی، اقتصادی اور عوام سے متعلقہ دیگر اجتماعی امور کے بارے میں ان کا موقف ہے:

قَالُوا هَٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (سورۃ الانعام:۱۳۶)

"اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے، اور پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے کیا برا فیصلہ وہ کرتے ہیں۔"

ان لوگوں کا یہ قول تو کلیتاً باطل اور مبنی بر فساد ہے۔ اور ایسی بات کرنے والوں کا کفر بھی واضح ہے۔ کیونکہ یہ تو ضروریات دین کا انکار کرنے والے ہیں۔ ایسے لوگ تو اس نص شرعی کے واضح منکر ہیں کہ دین ریاست، سیاست اور قانون سب پر محیط ہے اور اسے مخصوص پہلوؤں اور عبادت گاہ کی دیواروں میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسا کرنا تو بلاشبہ اللہ عزوجل کے دین سے صریح کفر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ○(سورۃ البقرۃ:۸۵)

"کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے، اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذاب کی مار۔"

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ○ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا (سورۃ النساء:۱۵۱،۱۵۰)

"اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اُس کے بین بین کوئی راہ نکالیں۔ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں۔ اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔"

سادساً: جمہوریت عقیدہ و نظریہ سے صرف نظر کرتے ہوئے تنظیموں اور جماعتوں کی آزادانہ تشکیل کی اجازت دیتی ہے۔ چاہے ان کا کردار و اخلاق کتنا ہی ابتر کیوں نہ ہو۔ یہ امر تو شرعِ متین سے صریحاً متصادم ہے کیونکہ ان جماعتوں کی حیثیت کو کفریہ عقائد کے باوجود قبول کیا جاتا ہے، اور انہیں اپنے نظریات کی دعوت اور ترویج کی مکمل آزادی جیسے حقوق سے نوازا جاتا ہے۔ جس سے وہ اللہ کی زمین اور اس کے بندوں میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (سورۃ الانفال:۳۹)

"اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ ہی کا ہو جائے۔"

ابن تیمیہؒ نے فرمایا:

"علما کا اس پر اجماع ہے جو گروہ بھی شریعت کے ظاہر اور متواتر احکام میں سے کسی حکم کو ترک کر دے تو اس کے خلاف جہاد واجب ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دین سارے کا سارا اللہ کا ہو جائے۔"

مزید یہ کہ ایسی جماعتوں کو تسلیم کرنے سے تو کفر پر رضا ثابت ہوتی ہے۔ چاہے واضح طور پر زبان سے اس کا اقرار نہ بھی کیا جائے۔ جب کہ کفر پر راضی ہونا تو کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا (سورۃ النساء:۱۴۰)

"اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت ان جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔"

ان کفریہ جماعتوں کی حیثیت تسلیم کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ انہیں ہر طرح سے اجازت دی جا رہی ہے کہ وہ اپنے کفر و باطل کا پرچار کریں، چاہے وہ تمام معاشرے کو فتنہ و فساد اور خواہش نفس کی پیروی میں ہی غرق کیوں نہ کر دیں۔ اس صورت میں تو ہم زمین و مخلوق کو فتنہ میں مبتلا کرنے میں ان کے معاون ٹھہرتے ہیں۔

سابعاً: جمہوریت کی بنیاد اکثریتِ رائے کی تصویب پر قائم ہے چاہے یہ اکثریت باطل، ضلال اور کفر بواح ہی پر مجتمع کیوں نہ ہو جائے۔ جمہوریت کی نگاہ میں "حق" وہ ہے جسے اکثریت حق قرار دے اور اس کے بعد فرار قطعی ممکن نہیں، یہ نظریہ باطل ہے۔ کیونکہ اسلام میں تو حق وہ ہے جسے قرآن و سنت نے حق کہا قطع نظر اس سے کہ اکثریت نے اسے قبول کیا یا نہیں۔ اور باطل وہ ہے جو قرآن و سنت کے مخالف ہے۔ چاہے اس پر تمام اہل زمین ہی جمع کیوں نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ (سورۃ یوسف:۱۰۶)

"ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھنے کے باوجود مشرک ہی ہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ○(سورۃ الانعام:۱۱۶)

"اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔"

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ زمین پر اکثریت کی پیروی تو اللہ کے راستے سے گمراہی کا باعث ہے۔ کیونکہ اکثریت تو ضلال پر قائم ہے اور اللہ پر ایمان نہیں رکھتی مگر یہ کہ اللہ کے ساتھ دیگر شریک بھی ٹھہرائے بیٹھی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے عمرو بن میمون سے کہا:

''جماعت کی اکثریت تو ایسی ہے جنہوں نے جماعت کو چھوڑ دیا اور جماعت تو وہ ہے جو حق پر قائم ہے چاہے وہ ایک فرد ہی کیوں نہ ہو۔''

حسن بصریؒ نے فرمایا:

''اہل سنت ماضی میں قلیل تھے اور آج بھی اقلیت میں ہیں حق نہ تو مال داروں کی دولت کے ساتھ ہے اور نہ ہی بدعتیوں کی بدعات نے حق والوں کو بگاڑا، وہ تو سنت پر ثابت قدم رہے یہاں تک کہ اسی حال میں اپنے رب سے جا ملے۔''

حیرانگی تو اس بات پر ہے کہ امت مسلمہ پر جمہوریت کے تباہ کن اثرات کا منظر خود مشاہدہ کرنے کہ باوجود اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اختلاف، تفرقہ وجدال کا خمیازہ بھگتنے کے بعد بھی ہم یہی راگ الاپ رہے ہیں۔

مجموعہ در مجموعہ تقسیم ایک پارٹی کی ٹوٹ پھوٹ سے نئی پارٹیوں کا وجود میں آنا اور ایک تحریک سے کئی تحریکوں کا پھوٹنا اور ان کا باہمی نزاع ہم خود دیکھ چکے ہیں۔ اس تمام تر نقصان کے باوجود ہم جمہوریت کو متبرک سمجھتے ہوئے اس کا دفاع کرتے پھرتے ہیں۔ جیسا کہ یہ نظام چلانے والے ہی ہمارے خالق اور رب ہیں۔ ہم اپنے دلوں میں جمہوریت کی محبت ایسے ہی بسائے بیٹھے ہیں جیسے بنی اسرائیل کے دلوں میں بچھڑے کی محبت، لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہ ملا۔ قرآن مجید نے ان کی سرزنش کی اور ان کی عقل و بصیرت ان کے کسی کام نہ آئی۔ ایسی صورت حال ہم ان لوگوں کی دیکھتے ہیں جو آج نفاذ جمہوریت کے نعرے لگاتے پھرتے ہیں، ان میں بعض تو جمہوریت کے ذریعے حصول استحکام و قیادت جیسی مصلحتوں کا شکار ہیں اور جمہوریت کو شریعت اور دینی مقاصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اس سے انہیں ذرا بھی سروکار نہیں کہ شریعت مطہرہ ان امور کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہے۔ یہ لوگ 'مصلحت' اور حصول مقصد کے نام پر عقیدہ و منہج جیسی چیزوں پر سودا بازی کیے بیٹھے ہیں۔ امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے:

''ولید بن مغیرہ، العاص بن وائل، اسود بن المطلب اور امیہ بن خلف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے انہوں نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئیں یہ معاہدہ کر لیں کہ جس کی تم عبادت کرتے ہو، اس کی ہم بھی عبادت کریں۔ اور تم بھی ان کی عبادت کرو جن کی ہم عبادت کرتے ہیں اور ہم اپنے تمام امور میں تمہیں ساجھی بناتے ہیں۔ اگر تمہاری لائی ہوئی چیز بہتر ہے تو ہم تمہارے ساتھ ہو جائیں گے اور اپنا حصہ پالیں گے اور اگر جو کچھ ہمارے پاس ہے یہ تم سے اچھا ہوا تو پھر آپ بھی ہمارے شریک ہوں گے اور اپنا حصہ پائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی 'قل یا ایھا الکفرون'۔''

اس واقعہ میں واضح ہے کہ اہل قریش نے چاہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مداہنت اختیار کریں تو وہ بھی کچھ سمجھوتہ کر لیں گے تاکہ ایک رائے پر جمع ہوا جا سکے۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات مان لیتے اور اہل قریش کو اولاً اللہ کی عبادت پر راضی کر لیتے تو اسلام کو جان لینے کے بعد وہ کبھی بھی اپنے آبائی دین کی طرف نہ لوٹتے۔ اور اس طرح سے ایک بڑا مقصد حاصل ہو جاتا اور اسلام فتح یاب ہو جاتا۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا 'میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرو گے جس کی میں عبادت کرتا ہوں'۔ یہاں تک کہ آخر میں واضح کر دیا گیا 'تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین'۔ پس معاملہ تو دراصل اصول کا ہے جس میں تبدیلی اور بال برابر سمجھوتہ بھی ناقابل قبول ہے۔ یہ مسئلہ عقیدے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور فی نفسہ ایک عقیدہ ہے۔ اس واقعہ پر غور سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کس طرح ضرورت کے معاملات میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اور کفار کی چالوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے کیسا واضح منہج فراہم کرتا ہے۔

اے امت مسلمہ! اگر تم ان کے ساتھ امن کا اعلان کر بھی دو تو یہ لوگ ہر گز اپنی جنگ بند نہ کریں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر کر اپنی طاعت و بندگی اور غلیظ جمہوری نظام میں داخل کر لیں۔ بالخصوص ایسے وقت میں جب ان کا پلڑا بھاری ہے، اگر آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ دین پر قائم رہتے ہوئے انہیں خوش کر پائیں گے تو آپ صریح غلطی پر ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ ابتداسے قرآن پڑھیے اور قریب و دور کی تاریخ پر نگاہ ڈالیے تاکہ آپ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عداوت و نفاق کے ان کے واقعات کو دیکھ سکیں جو ماضی سے تاحال جاری ہیں۔

پس ابطال امت! اپنے عقیدہ کو جمہوریت و رافضیت کے باطل نظریات سے محفوظ رکھنے کے لیے کھڑے ہو جایئے اور اسلاف کی اتباع کرتے ہوئے اپنے خون سے امت کے دین و عقیدہ اور عزت و جان کا دفاع کیجیے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کا راستہ اختیار کریں اور اپنے ہتھیار برابر اٹھائے رکھیں یہاں تک کہ دین صرف اللہ کا ہو جائے۔ یہی وہ واضح منہج ہے جس کی طرف راہنمائی اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں کی ہے ''اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین تمام کا تمام اللہ ہی کا ہو جائے''۔

الحمد للہ ر آپ کے مجاہد بھائی اسی مقصد کی خاطر اپنی جانیں پیش کر رہے ہیں۔ آپ پر لازم ہے کہ جان و مال سے ان کی نصرت کریں۔ اسلام و جمہوریت میں اتنے صریح اختلافات کو جان لینے کے بعد اسے گلے سے لگانا تو کسی طور مناسب نہیں۔

اے اللہ اپنے دین و مجاہدین کی نصرت فرما، دین اسلام اور مجاہدین کو عزت عطا فرما اور انہیں غالب فرما، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

☆☆☆☆☆

امریکہ: خواب سے ڈراؤنے خواب تک اور اہلِ برِّصغیر کے لیے مواقع

From American ‘Dream’ to American ‘Nightmare’ and Opportunities for the People of the Subcontinent

ابو نور الہندی

برادرِ محترم ’ابو نور الہندی‘ کا تعلق شہید سراج الدولہ، سید تیتو میر اور حاجی شریعت اللہ (رحمۃ اللہ علیہم) کی سرزمین سے ہے جس کے بیشتر حصے کو آج بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے۔ (ادارہ)

سوویت یونین کے خاتمے کے پیچھے دو اہم وجوہات ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں چرنوبل نیوکلیئر پاور پلانٹ کا دھماکہ، اور ۱۹۸۹ء میں خراسان میں سرخ فوج کی شکست۔ کسی بھی بڑی ریاست یا طاقت کا خاتمہ ایک پیچیدہ عمل ہے۔ بہت سے باہم مربوط عوامل و اسباب یہاں ایک کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جن کے وقوع پذیر ہونے سے گرنے کا عمل شروع ہوتا ہے، یا وہ اسے کسی ایسے مرحلے میں لے جاتے ہیں جہاں سے واپسی کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ چرنوبل اور خراسان میں شکست ایسے ہی دو واقعات تھے۔ ان واقعات کا اثر وسیع اور کثیر الجہت تھا۔ دونوں ہی معاملات میں سوویت یونین بہت بڑی رقم خرچ کرنے پر مجبور ہوا، جس نے اس کی معیشت کو شکستہ حالی سے تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا۔ ساتھ ساتھ ان دو واقعات نے سوویت یونین کی ناقابل شکست اور طاقتور تصویر کو چکنا چور کر دیا۔

چرنوبل دھماکے سے پتہ چلتا ہے کہ سوویت ریاست یعنی کمیونسٹ حکومت بیکار ہے۔ ان کا انتظامی نظام ناکام اور نااہل ہے۔ یہ نظریہ اور نظام ناکام ہو چکا ہے۔ دوسری طرف خراسان میں بے سروسامان مجاہدین کے چھوٹے سی مسلح لشکر کے ذریعہ سرخ فوج کی شکست نے سوویت اقتدار کے بارے میں عوامِ عالم کے دل و دماغ سے خوف کو ختم کر دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ سوویت فوجی طاقت ناقابل تسخیر نہیں ہے۔

اسی کے ساتھ ہی ایک اور اہم چیز بھی ظہور میں آئی ہے۔ اس فتح کے ذریعے دنیا کے مسلمانوں تک یہ پیغام پہنچا کہ اگر ہم اللہ پر یقین رکھتے ہوئے اللہ کے دین کے لیے لڑیں تو ’سپر پاور‘ کو بھی شکست دینا ممکن ہے۔ یہاں تک کہ بہت کم وسائل کے باوجود، بہت ہی چھوٹی جماعت بڑی طاقتور جماعت کو شکست دے سکتی ہیں۔ اس فتح نے پوری دنیا میں تحریک جہاد کو بیدار کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

سوویت یونین اَسّی کی دہائی کے آخر سے ۱۹۹۱ء تک جس بربادی اور تباہی کے دور سے گزرا تھا امریکہ اب اسی بربادی اور تباہی کے دور سے گزر رہا ہے۔ صرف امریکہ ہی نہیں، دوسری جنگ عظیم کے بعد کا پورا عالمی نظام آج تباہی کے دہانے پر ہے۔ ہبل کی مورتی سڑ گئی ہے اور ہبل کے پرستار ہکّا بکّا دیکھ رہے ہیں۔

امریکہ کے زوال کے تین آثار

چند ماہ کی مدت کے دوران، تین تاریخی واقعات نے پوری دنیا کے عوام کے سامنے امریکی سلطنت کی گرتی ہوئی عمارت کی حقیقت کو واضح کر دیا۔ مجھے لگتا ہے کہ سوویت یونین کے خاتمے میں چرنوبل دھماکے اور خراسان میں مجاہدین کی فتح نے جس طرح کا اثر رکھا ہے، یہ تینوں واقعات امریکہ کے خاتمے میں اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ اثر انداز ہوں گے۔

الف) خراسان میں امریکہ کی فوجی شکست

تین واقعات میں سے پہلا واقعہ خراسان میں مجاہدین کے ذریعہ امریکہ کی شکست تھی۔ جس طرح سوویت یونین تقریباً تین دہائی قبل خراسان سے نکلا تھا، اسی طرح آج امریکہ بھی اپنے آپ کو سمیٹ لینے پر مجبور ہوا ہے۔ سپر پاور امریکہ جو انیس سال پہلے غرور و تکبر کے ساتھ خراسان پہنچا تھا، اب مجاہدین کے ہاتھوں شکست کھا جانے کے بعد وہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امارت اسلامیہ کے ساتھ مذاکرات کی میز پر آنے پر مجبور ہوا۔ اگرچہ امریکہ اس کو ایک معاہدہ قرار دے رہا ہے، لیکن حقیقت میں یہ خراسان میں امریکہ کی ناکامی کو ایک ”قابل احترام شکست“ کے طور پر پیش کرنے کی کوشش ہے۔ امریکہ اپنے اہداف کو حاصل نہیں کر سکا۔ بلکہ مجاہدین...... جن کو وہ کبھی دہشت گرد اور کبھی انتہا پسند کہتا تھا انھی کے ساتھ وہ سمجھوتہ کرنے پر آج مجبور ہو گیا ہے۔

اس شکست نے دنیا کے لوگوں کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ امریکہ اپنے آپ کو ناقابل تسخیر ثابت کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے، حقیقت میں یہ مجاہدین کے ایمان اور استقامت کے سامنے ڈٹنے کے قابل نہیں ہے۔ اس شکست نے دنیا کے لوگوں کی نگاہوں کے سامنے یہ واضح کیا ہے کہ ہالی ووڈ کی فلمیں اور فیلڈ (میدان) کی حقیقت دونوں ایک جیسی نہیں ہیں۔ میڈیا کی تشہیر اور پراپیگنڈے کے ذریعہ امریکہ کی جو ناقابل شکست شکل اور جو بت دنیا کے عوام کے سامنے تشکیل دیا گیا تھا وہ آج ٹوٹ کر بکھر گیا ہے۔ اور پوری دنیا نے اسے قریب سے دیکھا ہے۔

ب) کورونا وائرس اور امریکی ریاست کی ناکامی

دوسرا واقعہ کووڈ-۱۹ سے نمٹنے میں امریکہ کی بے بسی ہے۔ کورونا وائرس نے پوری دنیا میں نظام زندگی کو درہم برہم کر دیا ہے، لیکن سب سے سخت دھچکا امریکہ کو لگا۔ امریکہ جو ایک سپر پاور سمجھا جاتا ہے، اس نے اِس تباہی سے نمٹنے میں انتہائی ناکامی کا مظاہرہ کیا۔ جس طرح چرنوبل پھٹنے سے سوویت یونین کے غیر حقیقی اقتدار اور کارکردگی کے بارے میں عوام الناس کے خیالات غلط ثابت ہوئے، اسی طرح کورونا سے نمٹنے میں امریکی ناکامی نے امریکی سرمایہ دارانہ نظام کی تاثیر، پیشہ ورانہ مہارت، اور بہتری کے بارے میں خیالات کو غلط ثابت کر دیا۔ کورونا

وائرس سے نمٹنے میں امریکہ کی ناکامی صرف انتظامی یا ریاستی ناکامی نہیں ہے، بلکہ پوری دنیا کے عوام اسے امریکی نظام (system) کی ناکامی کے طور پر دیکھتے ہیں۔ کورونا وائرس نے امریکی معیشت کو شکستہ اور توڑ پھوڑ کا شکار کر دیا ہے۔ اپریل سے جون تک امریکی معیشت تقریباً بتیس (۳۲) فیصد نیچے گئی۔ جبکہ یہ معیشت ۲۰۰۸ء کی عالمی کساد بازاری کے بدترین وقت میں آٹھ اعشاریہ چار (۸ء۴) فیصد نیچے گئی تھی۔ لاکھوں افراد اپنی ملازمت کھو بیٹھے ہیں۔ ہر ہفتے لاکھوں افراد بے روزگاری سے متعلق سوشل فنڈ کے لیے درخواست دے رہے ہیں۔ معاشی ماہرین کا کہنا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکی معیشت پر اتنا برا وقت نہیں گزرا۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ (سورۃ المدثر:۳۱)

”اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ باتیں بشر (انسان) کی نصیحت کے لیے ہیں۔“

آج پوری دنیا پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ان میں اللہ کی ایک چھوٹی سی مخلوق کا بھی سامنا کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ پوری دنیا میں مادہ پرست لوگ امریکہ کی طرف دیکھتے تھے اور امریکہ کی نقل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ آج ان میں سے بیشتر امریکہ کو کھلے عام نظر انداز کر رہے ہیں۔ جہاں امریکی سلطنت ناقابل تسخیر ہونے کے بارے میں فخر کرتی تھی، وہاں کورونا وائرس کی وجہ سے امریکی انتظامیہ اور معیشت کی اِس شکستگی اور بد حالی نے دنیا کے لوگوں کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ امریکی سلطنت کا سورج غروب ہو چکا ہے، آگے انتہائی خوفناک و خطرناک رات ان کی منتظر ہے۔

ج) فسادات اور معاشرتی تقطیب (Polarization)

تیسرا واقعہ نسل پرستی کے خلاف چلنے والی تحریک (بلیک لائیوز میٹر Black Lives Matter) اور امریکی معاشرے اور سیاست پر اس کا اثر۔ در حقیقت امریکی معاشرے میں نسل پرست کردار ایک تاریخی حقیقت ہے۔ لیکن موجودہ تحریک صرف نسل پرستی کے خلاف تحریک نہیں ہے بلکہ یہ امریکہ کی ذات، تاریخ اور شناخت کے بارے میں دو مخالف قطبوں کے مابین تنازع اور تصادم ہے۔

اس کی ایک جہت ANTIFA (Anti-Fascist) ہے، جو نسلی امتیاز کے خلاف تحریک کا سب سے زیادہ سرگرم حصہ ہے۔ یہ تحریک نظریاتی طور پر بائیں بازو (ملحدین) اور مابعد جدیدیت کے مختلف نظریات سے متاثر ہے۔ ان میں سے بیشتر یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ متوسط اور اعلیٰ متوسط طبقے کے گورے اور سیاہ فام کارکن ہیں، جو ہم جنس پرستوں کے حقوق سے لے کر تمام شدت پسند سیکولر نظریات کی حمایت کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ لوگ سیکولر انتہا پسند ہیں۔ وہ نہ صرف جارج فلائیڈ کے قتل اور پولیسی جارحیت کے خلاف انصاف (justice) چاہتے ہیں، بلکہ ان کا خیال ہے کہ پورا امریکی نظام، انتظامیہ، معاشرہ، ثقافت اور تاریخ سب کچھ اپنی ساخت کے لحاظ سے نسل پرست ہے۔ اس نسل پرستی کو دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر چیز کو ختم کیا جائے اور اسے دوبارہ تعمیر کیا جائے۔

دوسری طرف نسل پرست، مسلح، سفید بالادستی پر یقین رکھنے والے بشارتی انجیلی (evangelical) عیسائی ہیں۔ وہ بنیادی طور پر محنت کش طبقے (working class) کے متوسط اور نچلے متوسط طبقے کے سفید فام امریکی ہیں جو اوباما انتظامیہ کے دوران ناراض ہو کر نچلی سطح پر منظم ہوئے تھے۔ ٹرمپ کے منتخب ہونے میں ان کا بڑا کردار تھا۔ ٹرمپ انتظامیہ کے تحت وہ آہستہ آہستہ زیادہ لاپرواہ ہو گئے ہیں۔ نیز ان کے مختلف افکار نے مرکزی دھارے کی سیاست، معاشرے اور ثقافت کو متاثر کیا ہے۔ اس طبقے کا خیال ہے کہ آج امریکی عیسائی ایک وجودی بُحران اور کشمکش کا شکار ہیں۔

امریکہ میں موجودہ فسادات کی سب سے بڑی وجہ ان دونوں گروہوں کے مابین تنازع ہے۔ یہ صرف ٹرمپ یا جارج فلائیڈ و پولیس کی بربریت کے خلاف نہیں بلکہ یہ لڑائی امریکی معاشرے اور سیاست میں ایک گہرے شگاف کا اشارہ ہے۔ یہ شگاف ایک عرصے سے گہرا ہو رہا تھا، پھر کووڈ-۱۹، جارج فلائیڈ کی موت، معاشی بد حالی، معاشرتی بدامنی اور ۲۰۲۰ء کے انتخابات...... ان سب کی وجہ سے یہ بالکل منظر عام پر آ چکا ہے۔ ان دونوں قطبوں کے مابین کوئی سمجھوتہ ممکن نہیں ہے۔ تنازع ناگزیر ہے۔ آہستہ آہستہ پولرائزیشن دونوں طرف سے ہو رہی ہے۔ تنازع متشدد ہوتا جا رہا ہے۔ دونوں طرف سے ہلاکتیں ہو رہی ہیں۔ جیسے جیسے وقت آگے بڑھتا جائے گا، یہ تنازع اور تیز ہوتا جائے گا۔

عوامی زندگی بری طرح درہم برہم ہونے کے باوجود حکومت اور انتظامیہ انتشار کو روکنے میں ناکام رہی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت اس بات پر متفق نہیں ہو سکی ہے کہ فسادات سے کس طرح نمٹا جائے۔ مرکز اور ریاست ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہیں۔ امریکہ کے سیاسی اتحاد کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ فسادات، لوٹ مار، آتش زنی اور پولیس کی بربریت جیسے معاملات سے نمٹنے میں بھی ایک بڑی قومی پالیسی تو درکنار، بلکہ سیاسی جماعتیں اور انتظامیہ کا ایک حصہ دوسرے حصے سے بھی متفق نہیں ہو پا رہا۔

آج دنیا کے لوگ دیکھ رہے ہیں کہ باقی دنیا کو تہذیب کی تعلیم، سخاوت اور امن کی داستانیں سنانے، حقوق اور مساوات کی باتیں کرنے والے امریکہ کی کیا حالت ہے۔ امریکین ڈریم

آج دنیا کے لوگ دیکھ رہے ہیں کہ باقی دنیا کو تہذیب کی تعلیم، سخاوت اور امن کی داستانیں سنانے، حقوق اور مساوات کی باتیں کرنے والے امریکہ کی کیا حالت ہے۔ امریکین ڈریم (American Dream) یعنی امریکی خواب اب ایک ڈراؤنے خواب میں بدل گیا ہے۔ جس کو آج پوری دنیا کے لوگ دیکھ رہے ہیں۔

(American Dream) یعنی امریکی خواب اب ایک ڈراؤنے خواب میں بدل گیا ہے۔ جس کو آج پوری دنیا کے لوگ دیکھ رہے ہیں۔[1]

میں نے اس تحریر کے آغاز میں کہا تھا کہ کسی بھی بڑی ریاست یا طاقت کے زوال کے پیچھے بہت سی باہم مربوط وجوہات اور اسباب ہوتے ہیں۔ تو میں یہ دعویٰ نہیں کر رہا ہوں کہ امریکہ ان تین وجوہات کی بنا پر گرے گا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ واقعات امریکہ کے خاتمے کے عمل کو تیز کر دیں گے اور اسے اس مقام پر لے جائیں گے جہاں سے واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے۔

مجاہدین کی حکمت عملی کی کامیابی

صرف چھ ماہ کے دوران، امریکی ریاست کی فوجی، معاشی، انتظامی، معاشرتی اور سیاسی بے بسی اور دیوالیہ پن ان تینوں واقعات کے ذریعہ پوری دنیا کے سامنے آگیا ہے۔ بے شک یہ اللہ ہی کی چال ہے اور اللہ بہترین چال چلنے والا ہے، الحمد للہ رب العالمین!

یہ کوئی اتفاق نہیں ہے کہ واقعات کا یہ سلسلہ خراسان میں امریکہ کی مجاہدین کے سامنے شکست تسلیم کر لینے کے ساتھ ہی شروع ہوا ہے۔ بلکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ پر یہ واضح کر دیا ہے کہ اگر وہ اللہ پر بھروسہ کریں اور جہاد کے راستے پر ڈٹے رہیں تو اللہ اپنے بندوں کو مایوس نہیں کریں گے، بلکہ ان کو ناقابل تصور ذریعہ سے نصرت و کامیابی فراہم کریں گے۔ بندے کا کام ہے کہ وہ حتی الامکان کوشش کرے۔ جب اللہ راضی ہو جاتا ہے، تو وہ بندے کی کس طرح مدد کرتا ہے، کامیابی دیتا ہے تو یہ انسانی عقل اور گمان سے بالاتر ہے۔

شیخ اسامہ بن لادن رحمہ اللہ نے امریکہ کے خلاف جہاد کے تین اہم مقاصد بیان کیے تھے:

1. امریکہ کو دنیا کے مختلف حصوں میں جنگوں میں مصروف کر کے کمزور کر دینا اور امریکی فوجی طاقت کی (strategic overreach) ضرورت سے زیادہ پھیلا دینا، تاکہ امریکہ مسلم دنیا میں فوجی جارحیت کی طاقت کھو بیٹھے۔
2. امریکی معیشت کو دیوالیہ کر دینا۔
3. امریکہ کے داخلی سیاسی اتحاد کو ختم کر دینا۔

الحمد للہ آج یہ سارے مقاصد حاصل ہو چکے ہیں۔ اور ہمارے پاس اس کے زندہ ثبوت موجود ہیں۔

آخری بات

صرف امریکی سلطنت ہی نہیں، میرا خیال ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد کا عالمی نظام اس مرحلے پر پہنچ گیا ہے کہ جس کو ابن خلدون، ٹوئن بی، کینیڈی، جان گلوب اور بہت سے دوسرے مسلم اور غیر مسلم مورخین نے لازمی زوال کا مرحلہ قرار دیا ہے۔ اس زوال کا سلسلہ لمبا ہو سکتا ہے، لیکن یہ یقینی طور پر شروع ہو چکا ہے۔ یہ اعتراف مغرب ہی میں بہت سارے محققین کے الفاظ میں سامنے آرہا ہے۔

ہم حال ہی میں امریکہ کے مستقبل میں ہونے والے خاتمے کے اثرات دیکھ رہے ہیں۔ دنیا بھر کے کافروں اور مشرکوں نے بھی دیکھا اور محسوس کیا ہے کہ امریکہ اب عالمی پیمانے پر فوجی مداخلت کرنے کا اہل نہیں ہے۔ امریکہ کا مطلق غلبہ اور اکیلا تسلط کم ہونے کے سبب وہ اب علاقائی تنازعات میں الجھنا نہیں چاہتا ہے، مزید برآں وہ مختلف خطوں میں اپنی فوجی موجودگی کو کم کر رہا ہے۔ دوسری طرف اس خلا کو پُر کرنے کے لیے مختلف علاقائی طاقتیں آگے آرہی ہیں اور وہ اپنی سرگرمیوں اور موجودگی میں اضافہ کر رہی ہیں۔ اسی تسلسل میں امریکہ نے برصغیر کا بہت زیادہ کنٹرول ہندوستان کے ہاتھ میں چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ اس خطے میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا ہے۔ امریکہ کی روانگی کے بعد اب اس خطے میں اسلام قائم ہونے کے راستے میں اصل دشمن ہندو ہیں۔ 'ہندوتوا' طاقت ہی اب مجاہدین کا اصل نشانہ بنے گی۔ اس دشمن کی توحید اور مسلمانوں کے خلاف ہزاروں سالوں کی خونیں تاریخ ہے۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خوش خبری کو مدنظر رکھتے ہوئے برصغیر کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس خطے میں مسلمانوں کے تاریخی دشمن، گائے کی پوجا کرنے والے ہندوؤں کی طرف توجہ دیں اور اپنی تمام طاقت کو اس دشمن کے خلاف استعمال کریں۔ کئی محاذوں پر حملہ کر کے دشمن کو مشغول اور مصروف رکھیں۔ خاص طور پر عزت و قربانی کی سرزمین 'کشمیر' میں جہاد کو انتہائی اہمیت کے ساتھ آگے بڑھانا چاہیے۔ سو پوری امت مسلمہ کو کشمیر کے واقعات پر توجہ دینی چاہیے۔

مجھے یقین ہے، اللہ رب العالمین کے فضل سے ہم تاریخ کے ایک اہم موڑ پر پہنچ گئے ہیں۔ تین دہائیوں کی بے انتہا محنت، قربانی اور خونیں جدوجہد کے بعد عالمی جہاد اب ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہمیں تاریخ کا رخ بدلنے کا موقع ملا ہے۔ مضبوطی کے ساتھ توحید اور جہاد کے راستے پر قائم رہ کر، مجاہدین کے رہنماؤں کی ہدایات کے مطابق اگر ہم استقامت کے ساتھ آگے بڑھیں، تو اللہ کی مرضی سے کثیر المرکزی دنیا کے مختلف خطوں میں مجاہدین کے لیے ترقی و کامیابی اور تمکین حاصل کرنا ممکن ہو گا۔ خصوصاً برصغیر کے مسلمان اور مسلم نوجوانوں کے لیے یہ ایک سنہری موقع ہے۔ خراسان کی فتح کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ اللہ کی مرضی سے مجاہدین کسی بھی دشمن کو شکست دے سکتے ہیں۔ جہاں امریکہ کو شکست دی جاسکتی ہے وہیں ملعون ہندوؤں کو بھی شکست دی جاسکتی ہے۔ میدان تیار ہے، کھیل شروع ہو چکا ہے، اب میدان سے باہر تماشائیوں کی طرح بیٹھے رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

---

[1] امیریکن ڈریم/American Dream ایک باقاعدہ نظریہ ہے جس کی چند جزئیات میں جمہوریت، حقوق، آزادی، مواقع اور مساوات جیسے باطل نظریات شامل ہیں۔ اسی تصور یا نظریے کے تحت امریکہ کے لوگ اپنی زندگیاں تباہ کرتے رہے ہیں اور اسی تصور کے ساتھ ساری دنیا سے لوگ اپنی زندگیاں تباہ کرنے کے لیے امریکہ کا رخ کرتے رہے ہیں۔ تفصیل کے لیے مختلف دائرۃ المعارف/encyclopaedias دیکھے جاسکتے ہیں۔

ذہن میں گزرنے والے چند خیالات: نومبر و دسمبر ۲۰۲۰ء

اللہ کا نہایت فضل و احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا، بہترین امت یعنی امتِ محمد علیٰ صاحبہا الف صلاۃ و سلام کا جزو بنایا اور محض اپنی عنایت سے راہِ جہاد کا مسافر بنایا۔ اے اللہ ہم تجھ سے تیرے ہی قرآن میں سکھائی دعا مانگتے ہیں:

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْراً وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ!

بابری مسجد: کل، آج اور کل!

بابری مسجد کو میر باقی تاشقندی نے مسلمان شہنشاہ ظہیر الدین محمد بابرؒ کے حکم پر تعمیر کیا تھا۔ وہ شہنشاہانِ وقت جن کے در پر بادشاہ سلامی پیش کرتے تھے، وہ اس مسجد میں جبینیں خاک آلود کرتے تھے۔ بڑے بڑے ولیوں نے اس میں اللہ سے لو لگائی۔ علما و طلبا اس میں بستے تھے۔ اللہ کا قرآن اس میں تلاوت ہوتا، حدیث شریف کی محفلیں سجتیں۔ مجاہدین اس کی بیرونی دیواروں کے ساتھ اپنے گھوڑے ٹھہراتے، زرہیں سینے پر سجائے اور پگڑیاں اور آہنی خود پہنے، تلواریں سامنے رکھ کر اللہ کے سامنے قیام و سجود کرتے۔ صدیوں یہ سلسلہ جاری رہا۔

پھر وقتِ زوال آیا، مسلمان کمزور ہوگئے۔ گائے کے پجاری اور پیشاب خوروں، ناپاک ہندوؤں نے اس مسجد پر ہلہ بولا۔ یہ مسجد شہید کر دی گئی۔ قریباً تیس سال یہ کھنڈر رہی، ملبے کا ڈھیر بنی رہی۔ پھر خسیس مخلوقات اور اسفل اعضا کے پجاری ہندوؤں نے اس کی جگہ رام مندر تعمیر کر دیا۔ آج اس مسجد کی جگہ رام مندر کھڑا ہے۔

ایک ماضی تھا اور ایک حال ہے۔ مستقبل کا وعدہ لیکن مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ 'تمہارا ایک گروہ ہندوستان پر چڑھائی کرے گا اور وہاں کے حکمرانوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائے گا'۔ اسی وعدے میں رام مندر کی تباہی اور بابری مسجد کی دوبارہ تعمیر کا وعدہ بھی پنہاں ہے۔ جیسے کل عمرِ زمان امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہدؒ کے حکم پر بامیان میں بدھا کے بتوں کو اڑاتے ہوئے ولی کامل شیخ اسامہ بن لادن شہیدؒ نے یہ آیت تلاوت کی تھی، اسی طرح پھر اس آیت کی تلاوت کر کے رام وام سب کے بتوں کی چتا کو جلا کر گنگا میں بہایا جائے گا:

لَنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفاً○ (سورۃ طٰہٰ: ۹۷)

''اب ہم اسے جلا ڈالیں گے اور ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے۔''

رام مندر کی خاک اڑائی جائے گی اور مسجدِ بابری پہلے سے کہیں زیادہ شان سے تعمیر کی جائے گی۔ وقت کے اولیا و علما اور مجاہدینِ غزوۂ ہند اس کی خاک پر پھر جبینیں ٹیکیں گے۔ وقت کے خلیفۃ المسلمین امیر المومنین کا خطبہ اس کے منبر و محراب سے گونجے گا۔

ظاہر میں آج رام مندر مسجد کی بابرکت زمین پر کھڑا ہے، لیکن مسجدِ بابری کی تعمیرِ نو کہیں قندھار و غزنی، اسلام آباد و لاہور اور سری نگر و مظفر آباد میں شروع ہو چکی ہے۔ اہلِ ایمان خوشیاں منائیں کہ مستقبل حال کی تلخیاں بھلوا دے گا اور ماضی سے زیادہ حسین و تابناک ہو گا۔ اللہ ہمیں بھی اس مسجد کی تعمیر میں اینٹیں ڈھو کر لانے والوں میں شامل کر لے، إِنَّهُ علی کل شيئ قدیر!

فرانس تا برِّ صغیر: صلیب و ہلال کی جنگ اور اہلِ اسلام کے لیے لمحۂ فکریہ

صلیبی فرانس اسلام کے خلاف پچھلے ایک ہزار برس سے زیادہ سے فکری و عسکری جنگ کا ایک اہم جزو ہے۔ پچھلے چند ماہ میں فرانس میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات صلیب و ہلال کی جنگ کی کھلی صورت ہیں۔

- چارلی ہیبڈو (شارلی ایبڈو) اس صلیبی جنگ میں فرانس کا فکری و اعلامی ترجمان ہے۔ کلاب و خنازیر سے اسفل مخلوق کی 'زیرِ ادارت' چلنے والا یہ میگزین ایک زمانے سے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخیوں کے پلید سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس خسیس مخلوق کو دو عاشقانِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیرس میں ان کے دفتر میں داخل ہو کر اپنی کلاشنکوفوں سے جہنم واصل کیا، تب ان گستاخوں کی زبانوں کو کچھ لگام ڈلی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یہ رذیل مخلوق پھر سر اٹھانے لگی اور ان کے سر اٹھانے کی واضح وجہ ان کو حاصل صلیبی فرانس کی سرکاری سرپرستی تھی جو آج کھل کر ظاہر ہو چکی ہے۔
- قریباً تین ماہ قبل چارلی ہیبڈو کے سابقہ دفتر کے قریب کسی عاشقِ رسالت نے دو صلیبیوں کو گھائل کیا۔
- پھر دو ماہ قبل ایک نوجوان نے گستاخ استاد کا گستاخیٔ رسول کے جرم میں سر قلم کیا اور اس کے بعد فرانسیسی صدر نے آزادیٔ اظہارِ رائے کے نام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکوں کو ترویج دینے کا اعلان کیا۔ اس گستاخِ رسول کے قتل کو فرانسیسی اقدار پر 'اسلام کا حملہ' قرار دیا گیا، جس پر ساری دنیا، خصوصاً مسلم دنیا میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور اس ہنگامے کے دو جزو ہیں جن پر اگلی سطور میں بات موجود ہے۔

- قریباً ایک ماہ قبل فرانسیسی صدر نے، بلکہ پوری فرانسیسی پارلیمان نے یہ قانون منظور کیا کہ مسلمانوں کے بچوں کو شناختی نمبر دیے جائیں گے (یہ قانون گو کہ تمام بچوں کے لیے ہے لیکن اس کا مقصود مسلمانوں ہی کی سر کوبی ہے) جن سے جانا جا سکے کہ یہ بچے سکول جا رہے ہیں یا نہیں؛ وہ سکول جہاں فرانسیسی صدر کے مطابق 'آزادیٔ اظہار اور فرانسیسی اقدار کی تعلیم' دی جاتی ہے۔

اس صورتِ حال میں چند نقاط پیش ہیں:

- یہ ایک کھلی صلیبی جنگ ہے۔ اہلِ صلیب فرانس سے پولینڈ تک اور امریکہ سے نیوزی لینڈ تک اس سے خوب واقف ہیں اور اپنی اولادوں اور معاشرے کو اس کے لیے خوب تیار کر رہے ہیں۔ اہلِ اسلام کے لیے مقامِ فکر ہے کہ وہ اس جنگ کو صلیبی جنگ سمجھیں!
- چارلی ہیبڈو کے دفتر پر جب پہلی بار حملہ ہوا اور اس کی 'ایڈیٹوریل ٹیم' کو قتل کیا گیا تو پیرس میں ایک بہت بڑا مظاہرہ کیا گیا جس میں دنیا بھر کے ممالک کے سربراہان موجود تھے اور ان سب نے کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر درج تھا 'ہم سب چارلی ہیں'۔ اس مظاہرے میں بعض نام نہاد مسلمان حکمران یا ان کے نمائندے بھی موجود تھے جن میں سرِ فہرست ترک صدر طیب اردگان کا نمائندہ اور فلسطینی صدر محمود عباس شامل ہیں۔ پاکستانی فوج کے سربراہ راحیل شریف نے بھی چارلی ہیبڈو پر ہونے والے حملے کی مذمت کی۔
  - ○ گستاخانِ رسالت کے قتل کی مذمت روئے اسلام سے ایک 'جرمِ عظیم' اور 'بغاوتِ خدا و رسولؐ' ہے۔ یہ مقتول ملعون گستاخ کوئی ڈھکے چھپے گستاخ نہ تھے کہ کسی قسم کی بحث کی گنجائش پیدا ہو سکے۔

    إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا○ (سورۃ الاحزاب: ۵۷)

    ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے ایسا عذاب تیار کر رکھا ہے جو ذلیل کر کے رکھ دے گا۔''

    مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا○ (سورۃ الاحزاب: ۶۱)

    ''ان پر ہر طرف سے لعنت کی بوچھاڑ ہو گی، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح ان کے ٹکڑے اڑائے جائیں گے۔''

  - ○ غالباً مروان بن عبد الملک کے دور میں مدینہ میں ایک بار کسی شخص نے گستاخِ رسول 'کعب بن اشرف یہودی' کے قاتل حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کہا کہ کعب بن اشرف کو دھوکے سے قتل کیا گیا تھا تو محمد بن مسلمہؓ جو نہایت بزرگ اور ضعیف ہو چکے تھے نے عبد الملک کو مخاطب کر کے کہا کہ 'یہ شخص یہ بات تیرے سامنے کر رہا ہے، مجھے اگر موقع ملا تو میں اس کو قتل کر دوں گا'، بعد میں آپ رضی اللہ عنہ کو یہ شخص کہیں اور مل گیا تو آپ نے ضعیف العمری اور کمزوریٔ قویٰ کے باوجود ڈنڈے سے اس کی پٹائی کی اور کہا کہ 'میرے پاس تلوار نہیں ہے ورنہ میں اس پر تلوار سے حملہ کرتا'۔
  - ○ ہمیں طیب اردگان سے کوئی ذاتی بیر نہیں۔ لیکن آج جس طیب اردگان کی فرانسیسی صدر کے بیان کے بعد فرانس کے خلاف اقدامات کی دھوم ہے اور جس کی شعلہ بیان تقریریں ہم شیئر کرتے ہیں اور اپنے جس مکے کو وہ 'عثمانی مکا' کہتا ہے، ہمیں اس سب کے ساتھ ماضی میں 'ہم سب شارلی ہیں' کے مظاہرے میں اس کے نمائندے کی شرکت یاد رکھنی چاہیے، اسرائیل سے اس کی سفارتی و تجارتی دوستی اور اس کے داماد برات البیرق کی ٹرمپ کی یہودی بیٹی ایوانکا اور اس کے یہودی شوہر و ٹرمپ کے داماد کشنر سے دوستی (جو دراصل ترکی-امریکہ کی بیک ڈور ڈپلومیسی کا حصہ ہے/تھی) بھی یاد رکھنے چاہئیں۔ یہ نام کا 'عثمانی مکا' ہے کہ اصل عثمانی مکا تو خلیفہ سلطان عبد الحمید ثانیؒ کا تھا جنہوں نے اس مکے کو یہودیوں کے منہ پر جڑا تھا۔
- ایک اچھی بات یہ بھی ہے کہ اہلِ اسلام میں سے نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد 'حقیقتاً' بیدار ہے، یہ نوجوان مجاہدین صلیبی لشکر کے خلاف اسلام کے مجاہد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق و جاں نثار ہیں، اس کے بعض نظائر چارلی ہیبڈو کے دفتر کے باہر صلیبیوں پر حملے اور گستاخ سکول ٹیچر کا سر اتارنے کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں، وللہ الحمد!
- اہلِ اسلام خاص کر یورپ و امریکہ میں بستے اہلِ اسلام اور ان میں بھی خاص کر فرانس میں بستے مسلمانوں کو یہ بات اب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ:

  وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ...... (سورۃ البقرۃ: ۱۲۰)

”اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہر گز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے۔“

- فرانس میں جاری موجودہ صورتِ حال ویسی ہی ہے جو قریباً چھ صدیاں قبل سپین میں پیدا ہوئی تھی۔ گو کہ سپین میں مسلمان حاکم تھے اور حاکم سے غلام بنے تھے۔ لیکن جس طرح مذہبی عدالتوں نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا تھا اور مسلمانوں کا دین، خاص کر ان کے بچوں کا دین زبردستی بدلا گیا تھا، آج کا فرانس سپین کی اسی تاریخ کو دہرانے کی راہ پر سبک رفتاری کے ساتھ گامزن ہے۔ فرانس میں ہمارے بچوں کو شناختی نمبروں سے پہچاننے کا عمل ان کو عملاً مرتد بنانے کی طرف پیش قدمی ہے۔ اس سب عمل میں فرانس یہ اقدامات اٹھانے والا اگر پہلا ملک ہے تو باقی مغرب: آسٹریلیا تا نیوزی لینڈ اور یورپ تا امریکہ تمام ہی اس کی تقلید کریں گے اور ٹرمپ جیسے 'مذہبی جنونی' تو پہلے ہی یہ سب کرنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ برطانیہ کا بھی چہرہ ماڈرن نہیں ہے بلکہ وہاں بورس جانسن جیسا 'برطانوی ٹرمپ' براجمان ہے۔
- یہ تو مغرب میں بستے اہلِ صلیب کی بات تھی، مشارق الارض میں دیکھیں تو چینی اژدہا مسلمانوں کو نگلنے کے لیے تیار ہے بلکہ مشرقی ترکستان (سنکیانگ) کے مسلمانوں کو یا تو مرتد بنا چکا ہے یا ان کو نگل چکا ہے۔ جبکہ ہندوستان میں دیکھیے تو ہندو مذہب کا سیاسی پیشوا 'مودی' آج مذہبی پیشوا بھی بنتا جا رہا ہے، ہندو پنڈتوں کی طرح اس کی لمبی داڑھی اور لمبے بال اور مسلم کش اقدامات یہ سب اہلِ اسلام کے خلاف جنگ کی عملی صورتیں ہیں۔

اللہ پاک اہلِ اسلام کو بھی تاریخ کے اس نازک موقع پر فہمِ سلیم عطا فرمائیں جو اس جنگ میں اہلِ اسلام کے غلبے پر منتج ہو، آمین!

'جمہوریت' جو دنیا پر قابض ہے

حقیقی بات وہی ہے جو اقبالؒ نے کہی تھی کہ 'ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس'، لیکن پھر بھی جو لوگ 'جمہوریت' پر 'یقین' رکھتے ہیں ان کے لیے یہ خیال عرض ہے۔ جو اعداد و شمار راقم کو میسر ہیں تو ان کے مطابق امریکہ کی آبادی تقریباً ساڑھے بتیس کروڑ ہے [بہر کیف اعداد و شمار بالکل حتمی (actual) ہوں یا نہ ہوں راقم کا نقطہ سمجھنے کے لیے یہ بات ان شاء اللہ کفایت کرے گی]۔ اس آبادی میں ووٹ ڈالنے والوں کی تعداد تقریباً پچیس کروڑ ہے۔ اس سال ٹرمپ–بائیڈن کے درمیان جو مقابلہ ہوا تو اس میں ٹرن آؤٹ یا ووٹ ڈالنے والوں کی تعداد تقریباً ساڑھے سولہ کروڑ رہی [چھیاسٹھ(۶۶) فیصد]۔ ان میں ٹرمپ کو اکتالیس (۴۱) فیصد اور بائیڈن کو انسٹھ (۵۹) فیصد ووٹ ملے یعنی تقریباً نو کروڑ چھہتر لاکھ لوگ اس بات کے حامی ہیں کہ بائیڈن امریکی صدر بنے۔

اب ذرا غور کیجیے کہ امریکی صدر کون ہوتا ہے؟ یہ دنیا کا بادشاہ ہے جس کی فوجیں، سمندروں میں، خشکیوں میں، ہواؤں میں اور خلا میں بھی موجود ہیں، جس نے دنیا کو سات کمانڈوں میں تقسیم کر رکھا ہے، فرعون کی طرح ابنائے اسلام کو ذبح کرتا ہے، نمرود کی طرح دعوے دار ہے کہ میں جس کو چاہوں زندگی دوں اور جہاں چاہوں اپنے ٹام ہاک میزائلوں اور ڈیزی کٹر بموں سے موت تقسیم کروں، یہ دنیا کے ممالک کے داخلی معاملات بھی دیکھتا ہے اور خارجی بھی، اس کا ڈالر دنیا کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بادشاہ کتنے لوگوں کے ووٹ سے یہ سب کر سکنے کے قابل ہوا ہے؟ تقریباً دس کروڑ لوگوں کی چاہت سے!

یعنی دس کروڑ لوگوں کے ووٹ سے پوری دنیا کی حکمرانی۔

دنیا میں کتنے لوگ ہیں؟

ساڑھے سات ارب!

اور یہ دس کروڑ کتنے فیصد بنتے ہیں؟

ایک فیصد یا اس سے کچھ زیادہ یا کم؟!

ایک فیصد کی رائے اور چاہت دنیا پر حاکم ہے! کیا جمہوریت اسی کو کہتے ہیں؟ ذرا سوچیے......

بے گانی شادی میں عبد اللہ دیوانہ

امریکہ میں جو بائیڈن اور کمالا[1] ہیرس کے جیتتے ہی کچھ دیوانے یہاں وہاں بہکی بہکی حرکتیں کرنے لگے۔

- پہلی خبر ہے کہ عمران خان نے جو بائیڈن کو مبارک باد دی اور کہا کہ 'مل کر کرپشن کا خاتمہ کریں گے'۔ یہ وہی عمران خان ہے جس کے لیے ٹرمپ نے کہا تھا کہ اگر میں وائٹ ہاؤس میں رہا تو عمران خان کے لیے اگلی الیکشن مہم چلاؤں گا۔ عمران خان امریکہ گیا تو ٹرمپ کا اتنا خیال رکھا کہ انٹرویو بھی ٹرمپ کے پسندیدہ ٹی وی چینل 'فاکس نیوز' کو دیا۔ جیسے ہی جو بائیڈن آیا تو معلوم ہوا کہ گرگٹ تو رنگ بدلنے میں یونہی بدنام ہے، 'ہمارا اور آپ کا تو بچپن کا ساتھ ہے حضور...... مل کر کرپشن کے خلاف لڑیں گے!'۔
- پاکستانی ایوانِ بالا کی قائمہ کمیٹی برائے امورِ خارجہ کے چیئرمین مشاہد حسین سید نے کہا کہ 'جو بائیڈن کشمیر پر بھی سٹینڈ رکھتے ہیں'۔ غالباً یہ اس سٹینڈ کی بات کر رہا ہے جو سائیکل یا موٹر سائیکل کو سہارا دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پہلے یہی بائیڈن آٹھ سال امریکی نائب صدر رہا ہے، غالباً تب بھی یہی سٹینڈ تھا؟!

[1] اس نام کو اردو ذرائع ابلاغ میں 'کملا' لکھا جا رہا ہے، ایسا ہی ہو گا، لیکن جنس درست کر لیں یہ 'کملا' نہیں 'کملی' ہے!

- کملا ہیرس کی ماں کا تعلق تھا ہندوستانی ریاست کیرالا سے۔ یہ نائب صدر بنی تو کیرالا کے لوگوں نے مٹھائیاں تقسیم کیں۔

اسی سب کو کہتے ہیں بے گانی شادی میں عبد اللہ دیوانہ!

ملا برادر اخوند و مائیک پومپیو کی تصویر اور خواجہ آصف کا تبصرہ

سوشل میڈیا استعمال کرنے والے اکثر ہی لوگوں کی نظر سے ملا برادر اخوند اور مائیک پومپیو کی وہ تصویر گزری ہو گی جسے سابقہ پاکستانی وزیر دفاع و مسلم لیگ ن کے رہنما 'خواجہ آصف' نے شیئر کیا اور ساتھ میں لکھا 'تمہارے پاس طاقت ہے اور ہمارے ساتھ خدا ہے'۔ یعنی پومپیو کی طرف اشارہ تھا کہ طاقت تمہارے ساتھ ہے اور ملا برادر کی طرف اشارہ تھا کہ خدا ان کے ساتھ ہے۔

خواجہ آصف اس وقت حکومت میں نہیں ہے، یہ نواز شریف کا 'کارکن' بھی ہے لیکن اسٹیبلشمنٹ سے بھی زیادہ خراب نہیں کرتا، ہمیں اس وقت خواجہ آصف سے سروکار بھی نہیں ہے، دراصل اس تبصرے سے سروکار ہے اور یہ تبصرہ 'پالیسی شفٹ' کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ پالیسی شفٹ آپ کو مجموعی طور پر 'ریاستِ پاکستان' کے رویے میں نظر آئے گی۔ یہی طالبان تھے جنہوں نے ۱۹۹۶ء میں امارتِ اسلامی افغانستان کی بنیاد امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہدؒ کی قیادت میں ڈالی، پاکستان کا مفاد وابستہ تھا سو پاکستان نے اس افغان 'ریاست' کو تسلیم کیا۔ پھر پالیسی بدلی اور نائن الیون کے بعد پاکستان نے قلابازی لگائی، امریکی فرنٹ لائن اتحادی بنا اور طالبان کے خلاف جنگ میں آگے آگے ہوا، امارتِ اسلامی افغانستان کے سفیر ملا عبد السلام ضعیف کو برہنہ کر کے امریکی سی آئی اے کے حوالے کیا، استاد یاسر کو گرفتار کیا (اور اطلاعات کے مطابق استاد یاسر پاکستانی آئی ایس آئی کی جیل میں شہید ہو چکے ہیں)، امیر المومنین ملا عمر کے نائب ملا عبید اللہ اخوند کو جیل میں ڈالا اور شہید کیا اور یہی ملا برادر جن کو آج عزت و تکریم دی جا رہی ہے آٹھ سال آئی ایس آئی کے عقوبت خانوں میں بند رہے، نیز دسیوں اور امارت کے رہنماؤں کو گرفتار و شہید کیا۔ جبکہ آج پھر پاکستانی دفتر خارجہ اور فوج کے دفاتر میں ان حضرات کا پر تپاک استقبال ہو رہا ہے کہ پالیسی پھر بدل گئی ہے۔

کل جب امارت کا دورِ اول تھا، جب امارت کا سقوط ہوا اور فرنٹ لائن اتحادی بنا گیا، آج جب امریکہ کو افغانستان میں شکست ہوئی ہے اور پر تپاک استقبال، چشم ما روشن دلِ ماشاد کے نعرے لگائے جا رہے ہیں تو ہر ہر موقع پر اللہ ان کے ساتھ تھا اور امریکہ اور اس کے فرنٹ لائن اتحادیوں کے پاس محض ظاہری طاقتِ دنیوی ہی تھی۔

یہ پالیسی شفٹ اللہ کی معرفت یا اللہ کی طاقت کا ادراک نہیں بلکہ قوتِ ظاہری کا ادراک ہے۔ سیرت کی کتابیں بتاتی ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے پوچھا کہ 'تمہارا کیا گمان ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟' تو قریش نے جواباً کہا 'آپ ایک مہربان و کریم باپ کے مہربان و کریم بیٹے ہیں (ہمارے ساتھ اچھا سلوک ہی کریں گے)'۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ نے فرمایا 'وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ'، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہیں۔ تو حضور کو جب قریش مکہ میں زدوکوب کر رہے تھے، آپ کو پتھر مارتے، کوڑا سر پر ڈالتے، کانٹے راہ میں بچھاتے، کمر مبارک پر اونٹ کی اوجھڑی لاد دیتے، جب احد میں آپ کے دانت مبارک شہید کیے گئے، آپ کے چچا کا شہید کر کے مثلہ کیا اور کلیجہ چبایا گیا، جب مکہ سے نکلتے ہوئے آپ کی بیٹی کو اونٹ سے گرا کر زخمی کیا گیا اور آپ بعداً شہید ہو گئیں، تو تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم 'کریم باپ کے کریم بیٹے ہی تھے'[2] لیکن کیا چیز ہے جس نے قریش کو فتحِ مکہ کے بعد یہ بات سمجھائی کہ حضورؐ 'کریم' ہیں؟ یہ قوت تھی، تلوار کی قوت۔

سو طالبان کے ساتھ اللہ کی طاقت تب بھی تھی جب یہ پہلی بار اللہ کی رضا سے اقتدار میں آئے، جب ان کی پیٹھ میں پاکستانی اسٹیبلشمنٹ نے چھرا گھونپا تب بھی اللہ ان کے ساتھ تھا اور آج بھی ہے، بس لاتوں کے بھوتوں کو لاتیں کھانے کے بعد ہی سمجھ میں آتی ہے!

'اندھیری رات کا مسافر'

'اندھیری رات کا مسافر'، اردو ادب سے شغف رکھنے والے یا کم از کم ناول پڑھنے کے شوقین لوگوں کے لیے یقیناً یہ عنوان توجہ کا سبب ہو گا۔ یہ عنوان بی بی سی اردو نے ایک ایسے شیر (ٹائیگر/Tiger) کے بارے میں اپنی شائع کی گئی رپورٹ پر لگایا ہے جس نے 'مادہ کی تلاش میں تین ہزار کلومیٹر کا سفر کیا'۔ بی بی سی کی پوری رپورٹ میں اس عنوان کی نسبت کوئی مواد نہیں ہے اور نہ ہی یہ عنوان دوبارہ اس رپورٹ میں کسی جگہ درج کیا گیا ہے۔

اس عنوان کی اصل کیا ہے؟ 'اندھیری رات کے مسافر' نسیم حجازی کے ایک ناول کا عنوان ہے۔ اس ناول میں نسیم حجازی نے مسلم ہسپانیہ (Spain) کے آخری دور میں ہونے والی کچھ جہادی کوششوں کا ذکر کیا ہے، ناول کے مواد و انداز سے لاکھ اختلاف ہو سکتا ہے لیکن جیسا کہ مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب (حفظہ اللہ)[3] نے نسیم حجازی کے متعلق لکھا ہے تو اس اعتبار سے واضح ہے کہ نسیم حجازی نے گو کہ دائیں بائیں کی بہت سی باتیں کی ہیں، بلکہ غیر شرعی امور نسیم حجازی کے ناولوں میں شامل ہیں لیکن ایک چیز بہر کیف غالب ہے اور وہ ہے جہاد کی محبت اور امت میں جہادی بیداری پیدا کرنے کی کوشش، امت کو اس کے تابناک ماضی سے جوڑنے کی سعی۔

---

[2](ایک حدیث کی رو سے) عربی میں کریم اس کو کہتے ہیں جو جب غلبہ پا لیتا ہے تو معاف کر دیتا ہے۔

[3] مولانا تقی صاحب رقم طراز ہیں: ''دینی گھرانوں میں ناولوں کا مطالعہ اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن میں نے نسیم حجازی مرحوم کے تمام ناول بھی اس لیے پڑھے تھے کہ اگر عربی ادب سیکھنے کے لیے مقامات، متنبّی اور سبعہ معلقہ پڑھے جا سکتے ہیں تو اردو ادب اور تاریخ کے لیے نسیم حجازی کے ناول ان سے بدرجہا غنیمت ہیں، اور ان سے ادبِ اردو کا ایک خاص ذوق حاصل ہوتا ہے، اور فی الجملہ دینی فکر کو بھی مدد ملتی ہے۔'' (یادیں، ماہنامہ البلاغ، ذیقعدہ ۱۴۴۰ھ، ص ۱۳)

ایک ایسے ناول کے عنوان کو جس میں جہاد و شہادت کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے کو ایک 'مادہ جانور کی تلاش میں بھٹکتے درندے' کی اسفل حاجت سے جوڑنا، بی بی سی اردو اور اس میں کام کرتے ہر کاروں کی ایک اسفل حرکت ہے جو ان کے اسلام سے بغض و عناد کی ایک بیّن نظیر ہے۔

مارنے والو! کوئی تم کو نہ مر کر مار دے!

اللہ تعالیٰ کے ارشادِ پاک 'وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ' کے ذیل میں حضرت مولانا حکیم اختر صاحب (نوّر اللہ مرقدہٗ) فرماتے ہیں:

> "بندہ جب خدا کی یاد میں لگ جاتا ہے اور اپنی طاقت کی نفی کر کے خدا کے حضور جھک جاتا ہے تو اللہ اس کا نام روشن کر دیتا ہے۔ بڑے سے بڑے جاہ ومال کا مالک مر جاتا ہے اور اس کا نام بھی مٹ جاتا ہے مگر خدا کو یاد کرنے والے ہمیشہ یاد کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے اولیا ہیں سب کا نام روشن ہے اور عزت واحترام کے ساتھ ان کا نام لیا جاتا ہے۔ مگر دنیاوی وجاہت کا مالک اس دولت سے محروم ہے۔" (باتیں ان کی یاد رہیں گی، ملفوظاتِ حکیم اختر صاحب، ص ۱۹۷)

تاریخ کی عظیم ترین جنگوں میں سے ایک جنگ اس وقت دنیا بھر میں برپا ہے، اہلِ ایمان اور اہلِ کفر کے مابین جاری اس جنگ میں، اہلِ ایمان کی جانب سے بہت سے موتی و لعل نچھاور ہوئے ہیں۔ ان کٹنے والوں کو کون نہیں جانتا اور مارنے والوں کو کون جانتا ہے؟

تاریخی ترتیب سے میرے ذہن کے کینوس پر ابھرنے والے چند ناموں کو دیکھیے: ایمل کانسی، احمد یاسین، عبد العزیز رنتیسی، ابو مصعب الزرقاوی، نظام الدین شامزئی، عبد الرشید غازی، ابو اللیث اللیبی، ارشد وحید، ابو عمر بغدادی، بیت اللہ محسود، مصطفیٰ ابو یزید، اسامہ بن لادن، الیاس کشمیری، عطیۃ اللہ، انور العولقی، بدر منصور، ابو یحییٰ اللیبی، احسن عزیز، سعید الشہری، بدر الدین حقانی، عمران علی صدیقی، ابو دجانہ پاشا، قاری عمران، احمد فاروق، عزام الامریکی، مختار ابو زبیر، ابو بصیر ناصر الوحیشی، ابراہیم الربیش، حارث النظاری، اختر محمد منصور، اسامہ ابراہیم غوری، برہان مظفر وانی، رانا عمیر افضال، ذاکر موسیٰ، ارسلان سنبھلی، قاسم الریمی، محمد حنیف، ابو مصعب عبد الودود...... ناممکن ہے کہ ان بیان کردہ چند ناموں میں سے کم از کم دو چار کو آپ نہ جانتے ہوں! لیکن کیا کسی ایک کے بھی قاتل کا نام کسی کو معلوم ہے؟

ان ناموں نے اللہ کے لیے مر کر، اپنے نام کو بفضل اللہ ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا ہے اور اپنے مارنے والوں کو ہمیشہ کے لیے مار دیا ہے!

سر کٹ جائے 'جہاں' بھی جائے......

بچپن میں، مَیں ایک ترانے پر بہت سر دُھنتا تھا، اصل بول تھے 'سر کٹ جائے، جاں بھی جائے لے کے رہو کشمیر'...... میں اپنے بچپن کی ادا میں سمجھتا تھا 'سر کٹ جائے "جہاں" بھی جائے......'، اس سمجھ کے پیچھے میں نے ایک منطق بھی گھڑ رکھی تھی کہ کشمیر ہندوؤں سے حاصل کر کے رہو، چاہے سر کٹ جائے اور پھر وہ کٹ کر 'جہاں' بھی جائے اس سے بے پرواہو کر کشمیر حاصل کرو۔ اللہ اپنے فضل سے یہ درجہ مجھے بوقتِ مرگ عطا کر دے، آمین!

پچھلے چند ماہ میں دنیا بھر میں سچے اہلِ سعادت و شہادت کے محاذوں سے چند جاننے والوں کی شہادتوں کی اطلاعات ملیں۔ معلوم ہوا کہ ایک ڈرون حملے میں شہید ہونے والے آٹھ ساتھیوں میں سے پانچ کے سر نہیں ملے۔ دل ذرا دُکھا پھر بچپن کا 'سمجھا' ہوا مصرع یاد آیا۔ سوچا کہ مرنے والوں کی اپنی خواہش یہی تھی کہ ان کے سر نہ ملیں، وہ قیامت کے دن سر کے بغیر مبعوث ہوں، اللہ پوچھے کہ سر کہاں ہے تو کہیں کہ تیری راہ میں کٹوایا، اڑوایا، قیمہ بنوایا، جلوایا، راکھ کروایا اور فضا میں بکھروایا کہ تُو راضی ہو جائے، تو پھر غم کاہے کا؟ یہ وہ سودا ہے جو سر میں سماتا ہے تو سر اڑواتا ہے پھر اترتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جنت میں پہنچواتا ہے پھر بھی اترتا نہیں ہے، وہاں بھی کہتا ہے کہ پھر دنیا میں بھیجو کہ پھر سر اڑواؤں!

اے اللہ اپنی عطا سے ہمیں شجاعت و سعادت کا راہی بنا اور اپنی ہی عطا سے یہ استقامت و شہادت دے دے، مانگنے والا بڑا ہی کمزور ہے!

☆☆☆☆☆

اسلام ہی اس ملک کی بنیاد و بقا ہے

قاضی ابو احمد

ہوش سنبھالنے کے بعد سے جس بات کا دل و ذہن میں استحضار رہا وہ یہ کہ مجھے اپنے ملک، اپنے وطن پاکستان سے بہت محبت ہے۔ اس عمر میں کہ جس میں بچہ ماں باپ سے بھی ڈھنگ سے محبت کرنے کے قابل نہیں ہوتا، نجانے یہ زمین کی، مٹی کی محبت کہاں سے دل میں سما گئی۔ حالانکہ نہ گھر کا ماحول بہت علمی قسم کا تھا اور نہ ہی اس موضوع پر کبھی کوئی بات ہوتے سنی تھی۔ بلکہ معاملہ بالعکس تھا۔ دادا مرحوم انگریز کے دور میں فوج میں رہ چکے تھے اور وہ اس دور کی تعریف کرتے کہ اس وقت کرپشن نہیں تھی، مول تول میں ہیر پھیر نہیں تھی، ملاوٹ اور گرانی نہیں تھی......وغیرہ اور وہ ایک درجے میں قیامِ پاکستان کے خلاف ہی تھے۔ مگر پھر بھی پاکستان سے محبت دل و ذہن میں پروان چڑھتی ہی رہی۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب اللہ رب العزت نے اپنے دین کا کچھ فہم اپنی رحمت سے عطا فرمایا، قومیت و وطنیت کے بتوں پر ضرب لگی، دلوں میں مضبوطی سے بسا ہوا پاکستانی فوج کا تقدس دل سے نکلا، اس فوج کی خباثت کا ادراک ہوا، جمہوریت، سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام کا کھلا فساد ہونا سمجھ میں آیا۔ مگر اس سب کے باوجود اپنے وطن پاکستان سے محبت جوں کی توں برقرار رہی۔ کئی مرتبہ دل کو ٹٹولا کہ کہیں یہ وطنیت کا بت تو نہیں جسے من میں سجائے اس کی پوجا کی جا رہی ہے، مگر بار بار کی چھان پھٹک سے بھی سمجھ میں یہی بات آئی کہ پاکستان سے محبت کی وجہ دراصل اسلام سے محبت ہے۔ چونکہ یہ وطن اسلام کے نام پر وجود میں آیا لہٰذا محبت دراصل اس مقصدِ وجود سے ہے۔ یہ وطن یہ ملک اللہ کی عطا ہے، بہت بڑی نعمت ہے، پس اس نعمت سے تو نفرت نہیں کی جاسکتی، نہ ہی کی جانی چاہیے، مگر پاکستان کے نام پر جو کچھ اس پر قابض فوج اور حکمران کر رہے ہیں اور جس طرح اس نعمت و سعادت کے پاکیزہ وجود اور نام کو مٹی میں ملا رہے ہیں، وہ بلاشبہ محض قابلِ نفرت و مذمت ہی نہیں بلکہ قابل گردن زدنی بھی ہے۔

یہ بحث کہ یوم آزادی چودہ اگست کو منانا چاہیے یا کہ پندرہ اگست کو، لایعنی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ آزادی حاصل کیوں کی تھی؟ کس سے کی تھی؟ کس مقصد سے کی تھی؟ قیام و طعام ہی گر مطمح نظر تھا تو اس کا انتظام تو دورِ غلامی میں بھی تھا۔ نماز روزہ کی اجازت بھی تھی۔ ادائیگیٔ حج کے لیے بھی قافلے جایا کرتے تھے۔ پھر کیا کمی تھی جس کی خاطر اتنی قربانیاں دی تھیں؟ دورِ غلامی میں مسلمان کی حالت اور آج پاکستان میں بسنے والے مسلمان کی حالت میں کیا خاطر خواہ فرق ہے؟ کیا فقط ایک قطعۂ زمین مطلوب تھا، گویا دو گز زمین جس پر مسلمان نام کا ایک کتبہ لگا ہو!! یقیناً قیام پاکستان کے دور میں مسلمانوں پر ہوئے ظلم و ستم کی داستانیں پڑھ کر آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں مگر آج تہتّر سالہ پاکستان کی حالت دیکھ کر، اس کی گھلی ہوئی ہڈیاں اور ناتواں وجود دیکھ کر، اس کی اٹکی ہوئی سانسیں اور قرضوں میں جکڑے بال بال کو دیکھ کر، اس کے نیم جان وجود کے گرد اس کو نوچتے، کھسوٹتے، لوٹنے والے چیلوں اور کوؤں اور اس کی جان نکلنے کے منتظر کرگسوں کو منڈلاتے دیکھ کر، اس کی بیٹیوں بلکہ نوخیز کلیوں جیسی معصوم بچیوں کی عزتیں دورِ غلامی سے زیادہ غیر محفوظ دیکھ کر، اس کے بیٹوں کا بہتا خون اور لاپتہ جوانیاں، لاپتہ افراد کے تڑپتے اہل خانہ اور سڑکوں، تھانوں، جیلوں کے باہر خوار ہوتی سفید داڑھیاں دیکھ کر، ریل کی پٹڑیوں پر سر رکھ کر جان دیتے بے بس باپ اور بھوک و افلاس کے ہاتھوں مجبور ماؤں کی بے کسی و بدحالی دیکھ کر آنکھیں ہی نہیں بلکہ دل بھی خون کے آنسو روتا ہے۔

اہل پاکستان جانتے ہیں کہ پاکستان کی سرزمین کے دو روپ ہیں۔ ایک نہایت چمکتا دمکتا، پولشڈ روپ جو آپ کو دار الحکومت اسلام آباد اور دیگر بڑے شہروں میں نظر آتا ہے، صاف ستھری کارپٹڈ سڑکیں اور ان پر دوڑتی نئے سے نئے ماڈل کی مہنگی گاڑیاں، سڑکوں کے دونوں جانب سبزہ زار اور وسیع و عریض رقبوں پر محیط شاندار عمارتیں اور ان عمارتوں میں مکین سرمایہ دار، جاگیر دار، حکومتی عہدہ دار، سیاست دان، فوجی جرنیل و کرنیل اور ان کے منظورِ نظر افراد...... اور دوسری جانب اسی پاکستان کی کچی آبادیاں اور غریب علاقوں کی ابلتے گٹروں والی شکستہ سڑکیں، اسی گندے پانی میں نہاتے ان علاقوں کے غریب مکینوں کے ننگ دھڑنگ بچے، جابجا تعفن پھیلاتے کوڑا ابلتے ڈرم اور نالے، بوسیدہ عمارتیں، افلاس زدہ چہرے اور حسرت و یاس کی تصویر بنے غریب اہل پاکستان۔ چمکتے منظر کے باسی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ پیدا ہی عیش کرنے کے لیے ہوئے ہیں اور یہ عیش و عشرت عین انھی کا حق ہے جبکہ عوام نے اپنا مقدر ہی تکلیفوں، آزمائشوں اور مشکل زندگی کو سمجھ لیا ہے۔ کچھ لوگوں کے بقول یہ مدینۂ ثانی ہے!!!

آج کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اہل پاکستان کو تبدیلی کی خاطر سختیوں اور آزمائشوں سے گزرنا ہوگا...... یہ بات درست ہے کہ تبدیلی سختیوں اور آزمائشوں سے گزرے بنا نہیں آتی، مگر کون سی تبدیلی؟ کیسی تبدیلی؟ جب تک اس ملک میں کفر کا نظام قائم ہے، جب تک اس ملک میں قائم حکومت اور فوج اپنی معیشت، حفاظت اور عزت اہل کفر کے در پر تلاش کرتی رہے گی تب تک سوائے مزید ذلت اور مزید گراوٹ اور مزید آزمائشوں اور تکلیفوں کے کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ یہ وہی حکمران ہیں جو حکومت میں آنے سے پہلے ڈرون حملوں کے مخالف اور لاپتہ افراد کے حمایتی تھے...... اور آج یہ وہی ہیں کہ جو اسلام کی سرزمین اہل اسلام پر ہی تنگ سے تنگ ترکیے جا رہے ہیں۔ اگر یہ اپنے دعووں میں اتنے ہی سچے ہوتے تو اقتدار میں آنے کے بعد لاپتہ افراد کا کم از کم پتہ تو دیتے اور ان پر عائد فرد جرم سے ان کے اہل خانہ کو آگاہ تو کرتے، مجاہدینِ کشمیر کی مدد و نصرت کے دروازے قفل لگا کر بند کرنے کی بجائے ان کی کھلے بندوں مدد

تو کرتے، مشرقی ترکستان کے مظلوم مسلمانوں کو اپنا تو سمجھتے اور ان کے دکھ اور غم کا مداوا کرنے کی کوشش تو کرتے۔ مداوا تو انھوں نے کیا مگر بابری مسجد کی شہادت بھلا کر سکھوں کے گردوارے سجا کر، اور لال مسجد کے شہدا کے خون کو روند کر عین اسی اسلام آباد میں ہندوؤں کے لیے مندر بنا کر۔ اہل پاکستان اگر یہ سمجھتے ہیں کہ آئندہ چند سال میں پاکستان کی زمین سونا اگلنے لگے گی اور اس کے عوام اس سونے سے بلاشرکت غیرے مستفید ہوں گے تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ سوچ اور یہ تصور رکھنے والے خوابوں کی دنیا میں رہنے والے ہیں، ایسے خواب جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتے۔

پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا اور پاکستان اسلام ہی کے نام پر زندہ رہے گا اور پاکستان میں اسلام نافذ ہو کر رہے گا؛ لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ ایک روز ہم سو کر اٹھیں اور پاکستان میں اسلام نافذ ہو چکا ہو، نہ ہماری نیند خراب ہو نہ چین، نہ ہمارا مال لگے نہ جان، نہ ہماری زندگی میں کچھ ہلچل مچے اور نہ ہی ہمارے معمولات اپنی جگہ سے ہلیں تو یاد رکھیں کہ ایسا چاہنے والے لوگ ہی سب سے پہلے اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والوں میں سے ہوں گے۔ جو آج یہ کہتے ہیں کہ جب دجال آئے گا تو دیکھی جائے گی اور اس کے مقابلے کی تیاری کی جائے گی اور تب ہم اپنے آپ کو اور اپنے ایمان کو بچالیں گے، وہ اس وقت بھی فقط روٹی کے چند لقموں اور چند گھونٹ پانی پر راضی ہو جائیں گے اور اپنا ایمان بیچ کھائیں گے۔ جن کو حقیقتاً اسلام مطلوب ہے، جن کو اسلام سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس کی خاطر اپنا تن من دھن قربان کرنے کو ہمہ وقت تیار ہیں، جو اس کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں اور اپنوں کی جدائیاں برداشت کر رہے ہیں جو اس کی خاطر جلاوطنی سہہ رہے ہیں اور جن کو یہ معلوم ہے کہ اس سب کے بعد بھی یہ یقینی نہیں کہ ان کی یا ان کی اولاد کی آنکھیں شریعت کی بہاریں دیکھ پائیں گی، وہی ہیں کہ جو ان شاء اللہ تبدیلی کا موجب بنیں گے، جو پاکستان کی سرزمین کا وارث اہل اسلام کو بنائیں گے، جو پاکستان میں اللہ کا نظام نافذ کریں گے اور جو باذن اللہ ہندوستان کے حکمرانوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے۔

اے اہالیانِ پاکستان! آج اسلام پر چلنے والے ضعف کی حالت میں ہیں، مگر اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس حالت پر نہیں رہیں گے، اسلام غالب آ کر رہے گا۔ آپ کا ایک ایک فرد اگر اپنے دین کے ساتھ مخلص ہے تو وہ یہ استعداد رکھتا ہے کہ وہ اس دین کی خدمت کرے اور اس کے نفاذ کی کوشش میں اپنے آپ کو کھپائے۔ اس کے لیے آپ سب کو خواہ وہ طالب علم ہوں یا اساتذہ، صنعت کار ہوں یا دہاڑی دار، امیر ہوں یا غریب، شہروں میں بسنے والے ہوں یا دیہاتوں میں، اپنی زندگیوں میں، اپنی سوچ میں، اپنی فکر، اپنے طرز زندگی میں انقلاب لانا ہو گا، اسے سر تا پا اسلام کے رنگ میں ڈھالنا ہو گا اور یہی پہلا قدم ہو گا جو آپ اپنے دین کے نفاذ کی جانب بڑھائیں گے۔ یاد رکھیے! جو پہلا قدم اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا وہ کبھی دوڑنا اور سبقت لے جانا نہیں سیکھ سکتا اور جو پہلا قدم اٹھالیتا ہے اس کے لیے آئندہ اٹھنے والا ہر مثبت قدم آسان ہو جاتا ہے۔ حق اور باطل واضح ہے، حق پر چلنے والے، اہل باطل سے ممیز ہیں، یہ بہانہ کہ معلوم نہیں ہو تا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر، اب اپنی اہمیت کھو چکا ہے، وقت کی برف گھل رہی ہے اور ختم ہوا چاہتی ہے، اٹھیے اور اہل حق کا ساتھ دیجیے، اس لیے نہیں کہ آپ کا اٹھنا انھیں کوئی فائدہ دے گا، بلکہ اس لیے کہ حق کا غالب ہونا عین آپ ہی کی ضرورت ہے، آپ کی دنیا کی بھی اور آخرت کی بھی۔ آپ کے پڑوس میں ہندو اپنے ہتھیار تیز کر چکے ہیں، بنگلہ دیش پر وہ قبضہ کیا ہی چاہتے ہیں، چین کا عفریت دوسری طرف آپ کو نگلنے کے لیے تیار بیٹھا ہے، ایران الگ اپنے بال و پر سنوار رہا ہے، ایسے میں آپ کی بے خبری آپ ہی کو حسرت میں مبتلا کرنے کا باعث ہو گی۔ آپ کو اللہ رب العزت نے ایک ایسا پڑوس بھی دے رکھا ہے جہاں ایمانی جدوجہد سے معمور پاکیزہ فضائیں آپ کی منتظر ہیں، کشمیری مسلمان آپ کی مدد و نصرت کے حق دار ہیں، اہل مشرقی ترکستان اپنے پڑوس میں بسنے والے اہل پاکستان سے مدد و اعانت کے خواستگار ہیں، اور کلام اللہ کی یہ آیت آپ ہی سے مخاطب ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝﴾

(سورۃ النساء: ۷۵)

''اور (اے مسلمانو) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکال لیجے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجیے، اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجیے۔''

اپنے ضعف کو قوت سے بدلنے کے لیے، کم ہمتی کو شجاعت اور دلیری میں تبدیل کرنے کے لیے، قدم اٹھانے کی ہمت اور قوت حاصل کرنے کے لیے، عقل کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لیے، شیطان کے وساوس کو ایک تھتکار سے دور کرنے کے لیے ایک اور نقشہ اپنی نگاہوں میں سجائیے۔ مکہ۔ جہاں اللہ رب العزت کا گھر ہے۔ جو خطۂ زمین پر سب سے مقدس مقام ہے۔ اس مقدس مقام پر موجود مقدس ترین ہستی، قریش کے عالی ترین نسب سے تعلق رکھنے والا فرد، جس کی صداقت و امانت کی گواہی اس کے مخالفین بھی برملا دیتے تھے، اور اس مقدس ترین ہستی کے ارد گرد بلال حبشی، صہیبِ رومی، خباب بن ارت، یاسر رضی اللہ عنہم جیسے غلام جو اپنے نبی کے گرد اگرد پروانوں کی طرح منڈلاتے اور ان کے ایک ایک حکم پر اپنی جان نچھاور کر ڈالنے کو تیار ہوتے۔ جبکہ دوسری جانب اس مقدس ہستی کی مخالفت میں پیش پیش مکہ کی ایلیٹ......! جو طعنے دیتی کہ اس نبی کو تو دیکھو جس کے پیرو چند نوجوان اور بے کس و مجبور غلام و غریب لوگ ہیں۔

پھر وقت کا پہیہ گھوما اور شعب ابی طالب کی سختیوں کو سہنے والے، دار ارقم میں چھپ چھپ کر ملنے والے، مکہ کی گھاٹیوں میں پوشیدہ طور نماز ادا کرنے والے (باقی صفحہ نمبر 71 پر)

اسلامیانِ ہند کی خدمت میں گزارشات

استاد اسامہ محمود حفظہ اللہ

ہماری یہ گزارشات ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کے نام ہیں۔ علمائے کرام، داعیانِ دین، اصحابِ فکر، نوجوانانِ اسلام اور ہندوستان کے وہ سب اہلِ دل ہمارے مخاطب ہیں جو یہاں مسلمانوں کی حالتِ زار پر دردمند اور ان کے مستقبل کے حوالہ سے فکر مند ہیں، پھر محمدِ عربی ﷺ کے خاص وہ غلام ہمارے مخاطب ہیں جن کے چہرے نورِ ایمان سے روشن ہیں، شرک و ظلم کے اندھیروں سے جو دبنے اور ڈرنے والے نہیں، اور جو کفر و الحاد کے طوفانوں کا مقابلہ کرنے اور اسلام دشمن سیلابوں کا رُخ اسلام ہی کے حق میں پھیرنے کا عزم رکھتے ہیں۔

وہ کیا امور ہیں کہ جو اسلامیان ہند کو خصوصی طور پر اپنے سامنے رکھنے چاہیے اور کیا عملی اقدامات ہیں کہ جن کو اٹھا کر ہم بے رحم طوفانوں سے اپنی حفاظت کرسکتے ہیں؟ اللہ ہماری رہنمائی فرمائے اور توفیق و مدد سے نوازے، اس سے متعلق نکات کی صورت میں چند گزارشات ہیں جو آپ کی خدمت میں رکھ رہے ہیں۔

1. پہلا نقطہ، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف بحیثیت مجموعی رجوع ہو، اللہ ہمارا خالق ومالک ہے، وہی ہمارا معبود اور حاکم ہے، لہٰذا اللہ کی عظمت کے مقابل کسی مخلوق کی عظمت ہم قبول نہ کریں۔ اُس رب عظیم کے مقابل کسی عدالت، کسی ریاست، عوام یا خواص کے کسی حکم و فیصلے کی تقدیس ہم نہ کریں۔ وطنیت اور جمہوریت، یہ سب عصر حاضر کے تراشیدہ بت ہیں، ان سب کا انکار جبکہ صرف للّٰہیت اور اسلامیت کا ہم اقرار کریں۔

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تُو مصطفوی ہے

صرف اللہ کے سامنے ہم جھکیں، اللہ کے احکامات کی پیروی کریں اور اللہ کے احکامات کے مقابل کسی کے اصول واحکامات کو ہم خاطر میں نہ لائیں۔ یہی 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کا تقاضہ ہے۔

2. دوسرا، 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' کی یہ دعوت ہم عام کریں، اس کلمے کا معنی و مفہوم، فرائض اور تقاضے خود بھی ہم سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں، یہ کلمہ تمام معبودوں اور بادشاہوں سے انکار جبکہ صرف ایک اللہ کی عبادت اور اطاعت کا اعلان ہے۔ یہ دعوت ہم اپنوں کے سامنے بھی رکھیں اور پرایوں کے سامنے بھی۔ سب کو ہم سمجھائیں کہ ہماری دنیا و آخرت کی تمام تربھلائیاں بس اس کلمہ کو ماننے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ہیں۔ ہمارے اخلاق و کردار، معاشرت و معاملات، دعوت و خدمت خلق، دوستی و دشمنی کا ڈھنگ سب شریعت کے مطابق اور کلمۂ توحید کی عملی تصدیق کرنے والے ہوں۔ اسلام و شریعت پر عمل اور اس کی دعوت کے سبب اگر مشاکل و محرومی کا سامنا ہو، تو سامنا کیا جائے اور اگر اس کی خاطر سب کچھ کی قربانی بھی دینی پڑے اس سے دریغ نہ ہو۔ ہماری دعوت وتحریک اور فکر وسعی شرعی اصولوں کے گرد ہو، نہ کہ قومی و شخصی مفادات کے گرد۔ ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ اس طرزِ فکر و عمل کا فائدہ اسلام کو بھی ہو گا اور بطورِ قوم ہم مسلمانوں کو بھی، لیکن قومی فوائد کے نام پر اگر احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ہم کریں، تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ ہماری قوم کے لیے بھی کبھی کوئی برگ وبار نہیں لائے گی۔

3. تیسرا، ہندوستان میں جو ہمیں کچھ نہ کہے، یعنی ہمارے اوپر جو ہاتھ نہ اٹھائے، ہم بھی اسے کچھ نہ کہیں اور ہم بھی اس کے لیے مکمل طور پر امن کے پیغامبر ہوں، لیکن اگر کوئی ہمیں، ہمارے بچوں، ماؤں اور بہنوں کو مارنے آئے، کیا اس کے سامنے بھی ہم پر امن ہوں؟ نہیں، قطعاً نہیں... تمام علماء وفقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ عدوِ صائل، حملہ ور دشمن کو روکنا اور اپنے دین و دنیا کو اس کے فساد سے محفوظ کرنا نماز کے بعد اہم ترین فرض ہے۔ ہندو کی فطرت ہے کہ یہ کمزور کو مارتا اور پسے ہوئے کو مزید پیٹتا ہے جبکہ طاقت ور کو دیوتا بنا کر اس کی پوجا کرتا ہے۔ برما میں قتل عام صرف وہاں ہی ہوا جہاں مزاحمت نہیں ہوئی، مگر جہاں مزاحمت ہوئی، محض لاٹھی اور پتھروں سے بھی جہاں دفاع ہوا، وہاں دشمن بھاگنے پر مجبور ہوا۔ پھر عزیز بھائیو! اعداد و تیاری چونکہ خود ایک مستقل فرض ہے۔ اس لیے علماء کرام اور داعیانِ دین کی خدمت میں ہم درخواست کرتے ہیں کہ اس کی بھرپور ترغیب دیں اور اس کے لیے باقاعدہ ابھی سے صف بندی کریں۔ دلوں میں شہادت کا جذبہ پیدا کیا جائے، ظاہر ہے شہادت سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں اور اپنے دین وایمان، اہل وعیال اور مسلمانوں کے دفاع میں جان دینا افضل شہادت ہے۔

4. چوتھا، دنیا بھر میں الحمدللہ جگہ جگہ میادینِ جہاد گرم ہیں، یہاں غلبۂ دین اور مظلوموں کی نصرت کے لیے مجاہدینِ اسلام برسرپیکار ہیں، دفاعِ امت کے اس ہر اول دستے، ان ابطالِ اسلام سے آپ لاتعلق مت رہیے۔ ضروری ہے کہ ان میدانوں میں آپ بھی شریک ہوں اور تحریکِ جہاد کی نصرت و تائید میں آپ کا

بھی بھرپور حصہ ہو۔ آپ کا قریب ترین میدان، جہادِ کشمیر ہے، اس جہاد میں آپ جان ومال سے شریک ہوں۔ تحریکِ جہاد میں آپ کی یہ شمولیت اور کسی بھی سطح پر آپ کی شرکت ہندوستان بھر میں اسلام اور مسلمانوں کی تقویت کا ان شاءاللہ سبب بنے گا۔

5. پانچواں اور آخری نقطہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا نقاط پر زیادہ سے زیادہ اتفاق و اتحاد پیدا کریں اور ان تمام امور کو مکمل نظم وضبط کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کیجیے۔

اللہ سے دعا ہے کہ مسلمانانِ ہند کو وہ عزت، قوت اور شوکت سے نوازے......یا اللہ، ہندوستان میں ہمارے بھائیوں کے دین وآبرو، جان ومال اور اہل وعیال کی حفاظت کیجیے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم برصغیر میں غلبۂ اسلام کی تحریک میں اپنا سب کچھ لگائیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں وہ دن دکھائے جب پاکستان و ہندوستان اور پورے برصغیر میں اللہ کی رحمانی شریعت کا راج ہو اور ظلم وکفر کے جھنڈے سب سرنگوں ہو، آمین یارب العالمین۔

وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

بقیہ: اسلام ہی اس ملک کی بنیاد و بقا ہے

، طائف سے ٹھکرائے جانے والے، ایامِ حج میں قبائل پر اپنا آپ پناہ کی خاطر پیش کرنے والے، اللہ رب العزت کے محبوب ترین نبی اور ان کے وہ پیروکار کہ جنھیں رب العزت نے اپنی دائمی رضامندی کا پروانہ اس دنیا میں ہی عطا فرمادیا، اپنے رب کی اطاعت کی بنا پر، اس کی فرماں برداری اور اس کے دین کی اتباع کی بنا پر غالب ہوتے ہیں اور اس دین کا پیغام لیے کُل عالم پر چھاجاتے ہیں۔ جنھیں کل پناہ نہ ملتی تھی، آج بڑے بڑے بادشاہ ان سے پناہ چاہتے ہیں، جو اپنے دین پر سکون کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی خاطر یہود و مشرکین سے معاہدے کرتے تھے، آج ان کے سامنے وفود کے وفود معاہدے کے لیے اور بیعت کے لیے آرہے ہیں۔ وہ جو کل زمین میں پسے اور دبے ہوئے تھے آج وہی غالب اور حکمران ہیں۔

وہ ہستیاں کہ جنھیں ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے لقب کے ساتھ پکارتے ہیں، اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ عام لوگ تھے، کچھ غریب اور کچھ امیر، مگر وہ عوام تھے۔ بہت سے وہ تھے جو فاقہ کشی پر مجبور تھے اور کئی ایک وہ بھی تھے جن کے تجارتی قافلے مال و اسباب سے بھرے ہوتے تھے۔ جب اسلام آیا اور ان سب نے اپنے نبی کی پیروی اختیار کی تو وہ سب کے سب ایک ہی لڑی میں پروئے گئے، تمہارا نام مسلم ہے، تمہاری پہچان اسلام ہے، تمہارا رب، تمہارا نبی، تمہاری کتاب، تمہارا دین، تمہارا عقیدہ ایک ہے۔ پھر ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز۔ یہ ابو بکر ہیں اور یہ انھی کے آزاد کردہ بلال حبشی۔ اسلام نے انھیں عزت دی، اسلام نے انھیں برابری اور مساوات سکھائی، اسلام نے ان میں کالے گورے، آزاد اور غلام، عربی و عجمی کا فرق ختم کیا اور سب کو تقویٰ کے معیار پر پرکھنا سکھایا۔

اگر آپ یہ سمجھتے ہیں اور یہ خوف آپ کو حق راستے پر قدم نہیں رکھنے دیتا کہ اسلام پر چلنے والے، اس کی خاطر قربانیاں دینے والے، جہاد کرنے والے ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے اور اللہ رب العزت کبھی ان کو کشادگی عطا نہیں فرمائے گا اور کبھی انھیں ان کے دین کے ذریعے راحت اور کشادگی عطا نہیں فرمائے گا تو اوپر بیان کردہ نقشہ آپ کی سوچ کی پرزور تردید کرتا ہے۔ حق آکر رہے گا اور باطل مٹ کر رہے گا، اہل حق اور ان کی نصرت کرنے والے جنت کے حق دار بنیں گے اور اہل باطل اور ان کے اعوان و مددگار جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اہل حق جتنے بھی مصائب سے اس دنیا میں گزریں، اللہ انھیں کبھی دنیاوالوں کے سامنے ذلیل ورسوا نہ ہونے دے گا اور دائمی عزت و جاہ تو ہے ہی ان کے لیے، جب کہ اہل باطل بظاہر شان و شوکت میں گھرے ہیں مگر درحقیقت وہی ذلیل ورسوا ہیں اس دنیا میں بھی اور آخرت کی ذلت تو ہے ہی انہی کے لیے۔ اللہ ہمیں ان میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے کہ جن کی زندگی کا مقصد ہی رب کی عبادت اور اس کے دین کے نفاذ کی کوشش ہے اور دنیا و آخرت میں عزت و شان وبلند مقام جن کا مقدر ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

بقیہ: ایفائے عہد

فضول باتوں کو آپ ناپسند کرتے تھے۔

اپریل ۲۰۲۰ء کے ایک دن ہمیں اطلاع ملی کہ میلہورہ شوپیاں میں فائرنگ ہو رہی ہے۔ ہم بہت زیادہ پریشان ہوگئے کہ کہیں ہمارے ساتھی محاصرہ میں نہ آگئے ہوں۔ بعد میں پتا چلا کہ ہمارے چار ساتھی دشمن سے لڑ رہے ہیں جن میں اسامہ بھائی اور لقمان بھائی بھی شامل ہیں۔ یہ ساتھی گلی کوچوں میں شام سے لے کر صبح تک کفار سے لڑتے رہے۔ ان کی بہادری سے بدحواس ہو کر ان کی شہادت کے بعد کفار نے ان کے جسموں پر گاڑی چلائی اور ان کے چہروں کو گاڑی تلے روند دیا۔ اسامہ بھائی اور ان کے ساتھیوں نے شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل کرلیا اور اپنے رب سے کیا وعدہ نبھاگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسامہ بھائی اور ان کے ساتھیوں کی شہادت قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں انھیں اعلیٰ ترین مقام نصیب فرمائے اور محشر میں انھیں صحابہ کرام، صالحین اور شہدا کے ساتھ اٹھائے، آمین۔

ایفائے عہد

عِکرمہ شوپیانی

۱۱ جولائی ۲۰۱۹ء کی بات ہے کہ جب لقمان بھائیؒ کی طرف سے مجھے اطلاع ملی کہ رب ذوالجلال کے عظیم راستے، جہاد فی سبیل اللہ میں میرا بھی ٹکٹ کٹ گیا، اور وہ لمحہ کہ جس کا برسوں سے انتظار تھا، آن پہنچا اور آج شام وہ مجھے ریسیو کریں گے۔ اُس دن میں کچھ گھریلو امور میں مصروف تھا مگر میں نے تمام امور کو بالائے طاق رکھ کر رب ذوالجلال کے فضل و کرم سے جہاد میں جانے کی تیاری شروع کر دی، کیونکہ میرے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر آج میں اس عظیم کارروان میں شامل نہیں ہو سکا تو اللہ تعالیٰ میری جگہ کسی اور کو لے آئیں گے۔ میں نے لقمان بھائی کو اطلاع کی کہ میں تیار ہوں، انھوں نے مجھے کچھ نصائح سے نوازا اور میں نے عزم کیا کہ ان شاء اللہ ان پر ہمیشہ کاربند رہوں گا۔ گھر سے روانہ ہونے کے بعد لقمان بھائی نے مجھے ایک جگہ ٹھہرنے کو کہا تھا۔ جوں ہی میں اُس جگہ پہنچا تو تھوڑی دیر بعد ہی ایک ساتھی آیا اور مجھے اپنے ساتھ لے گیا۔ دن بھر میں اُس ساتھی کے ساتھ ہی رہا۔ لقمان بھائی اُس ساتھی سے بار بار میرا احوال دریافت فرما رہے تھے۔ میں دن بھر بے قرار رہا کہ کب لقمان بھائی سے ملاقات ہو گی اور کب باضابطہ طور پر اس عظیم کارروان میں، جس میں شامل ہونے والوں کے متعلق رب ذو الجلال نے فرمایا کہ أُوْلَئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ، اپنا پہلا قدم رکھوں گا کہ یہ حدیث سن رکھی تھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کا جب پہلا قدم جہاد کے راستے میں اٹھتا ہے تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

کھانے اور نمازِ مغرب کی ادائیگی کے فوراً بعد ہم نے اپنا سفر شروع کیا۔ تقریباً ایک گھنٹے کا سفر تھا جس کے بعد ہم ایک باغ میں جا پہنچے، ہر سو اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جو ساتھی میرے ساتھ تھا اُس نے ایک کوڈ دہرایا اور لقمان بھائی، جو ایک جگہ گھنے درختوں میں بیٹھے ہوئے تھے، فوراً باہر نکل آئے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ لقمان بھائی نے جہاد میں نکلنے سے قبل مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب میں جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہو جاؤں گا تو پھر میں آپ کو بھی اس کارروان میں شامل کراؤں گا۔ کچھ دیر بات چیت کے بعد لقمان بھائی نے مجھے جعبہ (جہادی سامان مثلاً گرنیڈ، بندوق کے میگزین وغیرہ رکھنے کی جیکٹ) پہنایا اور بہت سارے سامان سے مجھے سجایا پھر کچھ دیر گرنیڈ اور دیگر اسلحہ استعمال کرنے کی ٹریننگ بھی دی۔ اس کے بعد لقمان بھائی اور میں دوسرے پوائنٹ پر جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ پوائنٹ اتنا دور نہیں تھا، مگر لقمان بھائی خذوا حذرکم کے حکم پر پوری طرح کاربند تھے، یعنی اے ایمان والو! احتیاطی تدابیر کو مضبوطی سے تھام لو۔ وہ بنا آواز پیدا کیے چل رہے تھے تاکہ کوئی ہمارے قدموں کی آواز نہ سن سکے، یہاں تک کہ ہم ایک انصار کے گھر پہنچ گئے۔ نمازِ عشا کی ادائیگی اور کھانے سے فراغت کے بعد لقمان بھائی نے کہا کہ آپ سو جائیں، آج میں خود رباط پر رہوں گا۔ وہ اس عظیم عمل کو سرانجام دینے لگے جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک دن پہرہ دینا، دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے۔ یہی وجہ تھی کہ لقمان بھائی نے پہرہ داری کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ میں سو گیا کہ اچانک رات کے آخری حصے میں ہم نے کچھ آواز سنی۔ میں نے لقمان بھائی سے کہا کہ کچھ آواز ہے۔ انھوں نے کہا کہ آپ سو جائیں میں خود دیکھتا ہوں۔ پھر انھوں نے اپنے ہاتھ میں ہتھیار اُٹھایا اور باہر جا کر دیکھ بھال کر آئے اور کہا کہ باہر کچھ بھی نہیں ہے، آپ لوگ (یعنی وہ انصار اور میں) سو جائیں۔ ہم پھر اطمینان سے سو گئے۔ نماز تہجد اور نماز فجر کی ادائیگی کے بعد لقمان بھائی نے مجھے کچھ اذکار بتائے اور کہا یہ ہمیشہ پڑھا کرنا۔ اذکار کے بعد ہم نے ناشتہ کیا اور لقمان بھائی تلاوت قرآن کریم میں مشغول ہو گئے۔ آپؒ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کیا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ تفسیر کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے۔ ہم دن بھر انھی انصار کے گھر رہے یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہو گیا اور ہم نے مغرب کی نماز ادا کی اور پھر دوسرے علاقے کی طرف سفر شروع کیا۔

جب ہم ایک جگہ پر پہنچے تو لقمان بھائی نے مجھ سے پوچھا خوش ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں! بہت خوش ہوں، الحمدللہ۔ اس عظیم عبادت میں ایک رات گزارنے کے بعد میں کیوں کر خوش نہ ہوتا کہ جس کے متعلق میرے نبی کا فرمان ہے کہ جہاد میں اتنا وقت گزارنا جتنا وقت اونٹنی کو دوہنے میں لگتا ہے، ایک مہینے کے روزے رکھنے سے افضل ہے۔ پھر پوچھا کہ کیا گھر یاد آ رہا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ ابھی مجھے جہاد میں شامل ہوئے پانچ چھ دن ہی گزرے تھے کہ لقمان بھائی نے مجھ سے صفِ شریعت یا شہادت میں شمولیت کے بارے میں مشورہ کیا تاکہ ہم بھی آزاد جہاد کی صفوں میں شامل ہو جائیں۔ لقمان بھائی اور میں اس وقت دوسرے نظم سے وابستہ تھے۔ میں راضی ہو گیا کہ شریعت یا شہادت والوں سے مجھے پہلے سے ہی محبت تھی اور میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ یہی دعا کرتا تھا کہ یا اللہ مجھے جہاد میں قبول فرما اور وہ بھی کاروانِ شریعت یا شہادت کے ساتھ۔ دو دن کے بعد ہی ہم نے آزاد جہاد کی طرف اپنا سفر شروع کیا اور مغرب کے بعد ہم ایک جگہ پر پہنچے جہاں سے ہم برہان بھائی اور اُن کے ساتھیوں سے جا ملے۔ برہان بھائی نے ہمارا بہت ہی اچھے انداز سے اکرام کیا، تھوڑی دیر تک بات چیت بھی ہوئی، الحمد للہ۔ برہان بھائی سے مل کر ہم بے حد خوش ہوئے۔ میں سوچتا رہا کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا کیونکہ ان کے ساتھ ایکٹو یعنی شامل ہونا بہت مشکل تھا۔ اس کے بعد ہم نے برہان بھائی کے ساتھ پانچ چھ دن گزارے۔ پھر برہان بھائی نے ترتیب بنائی کہ دو ساتھی الگ ہو جائیں کیونکہ پانچ ساتھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔ پھر ایک ساتھی کو حمزہ بھائی کے پاس بھیجا گیا اور مجھے

اسامہ بھائی کے پاس جانے کو کہا گیا۔ مغرب کی نماز کے بعد برہان بھائی اور لقمان بھائی نے مجھے گلے لگایا اور سفر کے لیے روانہ کیا۔ اس وقت ان سے جدا ہونا مجھے بہت مشکل محسوس ہوا کیونکہ لقمان بھائی اور برہان بھائی سے بہت محبت تھی، ان کے مزاج کو بھی میں اچھی طرح سمجھ گیا تھا اور ان کے ساتھ دل بھی لگ چکا تھا لیکن جہاد کا تقاضا تھا کہ میں الگ رہوں تو ترجیح جہاد کے تقاضے کو ہی دینی تھی۔

گھنٹے بھر کے سفر کے بعد مجھے ایک ساتھی کے حوالے کیا گیا جن کے ساتھ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک انصار کے گھر میں داخل ہوا اور سلام کیا۔ اسامہ بھائی اور عابد خان کھڑے ہو گئے، مجھے گلے لگایا اور بہت خوشی سے ملے۔ تھوڑی دیر بات چیت کے بعد پھر ہم نے کھانا کھایا۔ اسی دوران اسامہ بھائی نے ایک مفتی صاحب سے کچھ سوالات پوچھے۔ اسامہ بھائی کی یہ ایک صفت اور خصوصیت تھی کہ انھیں اگر کوئی مسئلہ پیش آتا تو فوراً علما کی طرف رجوع کیا کرتے تھے کیونکہ میرے نبی کا فرمان ہے کہ علما انبیا کے وارث ہیں۔ دوسرے دن اسامہ بھائی میرے لیے کچھ خاص چیزیں لائے جو سفر میں بہت ضروری ہوتی ہیں اور نئے کپڑے بھی لا کر دیے۔ آپ نے مجھے اتنا پیار دیا کہ میں سب کچھ بھول گیا۔ آپ ساتھیوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور انھیں ماں باپ کی جدائی محسوس ہونے نہیں دیتے تھے۔ ہمیشہ ساتھیوں کو ہنساتے تھے اور ساتھیوں کو کسی چیز کی کمی محسوس ہونے نہیں دیتے تھے۔ خود سے زیادہ ساتھیوں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ آپ بار بار یہ کہا کرتے تھے کہ ایک ساتھی دوسرے ساتھی کی ماں بھی ہے اور باپ بھی۔ لہٰذا جب بھی کوئی مشکل پیش آئے تو ساتھیوں سے کہنے سے شرمانا نہیں۔ اگر آپ اپنے ساتھیوں کو نہیں بتائیں گے تو پھر کس کو بتائیں گے۔

اسامہ بھائی کارروائیوں میں شرکت کا بہت شوق رکھتے تھے اور بار بار یہ کہا کرتے تھے کہ کارروائی کا موقع کب ملے گا تاکہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جا سکے۔ آپ کی رگ رگ میں شجاعت بھری ہوئی تھی۔ خطروں سے کھیلنا آپ کا شوق تھا۔ ایک دن ہم ایک انصار کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ امیر صاحب یعنی بھائی ہارون عباسؒ کا حکم آیا کہ کارروائی کرنی ہے۔ اسامہ بھائی، جنھیں اللہ تعالیٰ نے ذہنی صلاحیت سے بھی نوازا تھا اور وہ ہر کام ہوشیاری اور دھیان سے انجام دیتے تھے، نے اس کارروائی کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ پھر آپ نے ہم سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ آپ سب تیار ہیں؟ ہم نے کہا آپ کا جو حکم ہو، ان شاء اللہ تیار ہیں۔ اس کے بعد آپ نے کارروائی کی تفصیل ہمارے سامنے پیش کی، سارا پلان ہمیں اچھی طرح سے سمجھایا، پھر کچھ نصیحتیں بھی کیں کہ کس طرح کیا کرنا ہے۔ وہ نہایت بے تابی کے ساتھ آنے والے دن کے منتظر تھے کہ کب دشمنِ اسلام ہندو بنیے کو سبق سکھایا جائے۔ اگلے دن کا سورج طلوع ہوا تو آپ نے فرمایا کہ کارروائی وہ کامیاب ہے جس میں دشمن کو خوب نقصان پہنچے اور خود کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

مغرب کی نماز کے بعد ہم نے کارروائی کی جگہ کی طرف اپنا سفر شروع کیا اور الحمد للہ آدھے گھنٹے کے بعد ہم اُس جگہ پر پہنچے جہاں ہمیں کارروائی کرنی تھی۔ اُس وقت مجھے بارہ دن ہی ہوئے تھے محاذ پر آئے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کارروائی کے لیے چن لیا۔ زیادہ پتا نہیں تھا کہ کیا ماحول ہوتا ہے کارروائی کا مگر الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اطمینان سے بھر دیا تھا۔ نماز عشا کے بعد ہم نے مائن، یعنی بارودی سرنگ زمین میں دبا دی اور چند میٹر کے فاصلے پر بیٹھ کر دشمن کا انتظار کرنے لگے۔ اسامہ بھائی نے ہمیں بتا رکھا تھا کہ آپ لوگوں نے فائر نہیں کھولنا کیونکہ جس گاڑی میں دشمن آنے والے تھے وہ بلٹ پروف تھی۔ ہم رات کا بیشتر حصہ دشمن کا انتظار کرتے رہے مگر کفار کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ عابد خان نے اسامہ بھائی سے کہا کہ وہ شاید آج نہیں آئیں گے۔ اسامہ بھائی نے کہا کہ تھوڑی سی دیر مزید انتظار کر لیتے ہیں۔ صبح کے ۳ بج کر ۵ منٹ ہو چکے تھے کہ مجھے کچھ روشنی نظر آئی، میں نے آپ سے کہا کہ بھائی! شاید یہ دشمن کی گاڑی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی ہمارے قریب پہنچ گئی۔ اسامہ بھائی بیٹری کے قریب پہنچ چکے تھے اور سورۃ انفال کی یہ آیت دہرا رہے تھے

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (سورۃ الانفال: ۱۷)

”چنانچہ (مسلمانو! حقیقت میں) تم نے ان (کافروں کو) قتل نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا، اور (اے پیغمبر) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی اور (تمہارے ہاتھوں یہ کام اس لیے کرایا تھا) تاکہ اس کے ذریعے اللہ مومنوں کو بہترین اجر عطا کرے۔ بے شک اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے۔“

جوں ہی دشمن کی گاڑی ہمارے پوائنٹ پر پہنچی جہاں ہم نے بارود رکھا تھا، اسامہ بھائی نے فوراً بیٹری کا کنکشن جوڑا۔ زوردار دھماکہ ہوا اور کفار کی چیخیں نکل گئیں۔ اللہ کی جانب سے لکھی تقدیر غالب آئی اور کفار میں سے کوئی قتل نہیں ہوا مگر گاڑی وہیں پر خراب ہو گئی اور کچھ کافر زخمی بھی ہوئے۔ بھارتی کفار اتنے خوف زدہ ہوئے کہ بدحواس ہو کر تقریباً چار گھنٹے تک مسلسل فائرنگ کرتے رہے اور صبح سات بجے تک گاڑی سے نہیں اترے۔ اسامہ بھائی نے ہمیں واپسی کا راستہ بتا رکھا تھا کہ یہاں سے ہم کس طرح بحفاظت نکل کر اپنے ٹھکانے پر پہنچیں گے۔ جو راستہ ہم نے طے کیا تھا واپسی کا، ہم اسی پر گامزن ہوئے۔ دشمن لگاتار فائرنگ کر رہا تھا۔ ہم اللہ کے فضل سے چلتے رہے جبکہ چاروں طرف دشمن کی گاڑیوں کی آواز آ رہی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک مسلسل چلتے رہنے کے بعد ہم ایک سڑک پر جا پہنچے۔ جوں ہی اسامہ بھائی نے دیکھا تو ہم وہیں پر واپس پہنچ چکے تھے جہاں پر ہم نے کارروائی کی تھی، یعنی ہم پوری طرح سے راستہ بھول چکے تھے۔ اندھیرا بہت زیادہ تھا جس کی وجہ سے ہمیں کچھ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ دوسری طرف کفار کی گاڑیوں کا شور ہمارے کانوں میں گونج رہا تھا۔ آہستہ آہستہ ہم ایک پل کے قریب پہنچ گئے۔ بس یہی واحد راستہ تھا جہاں سے ہم نکل سکتے تھے، کیونکہ کفار نے سارے گاؤں کو اپنے محاصرے میں لے لیا تھا۔ جب پل کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ پل کے ایک طرف

ایک گاڑی کھڑی تھی اور دوسری سائیڈ پر دوسری گاڑی موجود تھی۔ اب تو ہم سب نے توبہ استغفار شروع کی اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ ہمارا یہی خیال تھا کہ شاید رب ذوالجلال سے ملاقات کا وقت آگیا ہے۔ کچھ دیر بعد کفار نے پھر سے فائرنگ شروع کر دی اور وہ دونوں گاڑیاں جو پل پر موجود تھیں فوراً گاؤں کی طرف بھاگ گئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی کہ وہ راستہ کھل گیا۔ پھر ہم آہستہ آہستہ نکل گئے۔ اندھیرا اتنا تھا کہ دوسرا ساتھی نظر نہیں آرہا تھا۔ اسامہ بھائی آگے چل رہے تھے اور ہم ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ بیس منٹ کے بعد ہم ایک سڑک پر پہنچے اور آپؒ نے کہا کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہمارے کپڑے اتنے بھیگ چکے تھے کہ چلنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد الحمدللہ ہم ایک انصار کے گھر میں پہنچے، اپنے کپڑے تبدیل کیے اور کچھ گھنٹے آرام کیا۔ اسامہ بھائی کچھ غم زدہ تھے کہ کفار کو نقصان کیوں نہیں پہنچا مگر پھر خود ہی کہنے لگے کہ مارنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، ہم تو صرف کوشش ہی کر سکتے ہیں۔ پھر ارادہ کیا کہ ان شاءاللہ اگلی کارروائی میں دشمن کو بہت نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اسامہ بھائی کو بہت سے اوصاف سے نوازا تھا۔ آپؒ ساتھیوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ جب بھی ہم ان کے لیے کوئی چیز لاتے تو وہ پہلے ساتھیوں کو دیتے تھے پھر خود پسند فرماتے تھے۔ جب کبھی بھی کسی ساتھی کو کوئی پریشانی پیش آتی تو فوراً اُس ساتھی کی پریشانی میں شریک ہوتے اور ساتھیوں کو ہمیشہ صبر، حوصلہ اور امنیت کی تلقین کرتے تھے۔ اسامہ بھائی کو کشمیری نوجوانوں کی بہت فکر تھی۔ بار بار فرماتے تھے کہ نوجوان روز بروز دین سے دور ہوتے جارہے ہیں اور دشمن اُن کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھا رہا ہے اور انہیں نشہ آور چیزوں جیسے چرس، براؤن شوگر (ہیروئن)، ایس آر (شراب کی ایک قسم) اور شراب وغیرہ کا عادی بنا رہا ہے۔ آپ کو ان غلط چیزوں سے بہت زیادہ نفرت تھی۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ نوجوانوں کو اس مہلک بیماری سے نجات دلادیں۔ ایک دن ہم ایک انصار کے گھر میں موجود تھے کہ ہم نے باہر نوجوانوں کا ایک بڑا مجمع دیکھا۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید یہ یوں ہی کچھ گپ شپ کر رہے ہیں۔ اسامہ بھائی نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ یہ نوجوان کیا کر رہے ہیں؟ گھر والوں نے افسوس کے ساتھ بتایا کہ یہ لوگ نشہ کرتے ہیں اور نشہ آور اشیا فروخت بھی کرتے ہیں۔ اسامہ بھائی کو بہت غصّہ آیا اور جوش میں بولے کہ ہم ابھی ان کو سبق سکھائیں گے۔ مغرب کی نماز کے بعد ہم اس گھر میں گئے جن کا بیٹا سب سے بڑا ڈیلر تھا۔ وہ ایسا بے حیا شخص تھا کہ عین مسجد کے گیٹ پر وہ یہ غلط کاروبار کر رہا تھا۔ لوگوں میں ہمت نہیں تھی کہ اس کو کچھ کہہ سکیں۔ آپؒ نے پانچ چھ ڈنڈے مار کر اس کو سیدھا کر دیا۔ پھر رات بھر اس نوجوان کو اپنے ساتھ رکھا۔ تہجد کے وقت تک اس نوجوان کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی کیونکہ وہ براؤن شوگر کا عادی تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر آپؒ غم زدہ ہو گئے۔ وہیں پہ اسامہ بھائی نے یہ عہد کیا کہ میں اس بیماری کو روکنے کی ضرور کوشش کروں گا۔ آپؒ مسلسل اس فکر میں تھے کہ اس وبا پر کیسے قابو پایا جائے۔ ایک گاؤں میں اسامہ بھائی کو اطلاع ملی کہ چند نوجوان اس لعنت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ آپؒ نے ان نوجوانوں سے ملاقات کر کے انھیں اس کے نقصانات سے آگاہ کیا اور کچھ نصیحتیں بھی کیں۔ پھر ہم نے سنا کہ وہ نوجوان پانچ وقت کے نمازی بن گئے اور انھوں نے سب برے کام چھوڑ دیے۔ ان نوجوانوں کے ماں باپ اسامہ بھائی کو بہت دعائیں دیتے تھے۔

آپ کفار کی چالوں سے بخوبی واقف تھے۔ حوصلہ اور دلیری آپ کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی۔ آپؒ وقت پر دماغ کا صحیح استعمال کرنا جانتے تھے۔ اسامہ بھائی کو اللہ تعالیٰ نے صبر کی عظیم دولت سے بھی مالامال کر رکھا تھا۔ جب بھی کسی ساتھی کو سختی کا سامنا ہوتا تو آپ فرماتے کہ صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ ایک دن ہم ایک انصار کے گھر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک دوست نے آکر خبر دی کہ اسامہ بھائی کے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر سن کر آپ بہت غمگین ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہے کہ یا اللہ! مجھے صبر عطا فرما۔ نماز مغرب کے بعد ہم نے آپ کے گاؤں کی طرف سفر شروع کیا۔ راستے میں اسامہ بھائی اپنے والد کا ذکر کرتے رہے۔ جوں ہی ہم گاؤں کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ کفار اسامہ بھائی کے گھر کے ارد گرد گھوم رہے ہیں۔ یوں آپ اپنے والد کا چہرہ دیکھنے سے بھی محروم رہے۔ اس موقع پر آپ نے کہا کہ ”مرنا تو سب کو ہی ہے، آج میرے والد کا انتقال ہوا ہے تو کل میرا بھی ہو گا، آخر تو سب کو مرنا ہی ہے، لیکن مومن پر اس دنیا میں جو بھی پریشانی آتی ہے، چھوٹی یا بڑی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اجر اور بدلہ ملتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ہوا کے جھونکے سے چراغ بجھ گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً پڑھا اِنا للہ واِنا الیہ راجعون۔ حضرت عائشہ حیران ہوئیں اور اس موقع پر اِنا للہ پڑھنے کا مقصد دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کا مفہوم ہے کہ اے عائشہ! چراغ بجھ جانا بھی ایک مصیبت ہے اور اس چھوٹی سی مصیبت پر بھی جو مومن یہ کلمات کہے گا اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر بھی اجر ملے گا۔ جب گھر کا چراغ بجھ جائے اور اس پر صبر کرنے والے کو اجر ملتا ہے تو جس کے باپ کی زندگی کا چراغ بجھ جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اس کو کتنا اجر عطا کیا جائے گا“۔ اسامہ بھائی کو اس پریشانی میں اللہ تعالیٰ نے بے انتہا صبر سے نوازا۔

اسامہ بھائی اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والے تھے۔ جب بھی کوئی لغزش ہو جاتی فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور اپنی لغزش پر شرمسار ہو کر سچے دل سے توبہ کرتے۔ آپ اپنا زیادہ تر وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ جب بھی آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے ایسا لگتا تھا کہ کسی کو قرآن پاک سنا رہے ہیں، یعنی بہت خشوع وخضوع کے ساتھ تلاوت کرتے تھے۔ ذکر الٰہی میں دن بھر مشغول رہتے تھے۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ غافلوں میں ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے اندھیرے میں چراغ۔ اسامہ بھائی اندھیرے میں چراغ تھے کیونکہ میں نے انھیں کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوتے نہیں دیکھا تھا (نحسبہ کذالک واللہ حسیبہ)۔ تہجد کی نماز پابندی سے ادا کرتے تھے اور خلوت کو زیادہ پسند کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ خلوت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مزا آتا ہے۔ (باقی صفحہ نمبر 71 پر)

کچھ یادیں 6

ابرار احمد بلوچ

اس تحریر میں کچھ ایسے واقعات ہیں جو مجھے کبھی نہیں بھولتے ان میں سے کچھ تو میرے ساتھ پیش آئے یعنی میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کچھ دوسروں سے سنے۔ یہ واقعات کسی خاص موضوع سے تعلق نہیں رکھتے؛ ان میں مجاہدین کے ایثار، بہادری، تقویٰ وغیرہ کے واقعات ہیں، کچھ انصار کے مہاجر مجاہدین کے ساتھ محبت کے قصے ہیں اور کچھ کافروں کے مظالم کی داستانیں بھی۔ بس ملے جلے واقعات ہیں، اللہ سے دعا ہے کے وہ اس تحریر کو اپنے حضور قبول فرما لے، آمین۔ (ابرار احمد)

سیف اللہ بنگلہ دیشی کی ارضِ جہاد کی جانب ہجرت اور شہادت کا سفر

یہاں جس شہید بھائی کی ارض جہاد کی طرف ہجرت کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے، وہ شہید بھائی نے راقم کو خود سنایا۔ اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد وہ تشکیل پر روانہ ہو گئے اور تشکیل کے ساتویں روز امریکی فوج سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ بنگلہ دیش سے ارض جہاد کی طرف ہجرت کا واقعہ انہوں نے کچھ اس طرح بیان کیا:

میں امریکہ میں پیدا ہوا، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ میرے والد امریکی حکومت میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے، مگر جب میرے والد نے دیکھا کہ ان کی اولاد جوان ہو چکی ہے تو انہوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ایک مسلمان گھرانہ کفار کے ماحول میں رہے، جہاں ہر جگہ لادینیت، عریانی اور فحاشی کا دور دورہ ہو۔ میرے والد کلمۂ لا الہ الا اللہ کو بچانے کی خاطر واپس اپنے ملک بنگلہ دیش منتقل ہو گئے۔ یہاں آنے کے بعد تعلیم کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد میرے کچھ دوست بھی بن گئے؛ انہی میں سے ایک دوست اکثر مجھے نماز کے لیے بھی لے جایا کرتا۔ نماز کے بعد ہم اکثر تعلیم (مجلسِ درس) میں بیٹھتے۔ یوں میں نماز باقاعدگی سے پڑھنے لگا۔ ساتھ ساتھ میں نے کراٹے کی کلاسز میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ محنت اور شوق سے میں کراٹے سیکھتا تھا۔ وہاں میرے کچھ نئے دوست بنے جو مجھے دنیا میں مسلمانوں کی مظلومیت اور حالت زار کے متعلق بھی بتاتے کہ ہر جگہ مسلمان پس رہے ہیں، قبلۂ اول مسجد اقصیٰ یہودیوں کے قبضہ میں ہے، نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے، قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہے......۔ الغرض یہ سمجھایا کہ آج پوری دنیا کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے۔ اللہ نے مجھ پر رحم کا معاملہ فرمایا اور آہستہ آہستہ یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی۔ اب میں ہر وقت مظلوم امتِ مسلمہ کے بارے میں سوچ کر اور وہاں کے نام نہاد مسلمان حکمرانوں کی بے غیرتی پر کڑھتا رہتا۔ آخر کار میں نے بہت سوچ بچار کے بعد جہاد کی سرزمین کی طرف ہجرت کا پختہ ارادہ کر لیا اور اس کی تیاری شروع کر دی۔ میں ہر وقت یہ سوچتا رہتا کہ میں کسی طرح مجاہدین اسلام سے جا ملوں۔ اسی اثنا میں یمن کے مجاہدین کے پاس جانے کی ترتیب بنی جس کے لیے میں ملائیشیا چلا گیا اور وہاں ایک یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ ساتھ ساتھ کوشش بھی جاری رکھی۔ کچھ ماہ بعد یمن جانے کی ترتیب بوجوہ ترک کرنی پڑی۔ یقیناً اس میں اللہ کی طرف سے خیر ہو گی۔

اب میں نے انٹرنیٹ کے ذریعے مجاہدین سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، کیونکہ میرا اپنے ملک کے ساتھیوں سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ بذریعہ انٹرنیٹ کچھ معلومات ملیں اور اس میں چند ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ یہ ایک ترتیب تھی جس کے مطابق میں نے ایک سیّاح کا کَوَر بنایا اور چین کی طرف سفر کیا اور وہاں سے گھومتا ہوا ایک جگہ سے پاکستانی سرحد میں داخل ہوا اور وہاں سے لاہور پہنچ گیا۔ اب مجھے ہوٹل پہنچ کر کچھ معلومات لینی تھیں کیونکہ میرا کسی سے رابطہ نہیں تھا۔ بس یہ معلوم تھا کہ پاکستان میں ایک علاقہ وزیرستان ہے جہاں مجاہدین ہوتے ہیں۔ ہوٹل جانے کے لیے میں رکشہ میں سوار ہوا اور ڈرائیور سے کہا کے فلاں ہوٹل لے چلو۔ میں چونکہ سیّاح کے کور میں تھا اس لیے میں نے تھری پیس سوٹ پہنا تھا اور سگریٹ کی ڈبی میرے ہاتھ میں تھی تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔ سفر کے دوران ڈرائیور نے مجھ سے کہا کہ آپ تو مسلمان ہیں اور آپ جہاں جا رہے ہیں وہاں اکثر غیر مسلم ہوتے ہیں، آپ کو کھانے پینے میں مشکل ہو گی، اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو کسی دوسرے اچھے ہوٹل لے چلوں جہاں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

میں نے تھوڑا سوچ کر اثبات میں جواب دیا۔ کافی دیر بعد ڈرائیور نے ایک بار پھر خاموشی کو توڑا اور اس نے مجھ سے کہا کہ یہ سگریٹ تو ٹھیک چیز نہیں ہے، نشہ آور چیز ہے۔ اس کا بھی میرے پاس ہاں کے علاوہ کوئی جواب نہیں تھا۔ سفر جاری رہا۔ میں نے سوچا کہ ڈرائیور پکا مسلمان اور ایمان دار لگتا ہے کیونکہ پہلی بات اس نے عقیدۂ الولاء والبراء کے حوالے سے کی اور دوسری بات امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تھی۔ میں نے سوچا کیوں نہ اس کو سب کچھ بتا دوں کہ میرا پاکستان آنے کا اصل مقصد کیا ہے؟! ابھی میں اس سوچ میں تھا کہ ڈرائیور نے مجھ سے کہا کہ ہوٹل آ گیا ہے تو میں نے اس سے کہا کہ اکٹھے کھانا کھاتے ہیں اور مجھے تم سے ایک کام بھی ہے۔ کھانے کے دوران میں نے اسے سب کچھ بتا دیا اور کہا بس مجھے کسی طرح جہاد کی سرزمین پر پہنچا دو۔ ابھی میں نے بات مکمل بھی نہیں کی تھی کہ وہ رونے لگا، اس نے مجھ سے کہا کہ پہلے میرے گھر چلتے ہیں وہاں تفصیل سے بات کریں گے۔ گھر پہنچ کر اس نے مجھے شلوار قمیض پہننے کو دی اور مجھے تھوڑی دور ایک دکان پر لے گیا اور اس دکان دار کو کچھ سمجھایا۔ دکان دار کے پاس میں تین راتیں رکا۔ چوتھے دن ڈرائیور آ گیا اس نے مجھے اگلے سفر کی تفصیلات بتائیں۔

رکشہ ڈرائیور نے بہت بڑی قربانی دی تھی۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا اور چار بیٹیاں تھیں اور وہ خود اکیلا کمانے والا تھا۔ جو دن میں کماتا اس سے رات میں بچوں کا راشن لاتا۔ مگر وہ اب رکشہ دو سے

تین دن کے لیے گھر چھوڑ کر آیا تھا کیونکہ وہ مجھے جہاد کی سرزمین وزیرستان بھجوانے کے لیے میرے ساتھ سفر پر روانہ ہو رہا تھا اور وہ فقط رضائے الٰہی کے حصول کے لیے سب کر رہا تھا۔ اس میں اس کا کوئی ذاتی فائدہ نہ تھا بلکہ الٹا اس کو نقصان ہو سکتا تھا مگر وہ خطرہ مول لے کر صرف اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے مجھے لے کر روانہ ہوا۔ ایک دن کا سفر طے کر کے ہم دوسرے شہر پہنچے جہاں اس نے مجھے ایک مولوی صاحب سے ملوایا اور پوری تفصیل بتائی۔ جب مولوی صاحب کو سب بتا چکا تو مجھ سے الوداعی ملاقات کر کے دعائیں دیتا رخصت ہو گیا۔ یہ مولوی صاحب مجھے اگلے دن عصر کے وقت لے کر سفر پر روانہ ہوئے اور ہم نے رات دس بجے تک گاڑی پہ سفر کیا اور اس کے بعد پیدل کا سفر شروع ہوا۔ بقول مولوی صاحب دو گھنٹے بعد پاکستانی فوج کی پوسٹ ہے جس کو ہم تھوڑا سائیڈ سے عبور کریں گے۔ یہ راستہ انتہائی خراب تھا۔ زمین پتھریلی اور جھاڑی دار تھی۔ خراب راستے کے باعث میرے جوتے بھی پھٹ گئے اور میں ننگے پاؤں سفر کرتا رہا۔ نوکیلے پتھر اور جھاڑیوں کی وجہ سے میرے پاؤں خون آلود ہو چکے تھے مگر دل میں ایک جذبہ تھا کہ کسی طرح مجاہدین تک پہنچ جاؤں اس لیے مجھے کوئی غم نہیں تھا!

تقریباً فجر کے قریب ہم وانا پہنچے۔ یہ دسمبر کا مہینہ اور سال ۲۰۱۱ء تھا۔ وہاں میں ملا نذیر شہیدؒ کے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ وہاں پر چند دن گزرے تھے کہ انہوں نے مجھے میران شاہ بھیج دیا۔ یہاں مجاہدین نے میری جانچ پڑتال کے بعد، جو کہ ضروری تھی، مجھے میرے ساتھیوں کے پاس، جو بنگلہ دیش کے ساتھیوں سے رابطے میں تھے، پہنچا دیا۔

سیف اللہ بنگلہ دیشی بھائی نے یہ واقعہ مجھے شمالی وزیرستان کے ایک مرکز میں اس وقت سنایا جب وہ کمانڈان طارق بنگالی بھائی (شہید سہیل بھائی) کی طرف سے تشکیل پر جانے کے امر کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ یہ ۲۰۱۳ء کی گرمیوں کے دن تھے جب واقعہ سنانے کے بعد مخابرے کے نمبر پر ان کو طارق بھائیؒ کی طرف سے کہا گیا کہ تشکیل تیار ہے آپ گھنٹے تک دتہ خیل (جو افغان بارڈر سے دو گھنٹے کے فاصلے پر ہے) پہنچ جائیں۔ یہ سنتے ہی سیف اللہ بھائی پرجوش انداز میں اٹھے اور انتہائی خوشی سے سب سے گلے ملنے لگے اور بندوق اور جعبہ سینے پر سجا کر رخصت ہو گئے۔ مجھ سے جب وہ مل رہے تھے تو مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ ملاقات آخری ہو گی اور پھر اس دنیا میں یہ معصوم سا چہرہ میں کبھی نہ دیکھ پاؤں گا۔

سیف اللہ بھائی کی تشکیل کا ساتواں روز ہو گا کہ جب امارت اسلامیہ افغانستان کے مجاہدین نے امریکہ اور ان کی اتحادی افواج پر بڑے حملے کا ارادہ کیا۔ یہ امریکی کیمپ افغانستان کے صوبے پکتیکا میں تھا۔ سیکڑوں مجاہدین حملہ آور ہونے کے لیے مختلف گروپوں میں روانہ ہوئے۔ سیف اللہ بھائی چند ساتھیوں کے ساتھ تعارضی (دھاوا بولنے والے) گروپ میں تھے اور ان کے پاس راکٹ لانچر تھا۔ قریبی ساتھی بتاتے ہیں کہ سفر کے دوران ہم نے بہت کوشش کی کہ ہم ان سے راکٹ لانچر لے لیں کیونکہ سفر بہت تھکا دینے والا تھا، اونچے اونچے پہاڑ تھے۔ مگر سیف اللہ بھائیؒ اپنے بندوق جعبے سمیت راکٹ لانچر جس کے ساتھ پانچ گولے بھی تھے سارا سفر چلتے رہے (یہ کافی زیادہ وزن ہوتا ہے اور یہ سب اٹھا کے کسی کارروائی میں جانا جب آپ کے ساتھ کوئی دوسرا بھی اٹھانے والا نہ ہو بہت مشکل کام ہے) اور صرف یہ کہا کہ میں اپنا اجر و ثواب ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ رات کے وقت مجاہدین حملے کی جگہ پہنچ گئے اور رات تین بجے کے قریب جنگ شروع ہو گئی۔ ابتدائی پندرہ منٹ میں ہی دو دفاعی مورچے فتح ہو گئے۔ سیف اللہ بھائی اور دیگر ساتھی آگے دیگر دفاعی مورچوں کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اسی اثنا امیر صاحب کی طرف سے امر آیا کہ مجاہدین دشمن کی پوسٹ سے دور ہٹ کر پہاڑوں میں محفوظ جگہ پر پناہ لے لیں کیونکہ امریکی طیارے قریب آ گئے ہیں۔ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب امریکی زمینی طور پر مجاہدین کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو وہ فضائی سہارا لیتے ہیں اور اندھا دھند بمباری کرتے ہیں۔ ایسا یہاں پر بھی ہوا۔ مجاہدین ابھی نکل نہیں پائے تھے کہ بمباری شروع ہو گئی جو صبح تک جاری رہی۔ اس بمباری میں دیگر بہت سے مجاہدین کے ساتھ سیف اللہ بھائیؒ بھی اپنے رب سے جا ملے۔

وہ شہادت کہ جس کی خاطر وہ کئی ممالک کا سفر طے کر کے آئے تھے، آخر ان کو مل ہی گئی اور ان کا یہ کٹھن سفر ایک پر تعیش اور راحتوں والی منزل پر تمام ہوا، ان شاء اللہ!

[اس کہانی میں بیان کردہ 'ارضِ جہاد کی طرف سفر' کو 'اصول' نہ سمجھا جائے، سیف اللہ بنگلہ دیشی بھائیؒ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا کہ انہوں نے ایک رکشہ ڈرائیور کو اپنی ساری کہانی سنا ڈالی اور اس نے ان کے لیے ترتیب بھی بنا دی تو یہ ایک استثنائی صورت ہے اور اللہ کی رحمتِ خصوصی ہے۔ اصلاً مطلوب یہ ہے کہ خوب احتیاط کی جائے اور مستند روابطِ جہاد سے جڑا جائے۔ (ادارہ)]

بقیہ: میلاد النبی پر خوشی منانے کا صحیح طریقہ

اس آیت اور اس کے ہم معنی اور آیات سے معتزلہ نے یہ سمجھا کہ حق تعالیٰ کے ذمے بندوں کا حق ہے۔ لیکن اہل سنت سمجھ گئے کہ یہ دھوکہ ہے، اس لیے کہ حق تعالیٰ غنی بالذات اور لا یسئل عما یفعل، جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا، ان کی صفت ہے، ان پر کسی کا حق نہیں ہو سکتا۔ جس کے ساتھ جو معاملہ چاہیں کریں، وہ سب مستحسن ہے اور معنی ان آیات کے یہ ہیں کہ اس صیغہ سے ہم کو نصرت وغیرہ کا یقین دلایا گیا ہے، جس کو وعدۂ فضل کہتے ہیں، جیسے کوئی حاکم کسی امیدوار سے کہے کہ اب تم یقین رکھو، اب ہم نے تمہارا یہ کام ضروری سمجھ لیا ہے، تو وہ امیدوار و سائل جانتا ہے کہ یہ حاکم کی مہربانی ہے ورنہ کرنا نہ کرنا، دونوں قانوناً ان کے اختیار میں ہے، ان کے ذمہ لازم نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رحمت کے دو درجے ہیں، ایک کا تعلق تو اس کی ضروریات سے ہے جس کا اپنے کو مستحق سمجھتا ہے، اس درجہ کو تو رحمت فرمایا اور دوسرا زائد، اس کو فضل سے تعبیر فرمایا۔ اور آیت کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد رحمت و فضل سے قرآن مجید ہے اور اس میں بھی یہی دو درجے ہیں، ایک وہ درجہ جو مدار ہماری نجات کا ہے، وہ تو ضرورت کا مرتبہ ہے، اور ایک وہ جو اس سے زائد ہے، بہرحال دونوں سے مراد قرآن مجید ہے اور اس پر خوش ہونے کا امر ہے۔ یہ تفسیر اور گفتگو تو الفاظِ آیت کے خصوصیت میں نظر کرنے کے اعتبار سے تھی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

سحر ہونے کو ہے

بنتِ طبیب

نور سٹیج پر سجی سنوری بیٹھی تھی۔ ہال میں ہر طرف چہل پہل تھی۔ اس کے تمام گھر والے ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ اچانک ہال میں شور سا اٹھا اور ارمغان اپنے رشتہ داروں کے جھرمٹ میں ہال میں داخل ہوا۔ اس کو سٹیج پر نور کے برابر رکھی کرسی پر بٹھایا گیا۔ باباجانی اور مصعب اس کے برابر کھڑے تھے۔ ہاجر اور سعد مہمانوں میں گھری اماں کو بمشکل گھسیٹ لائے۔ ارمغان کی امی نے آگے بڑھ کر نور کی انگلی میں انگوٹھی پہنادی کہ اس نے ارمغان کے ہاتھ سے انگوٹھی پہننے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہال مبارک سلامت کے شور سے گونج اٹھا۔ نور اچانک ہی ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔ اس کو لگ رہا تھا گویا اس کے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوں۔

منگنی کا فنکشن ختم ہوتے ہوتے رات کے دو بج گئے۔ نور کمرے میں داخل ہوئی تو ہاجر پہلے ہی بستر پر دراز آنکھیں کھولے اس کی منتظر تھی۔ اس نے بھی بھاری جوڑا تبدیل کیا اور میک اپ صاف کر کے اپنے بستر پر آگئی۔ ہاجر اپنے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"خوش ہو؟" ہاجر نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"ہوں!" نور دھیرے سے مسکرائی، پھر مشکوک نظروں سے اس کو دیکھنے لگی۔ "تم رو رہی ہو؟"

"پتا نہیں!" اس کی آواز بھرّا گئی اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

نور بے اختیار ہنس دی اور اس کے پاس جا کر اس کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ ہاجر بلک بلک کر رونے لگی۔

"کیوں رو رہی ہو؟"

"پتا نہیں!"

اس کو چپ کرا کے وہ واپس اپنے بستر پر آئی اور آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔ اس کی زندگی کا ایک نیا اور حسین دور شروع ہو گیا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے زیرِ لب مسکرا دی۔

☆☆☆☆☆

"فاطمہ! تم سے ایک بات پوچھنی تھی"، نور نے گھاس پر بیٹھتے ہوئے کہا اور بیگ سے عبادہ کی دی ہوئی کتاب نکالی، "ذرا اس کا مقدمہ پڑھ کر دیکھنا!"

وہ تو اس کتاب کو بھول ہی چکی تھی کہ کل اپنے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے اس کی نظر اس کتاب پر پڑ گئی۔ اس کو پھر سے ایک بھولی بسری بات یاد آگئی جس بارے وہ تحقیق نہ کر پائی تھی۔

نور کی خوش قسمتی تھی کہ فاطمہ اس کے ساتھ یونیورسٹی میں بھی پڑھتی تھی۔ اس لیے اس کو سب سے پہلا خیال اسی کا آیا۔

"ہوں! کیا پوچھنا چاہتی ہو؟" فاطمہ نے مقدمہ پڑھ کر سر اٹھایا۔

"جنگ عظیم اول اور دوم کیوں ہوئی تھیں؟"

"ہوں! اچھا!...... چلو کوشش کرتی ہوں کہ مختصر اور آسان الفاظ میں بتا سکوں"، وہ دھیرے سے بولی اور کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی گویا سوچ رہی ہو کہ بات کہاں سے شروع کرے۔

"اچھا! تو سنو! اس کہانی کا مین کردار خلافتِ عثمانیہ اور اس کے دشمن ہیں اور یہ قریباً قریباً اس کے زوال کی کہانی ہے؛ اس لیے ذرا غور سے سننا کہ یہ موضوع شاید تمہیں خشک لگے"، فاطمہ مسکرا کر بولی۔

"تم سناؤ! مجھے ویسے بھی ہسٹری (تاریخ) میں کافی انٹرسٹ ہے"، نور دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔

اتنے میں ان کی دور اور سہیلیاں صائمہ اور شانزہ بھی قریب آگئیں۔

"کیا ہو رہا ہے گرلز؟" صائمہ قریب آنے پر بولی۔

"جنگ عظیم کے حوالے سے بات ہو رہی ہے"۔

"اوہ!...... ویسے کافی خشک موضوع چنا ہے تم لوگوں نے آج"، وہ ہنس کر وہیں بیٹھتے ہوئے بولی، "چلو! میں بھی سنتی ہوں"۔

"خلافت عثمانیہ چھ سو (۶۰۰) سال تک قائم رہی"، فاطمہ نے کہنا شروع ہی کیا تھا کہ اس کی بات اچک لی گئی۔

"یہ تم کیا بتا رہی ہو؟ خلافت اور جنگ عظیم کا آپس میں کیا تعلق ہے؟" شانزہ اچنبھے سے بولی۔

"سنو گی تو معلوم ہو گا ناں!"، فاطمہ بات کاٹے جانے پر جزبز ہوتے ہوئے بولی۔

"اچھا! آگے چلو!" نور بے قراری سے بولی مبادا پھر کوئی بحث چھڑ جائے۔

"چھ سو سال تک قائم رہنے والی خلافت میں سینتیس خلفا گزرے۔ آخری خلیفہ کے آنے تک خلافت کافی کمزور پڑ چکی تھی اور اس میں بہت سی خرابیاں جنم لے چکی تھیں۔ مسلمانوں کے دلوں میں دنیا کی محبت نے جڑ پکڑ لی تھی مگر اس سب کے باوجود سلطنت میں شرعی نظام کا بنیادی ڈھانچہ برقرار تھا"، وہ سانس لینے کو رکی اور حاضرین کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے پھر سے گویا ہوئی، "دوسری طرف یہود کی یہ حالت تھی کہ اپنی بداعمالیوں کے سبب جب وہ یروشلم سے دوسری مرتبہ جلاوطن کیے گئے تو ان کے مختلف قبائل دنیا میں جہاں سینگ سمایا نکل کھڑے ہوئے"۔

"یار! اب تم خلافت سے یہود کی تاریخ پر کیسے آگئی؟" نور حیرت سے بولی۔

"سنتی جاؤ، سر دھنتی جاؤ!" فاطمہ مسکرا کر بولی، "آخر انھیں ہسپانیہ یعنی سپین میں مسلمانوں کے زیرِ سایہ پناہ ملی۔ لیکن ہسپانیہ میں مسلمانوں کے زوال کے ساتھ ہی وہ پھر بے آسرا ہو گئے کہ

انھیں مسلمانوں کی وسعت ظرفی کے سوا کوئی پناہ گاہ ملتی بھی تو نہ تھی؛ اور پھر امریکہ دریافت ہو گیا"۔

"ہائیں! لگتا ہے کہ تم تو آج پوری دنیا کی تاریخ سنا کر چھوڑو گی"، فاطمہ سانس لینے کو رکی ہی تھی کہ شانزہ بول اٹھی۔ فاطمہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور ہولے سے مسکرا دی۔

"امریکہ کی دریافت سے گویا یہود کی لاٹری ہی نکل آئی۔ نہ صرف انھیں جائے پناہ ملی بلکہ وہ اسے یروشلم کے حصول کی پہلی منزل بھی سمجھتے تھے۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں یہودی عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید دوم کے پاس آئے اور ان سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ ہمیں فلسطین اور بیت المقدس پر حکومت کرنے دیں تو ہم آپ کو تاحیات ٹیکس دیتے رہیں گے نیز (خلافت عثمانیہ کے مرکز) ترکی کے قرض ادا کرنے اور اس کی معاشی حالت بہتر بنانے میں معاونت کی پیشکش بھی کی...... معلوم ہے کہ سلطان نے کیا جواب دیا؟"

"ظاہر ہے پیسے ہی لیے ہوں گے ہمارے حکمرانوں کی طرح"، نور ناگواری سے بولی۔ پھر از خود ہی نتیجہ اخذ کرتے ہوئے بولی "اچھا! تو اس طرح فلسطین یہود کے پاس چلا گیا...... مگر پھر جنگ عظیم کیوں ہوئی؟"

اس کی بات سن کر فاطمہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ صائمہ اور شانزہ جو آپس میں باتیں کرنے لگی تھیں، اسے ہنستا دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئیں، جب کہ نور خفت سے فاطمہ کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں ہنس رہی ہو؟"

"تمہاری جلد بازی پر ہنس رہی ہوں کہ خود ہی نتیجہ اخذ کر لیا۔ اس زمانے میں خلیفہ ذاتی طور پر جتنے بھی گناہ گار ہوں، مگر ان میں مسلم غیرت و حمیت زندہ تھی۔ وہ اہل کفر سے خوف زدہ تھے نہ ہی مرعوب۔ وہ پیسوں کے عوض بکنے والے لوگ نہ تھے۔ بہت سی کمزوریوں کے باوجود اسلام ان کے سینوں میں زندہ تھا۔ وہ ہمارے حکمرانوں کی طرح نہ تھے کہ ایک فون کال پر ہی پورے ملک کے بحر و بر تھالی میں رکھ کر کفار کو پیش کر دیں! باوجود اس کے کہ اس وقت ترکی بدترین معاشی حالات سے گزر رہا تھا، سلطان نے کہا "تم مجھے دنیا بھر کے خزانے بھی لا دو تو میں تمہیں فلسطین کی مٹھی بھر زمین بھی نہ دوں گا...... جس دن خلافت ختم ہو گی تو فلسطین لے لینا! ...... یہود نے سلطان کے واضح اور دوٹوک انکار سے جان لیا کہ ان کے لیے فلسطین کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ خلافت ہی ہے۔ اس دور میں برطانیہ، روس اور فرانس بھی خلافت عثمانیہ کے خلاف اپنا زور آزما رہے تھے مگر کوئی فریق بھی اپنے اندر اتنی طاقت نہ پاتا تھا کہ وہ اکیلا ہی سلطنت عثمانیہ کو شکست دے سکے"۔

"اوہ گاڈ!...... کیا کسی زمانے میں مسلمان اتنے سٹرانگ (مضبوط) بھی تھے؟ کاش کہ وہ وقت پھر آ جائے!" نور حسرت بھرے لہجے میں بولی، "اچھا! پھر کیا ہوا؟"

"یہود اور خلافت کے دیگر دشمنوں نے سازشوں اور جنگوں کے ذریعے خلافت کو کمزور کیا، اس کے لیے ان کو مسلمانوں میں سے ہی شریفِ مکہ اور اتاترک جیسے غدار بھی مل گئے۔ اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کو ہمیشہ ان ہی آستین کے سانپوں کی وجہ سے شکست ہوئی ہے"، فاطمہ کے منہ میں کڑواہٹ سی گھل گئی۔

"یار! مائنڈ نہ کرنا مگر میں کافی تھک گئی ہوں۔ دماغ سن ہو رہا ہے تمہاری تقریر سن سن کر!" صائمہ نے پہلو بدلتے ہوئے بے زاری سے کہا تو فاطمہ کے چہرے پر تکلیف کی لہر سی گزر گئی۔

"تم سن رہی ہوتی تو کبھی ایسے نہ کہتی!" نور تڑخ کر بولی۔ اسے صائمہ کی یوں بلاوجہ مداخلت بہت بری لگی تھی۔

"مجھے مسلمانوں کے عروج و زوال میں کوئی دلچسپی نہیں!"، اس نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔

"ہاں! تمہیں تو صرف شوبز کے عروج و زوال سے غرض ہے"، نور تنک کر بولی تو صائمہ غصے سے پاؤں پٹختی کلاس روم کی طرف چلی گئی۔ بریک کا وقت ختم ہونے میں ابھی پندرہ منٹ باقی تھے۔

"نور!" فاطمہ ذرا خفت سے بولی۔

"چھوڑو اس کو! اس کو تو ویسے ہی فضول بولنے کی عادت ہے...... تم اپنی بات جاری رکھو"، نور بے تابی سے بولی۔

"مختصر یہ کہ ان سازشوں کے نتیجے میں عثمانی خلافت پر بھی جمود کے آثار نظر آنے لگے اور ایک سو سال کی سازشوں اور جنگوں کے نتیجے میں دشمن ممالک خلافت کے ماتحت مختلف مسلم علاقوں پر قبضے کرتے چلے گئے۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا۔ مگر چونکہ اہل کفر کبھی یکجا نہیں رہ سکتے لہٰذا جب بھی کوئی ملک خلافت کے کسی بڑے حصے پر قبضہ کر لیتا تو دوسرے ممالک خلافت کا ساتھ دیتے اور قابض ملک کو نکال باہر کرتے، بالآخر جب تمام دشمنوں کے مفادات ایک ہوئے تو جنگ عظیم اول برپا ہوئی اور اس کے نتیجے میں عثمانی خلافت کا سقوط ہو گیا اور امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر گیا اور اسلام کی پہلی کڑی یعنی خلافت کی کڑی ٹوٹ گئی!"، نور کو فاطمہ کی آنکھوں میں پانی اترتا محسوس ہوا۔

"اوہ مائی گاڈ! اِٹ فِنِشڈ آر ٹائم! (اس کے ساتھ ہی ہمارا عروج ختم ہوا!)" نور شدت غم سے گویا ہوئی۔

"کیا تم جانتی ہو کہ جنگ عظیم اول میں رائل انڈین آرمی کے پندرہ لاکھ سپاہیوں نے، یعنی برطانیہ کے زیر قبضہ ہندوستان کے مسلم و غیر مسلم فوجیوں نے امت مسلمہ کی خلافت توڑنے کا اعزاز حاصل کیا!" فاطمہ نے ڈرامائی انداز سے بات ختم کی تو نور شدت کرب سے صرف 'اوہ!' ہی کہہ سکی۔

نور ابھی تک اس سانحہ سے اپنی لاعلمی پر اور وہ دونوں ہی امت کے اس نقصان پر رنجیدہ بیٹھی تھیں کہ بریک ختم ہونے کی گھنٹی بج گئی اور ان کو ڈھونڈنے کے لیے آئی شانزہ دونوں کی رونی صورتیں دیکھ کر گھبرا گئی۔

"کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟"

''نہیں! خیر ہی تو نہیں ہے!'' نور دھیرے سے ہر ہلا کر بولی، ''مسلمانوں کا اتنا بڑا نقصان ہو گیا اور ہمیں ابھی تک پتا ہی نہیں!''
شانزہ ان کو عجیب سی نظروں سے دیکھتی اور ''اچھا! کلاس میں آجاؤ!'' کہتی واپس لوٹ گئی۔ وہ دونوں بھی بوجھل دل کے ساتھ اٹھیں اور بوجھل قدم اٹھاتے کلاس روم کی جانب بڑھ گئیں۔
'آج دنیا کتنی بدلی بدلی لگ رہی تھی!'

☆☆☆☆☆

''وہ تو ٹھیک ہے ابو بکر!..... مگر تم اس لیے اتنا ایزیلی (آسانی سے) کر لیتے ہو کہ ..... نہیں!..... بھئی تم امریکہ میں جو ہو..... کسی کو کچھ نہیں پتا کہ تم کیا کر رہے ہو اور تمہیں ماحول بھی مل گیا ہے''، نور فون کان سے لگائے کچن میں داخل ہوئی۔ ہاجر نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ ''ابو بکر! مجھے تو دین کا کچھ علم ہی نہیں! میں کیا کروں؟..... مجھے ان لوگوں کو دیکھ کر رشک آتا ہے جن کو اسلامک ماحول ملتا ہے..... ہوں!..... کیا؟..... مدرسہ؟'' نور دبی دبی آواز میں چیخی۔ ہاجر بے دھیانی سے پیالے میں ایگ بیٹر چلانے میں مصروف تھی۔ آج ان کے گھر کچھ مہمان آرہے تھے اور اس وقت وہ تیاریوں میں مصروف تھیں۔
''ابو بکر! یہ امپاسبل (ناممکن) ہے!..... اماں بابا کبھی اجازت نہیں دیں گے!..... بھئی! تم لڑکے ہو اور لڑکے آزاد ہوتے ہیں اور ویسے بھی ماں باپ کی ساری رسٹریکشنز (پابندیاں) دین پر آکر ایکٹو (فعال) ہو جاتی ہیں!..... نہیں بھئی یہ ممکن نہیں!..... تم خود بابا جانی سے بات کرو تو شاید مان جائیں!'' وہ تیز تیز بولتی کیبنٹ سے شیشے کی ڈش نکالنے لگی۔
''اچھا! ٹھیک ہے، تم بات کرنا!..... آج قاسم انکل اور ان کی فیملی ہماری طرف آرہی ہے!..... ہاں ہاں انھیں بتایا ہے کہ اماں اور بابا جانی گھر پر نہیں ہیں..... ہوں!..... ان کا اسلام آباد میں کوئی نہیں ہے اس لیے ہماری طرف آرہے ہیں..... آج ہم بچہ پارٹی ہی ان کے میزبان ہیں!..... اوکے! السلام علیکم!'' نور نے مسکرا کر فون کان سے ہٹایا تو ہاجر ایگ بیٹر بند کر کے اس کی طرف مڑی۔
''ہاجر! ابھی تک تمہارا کیک نہیں ہوا؟'' وہ اس کے بنائے آمیزے کی طرف دیکھ کر بولی پھر فریج کھول کر پنیر کا ڈبہ باہر نکالا، ''تمہیں کتنی دیر لگے گی؟ اوون کب فارغ ہو گا میرے لزانیہ کے لیے؟''
''پہلے تم بتاؤ کہ بھیا کیا کہہ رہا تھا؟''
''وہ کہہ رہا تھا کہ تم مدرسہ یا پھر کوئی اسلامک سینٹر جوائن کر لو!''، نور قیمے کی تہہ ڈش میں بچھاتے ہوئے بولی۔
''اف!..... بھیا کو نہیں پتا بابا جانی کا؟..... عبادہ والا معاملہ بھول گئے؟..... اور ہمارے سکارف، عبایا پر یاد نہیں کتنا واویلا کیا تھا!''..... ہاجر اب کیک کا آمیزہ اوون کے اندر رکھ رہی تھی۔

''ہاں! میں نے اس سے یہی کہا ہے کہ خود بات کرے..... شاید بابا جانی مان جائیں..... بیٹوں کی بات اور ہوتی ہے!'' وہ منہ بنا کر بولی اور قیمے کے اوپر پنیر کی تہہ لگانے لگی۔
''اچھا اگر اجازت مل گئی تو میں بھی جاؤں گی تمہارے ساتھ! ٹھیک ہے؟''
''اجازت تو ملنے دو!'' نور ہنسی۔ ہاجر جھک کر اوون پر ٹائمر سیٹ کرنے لگی، نور کے ہاتھ بھی تیزی سے چلنے لگے۔ مہمانوں کے پہنچنے میں صرف تین گھنٹے تھے اور کام بہت زیادہ تھے۔

☆☆☆☆☆

''ایک مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے اتنی سی بات پر!..... عقل نام کو نہیں ہے تمہارے اندر!'' بابا جانی نے غصے سے نور کی جانب دیکھا تو نوالہ اس کے حلق میں ہی اٹک گیا۔ وہ لوگ اس وقت کھانے کی میز پر بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ دفعتاً بابا کو صبح پیش آنے والا معاملہ یاد آگیا۔
''مگر بابا جانی! میرے لیے تو یہ کوئی چھوٹی بات نہیں.....!'' نور نے نوالہ نگلتے ہوئے بمشکل بولنا چاہا مگر بابا جانی نے اس کی بات کاٹ دی۔
''میرے سامنے زیادہ باتیں نہ بناؤ..... مجھے بھی پتا ہے کہ کیا چیز اہم ہے!'' بابا جانی درشتگی سے بولے، ''اصل پردہ انسان کے دل کا ہوتا ہے!''
''بابا جانی! میں کون سا کوئی بہت سخت قسم کا پردہ کر رہی ہوں!..... صرف سکارف ہی تو لے رہی ہوں اور اس پر بھی ارمغان کو اعتراض ہے!'' نور بے بسی سے بولی۔
''مجھے پتا ہے کہ یہ کتنا 'صرف' ہوتا ہے''، بابا جانی نے 'صرف' پر زور دیتے ہوئے کہا ''ہر جگہ سکارف لے کر پہنچ جاتی ہو!..... شادی ہو یا کوئی فنکشن تمہیں اور ہاجر کو سکارف ہی کی پڑی ہوتی ہے!''
نور نے کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا مگر اس سے پہلے ہی اماں نے بھی اس کو جھڑک دیا، ''نور! حالات کی نزاکت بھی کبھی دیکھ لیا کرو!''، وہ بھی غصے میں لگ رہی تھیں۔
''مگر اماں!''
''کوئی اگر مگر نہیں! ہم پہلے ہی تم لوگوں کے پردے کی وجہ سے لوگوں کی بہت سے باتیں برداشت کر رہے ہیں..... اب تم نیا مسئلہ نہ کھڑا کر دینا!''
اماں اور بابا جانی حتی الامکان اس پر زور دیتے رہے مگر نور ٹس سے مس نہ ہوئی۔ مصعب اور ہاجر کی حمایت کی وجہ سے بھی اماں بابا وقتی طور پر خاموش ہو گئے تھے۔
''ہاجر! یہ زیادتی ہے!'' نور تکیے میں منہ چھپائے گھنٹہ بھر سے زارو قطار روئے جا رہی تھی۔ ہاجر بھی بوجھل دل لیے خاموش تماشائی بنی اس کو دیکھ رہی تھی۔ ''بجائے میری طرف داری کرنے کے اماں بابا بھی اس کے طرف دار ہو گئے!..... آخر وہ خود بھی تو یہی چاہتے ہیں ناں کہ میں پھر سے 'ماڈرن' ہو جاؤں!''
نور کی منگنی کو ابھی چھ ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ ارمغان کا مطالبہ آگیا کہ نور سکارف عبایا اتار کر صرف دوپٹے میں آجائے۔ کچھ عرصہ تو نور اپنے موقف پر ڈٹی رہی، مگر آخر کب تک۔ ہر

طرف سے پڑنے والے شدید دباؤ کے بعد نور کو ہتھیار ڈالنے ہی پڑے اور وہ بادل نخواستہ اس بات پر راضی ہو گئی کہ ارمغان اور اس کی فیملی کے سامنے سکارف نہیں پہنے گی۔

"ہوں!...... مگر پلیز اب تم یہ رونا تو بند کرو!" ہاجر بے بسی سے اس کی کمر سہلاتے ہوئے بولی مگر وہ نہ ہلی اور مسلسل روئے گئی۔

"میں پہلے ہی کب بڑی نیک ہوں!...... ایک اچھا کام کیا اور وہ بھی......!" اس کی آواز پھر بھرّا گئی۔

"ابو بکر صحیح کہتا تھا کہ جب دین پر عمل شروع کرو گی تو آزمائش ضرور آئے گی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ سب سے بڑی آزمائش میرے اپنوں ہی کی جانب سے آجائے گی"۔

اس نے اپنا چہرہ اٹھایا تو ہاجر نے اس کی آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈوروں اور رو رو کر سوجے چہرے کو دیکھ کر بے اختیار اس کو گلے لگا لیا اور بڑی دیر تک پیار سے اس کی کمر تھپتھپاتی رہی گویا اس کو امید دلانا چاہ رہی ہو کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆

ملک کے حالات تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے۔ حکومت دعوے کر رہی تھی کہ وہ عسکریت پسندوں کا خاتمہ کر چکی ہے جب کہ عسکریت پسند آئے روز نئے سے نئے علاقے فتح کرتے جا رہے تھے اور خیبر پختونخوا اور پنجاب کے کافی علاقے ان کے قبضے میں آچکے تھے۔ باقی ملک کے حالات بھی غیر یقینی تھے۔ حکومت اور فوج روز بروز بے بس ہوتی جا رہی تھی۔ امریکہ اور بھارت دونوں ہی خطے کے امن کے لیے بہت پریشان تھے۔

ابو بکر بھی روز ہی اپنے والدین کو فون کر کے ملک کے غیر مستحکم حالات کی وجہ سے انھیں کہیں اور چلے جانے کا مشورہ دیتا۔ گھر کے باقی سب بڑے بھی حالات کا جائزہ لے رہے تھے اور جلد از جلد کچھ کرنے کا سوچ رہے تھے۔

"تایا جان! آپ جلد فیصلہ کیوں نہیں کرتے؟ پاکستان میں رہ کر اب ہم نے کرنا کیا ہے؟" بسام بھائی فکر مندی سے کہہ رہے تھے۔

"بسام! ملک سے باہر جا کر سیٹل ہونا...... وہ بھی ہنگامی بنیادوں پر اور اتنی بڑی فیملی کے ساتھ...... کوئی اتنا آسان بھی نہیں!" تایا جان سوچتے ہوئے بولے۔

"بھائی جان! پھر بھی کچھ تو کریں"، بابا جانی بھی کافی فکر مند تھے۔

حسب معمول سب ہی تایا جان کے گھر پر جمع تھے اور اس وقت اہم موضوع زیر بحث تھا۔

"نہیں بھئی! حالات اتنے برے بھی نہیں ہیں! ٹھیک ہو جائے گا سب!...... فکر مت کرو!"

"بھائی جان! آپ مسئلے کو بہت لائٹ (ہلکا) لے رہے ہیں!" موحد چچا نے بھی گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہا۔

"ارے بھئی کہا ناں کہ حالات اتنے خراب نہیں۔ اگر وہ لوگ اسلام آباد تک پہنچ ہی گئے تو ہم بھی دیگر لوگوں کی طرح رہ لیں گے۔ آخر اور لوگ بھی تو ان کے مفتوحہ علاقوں میں رہ ہی رہے ہیں"، تایا جان نے ہنس کر ماحول کی ٹینشن کم کرنا چاہی۔

"ان کی سختیاں دیکھیں گے ناں جب تو پچھتائیں گے!" بابا جانی چبا چبا کر بولے "ان حالات میں زندہ رہنے سے تو مر جانا ہی بہتر ہے...... اتنی پابندیوں کے ساتھ زندگی گزارنے کا کیا مزہ؟"

"اچھا بھئی! ابھی تو چھوڑو! فکر مت کرو! چلو چل کر کھانا کھاتے ہیں" تایا جان بات ختم کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ باقی سب بھی ان کے ساتھ اٹھ گئے۔

حالات سے متعلق ان کے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ حالات سنگین تر ہو گئے اور بالآخر امریکہ اور بھارت کو مشترکہ طور پر مداخلت کرنا ہی پڑی۔

☆☆☆☆☆

مصعب ہاتھوں میں اپنا سر تھامے کرسی پر بیٹھا تھا۔ بابا جانی اور اماں کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔

"اس بات کا کیا ثبوت ہے؟" بابا جانی کی پیشانی پر بل نمودار ہو گئے تھے۔

"بابا جانی! میرے پاس کوئی ثبوت تو نہیں...... ادھر ادھر سے کچھ باتیں سنی ہیں بس اسی وجہ سے مجھے پریشانی لاحق ہوئی"۔

"دیکھو بیٹا! یہ ادھر ادھر کی باتوں پر مت جایا کرو۔ لوگوں کو جب کسی سے حسد ہوتا ہے تو وہ ایسے ہی شوشے چھوڑتے رہتے ہیں"، بابا جانی اس کو سمجھانے لگے۔

"مگر بابا جانی!......"

"مصعب!" بابا جانی کرختگی سے اس کی بات کاٹ کر بولے، "کچھ لوگوں کو اس کا ہمارے گھر رشتہ ہونا اچھا نہیں لگا ہوگا، اسی لیے اس کے بارے میں مشہور کر دیا کہ وہ غلط قسم کی سرگرمیوں میں ملوث ہے اور نشہ کرتا ہے وغیرہ...... تمہیں تو پتا ہی ہے کہ اس کی جاب جس قسم کی ہے اس میں ایسی حرکتوں میں ملوث ہونا معمول کی بات ہے"۔

مصعب بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔ اماں بغور اس کو دیکھ رہی تھیں۔

"احمد! آپ کبھی اس کی بھی سن لیا کریں!...... چھوٹا بچہ تو نہیں ہے، جوان بھائی ہے...... نور کا برا تو نہیں چاہے گا ناں!" اماں قریباً سرگوشی کے انداز میں بولیں، بابا جانی کا منہ بن گیا۔

"ایک تو تم......! سب بچوں کو بگاڑنے میں تمہارا ہی ہاتھ ہے۔ دیکھا نہیں کیسے باپ کے منہ کو آ رہے ہیں...... اور تم ہو کہ مزید شہہ دیے جا رہی ہو!" بابا جانی نے اماں کو ڈپٹا تو وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں۔

"بابا جانی! آپ کسی بھی بات کو سیریس (سنجیدہ) کیوں نہیں لیتے؟" اب کی بار وہ ذرا غصے میں تھا۔ "یہ کوئی چھوٹا معاملہ تو نہیں ہے، نور کی پوری زندگی کا دارومدار ہے اس فیصلے پر۔ آپ کو چونکہ ارمغان پسند ہے اس لیے آپ اس کی کوئی برائی سننے تک پر تیار نہیں ہیں، مگر بابا جانی! کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر......"

"مصعب! بکواس بند کرو! میری نرمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تم بدتمیزی پر اتر آئے ہو!" بابا جانی اس کی بات کاٹ کر غصے سے دھاڑے، "باپ ہوں میں تمہارا! سمجھے تم! اپنی اوقات میں رہو!"

باباجانی کی ڈانٹ کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا، وہ غصے میں اٹھ کھڑا ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆

وہ پہلے دن سے ہی کسی طرح اپنے دل کو ارمغان کے حوالے سے مطمئن نہ کرپارہا تھا۔ یہی وجہ تھی کے اس نے ارمغان کے قریبی دوستوں اور جاننے والوں سے اس کے عادات و اطوار بارے تحقیق کرنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں اسے جو کچھ معلوم ہوا وہ کوئی بہت حوصلہ افزانہ تھا۔

اس کے قریبی دوستوں اور کزنز کے مطابق خاندان بھر میں اس کی شہرت بہت اچھی نہ تھی اور دیگر برائیوں کے ساتھ ساتھ وہ نشے کا عادی بھی تھا۔ جب سب کچھ بتانے کے بعد بھی باباجانی کے کان پر جوں تک نہ رینگی تو وہ خود کو ہی مطمئن کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ شاید باباجانی کی بات ہی درست ہو اور اسے غلط معلومات فراہم کی گئی ہوں۔ وہ دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

☆☆☆☆☆

فون کافی دیر سے بج رہا تھا۔ اَن نون (اجنبی) نمبر ہونے کی وجہ سے نور نے فون نہ اٹھایا۔ آخر کافی دیر بعد اس نے فون ریسیو کر ہی لیا۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام'' ایک مردانہ آواز گونجی۔

''کون؟'' نور نے جھجکتے ہوئے دریافت کیا۔

''ارمغان!''

نور کو ایک دم لگا گویا اس کا سانس ہی رک گیا ہو۔

''فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟''

''وہ......! وہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ کا فون ہے''، نور ہکلا کر بولی تو ارمغان بے ساختہ ہنس دیا۔

''اچھا! اب یاد سے فون میں یہ نمبر محفوظ کرلیں...... بلکہ اگر دل ہی میں محفوظ کرلیں تو زیادہ اچھا ہوگا!'' وہ شاید مسکرایا تھا مگر نور کو اس کی یہ شوخی ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس کا منہ بن گیا۔

''جی اچھا!'' بمشکل اپنی ناگواری چھپا کر اس نے مختصر اً کہا۔

''نور!''

''جی!''

''کیا ہماری ملاقات ہوسکتی ہے؟'' وہ دھیرے سے بولا تو نور کا بمشکل بحال ہوتا سانس پھر سے اٹکنے لگا اور وہ بے چینی سے اپنی انگلیاں چٹخانے لگی۔

''آپ نے جواب نہیں دیا...... شاید آپ کو آنٹی انکل سے اجازت لینا مشکل لگ رہا ہوگا...... میں ان سے بات کروں؟''

''نہیں نہیں! بالکل نہیں!'' نور گھبرا کر بولی، ''پلیز اماں بابا سے کچھ نہ کہیے گا''۔ اس کو معلوم تھا کہ وہ تو بلاچون وچرا اس کی فرمائش پوری کردیں گے۔

''آپ ان کی ناراضگی سے ڈر رہی ہیں؟ فکر نہ کریں، میں معاملہ سنبھال لوں گا''، وہ پر اعتماد لہجے میں بولا۔

'ظاہر سی بات ہے وہ مان ہی جائیں گے......' اس کا دل کیا کہ اس کے منہ پر کچھ دے مارے۔

''اچھا!'' اس نے مختصر جواب پر اکتفا کیا۔

''نور!''

''جی!''

''آپ کافی شرمیلی معلوم ہوتی ہیں۔ پہلے تو بہت کانفیڈنٹ (پر اعتماد) تھیں!''

اب کی بار حقیقتاً اس کا دل کیا کہ وہ سامنے ہوتا تو اس کا گلا ہی دبا دیتی، مگر وہ خاموش رہی۔

''مجھے ویسے بھی کانفیڈنٹ لڑکیاں اچھی لگتی ہیں...... عورت کو مرد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنی آنی چاہیے''، اس کی سوچوں سے بے خبر وہ اپنی ہی کہے گیا۔

'صرف اپنے محرم سے!' وہ سوچ کر رہ گئی۔

''شاید آپ کو آپ کے حجاب نے کافی چینج (تبدیل) کردیا ہے''، وہ اپنی ہی دھن میں کہے جارہا تھا۔

'اف!' نور نے دانت پیسے۔

''آپ کچھ بول کیوں نہیں رہیں؟'' اس کی طویل خاموشی محسوس کرکے وہ بولا۔

''آپ کو...... آپ کو میرے حجاب پر اعتراض کیوں ہے؟ میں نے اتنے شوق سے سکارف لینا شروع کیا تھا''، نور کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس نے گھبرا کر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا گویا خود بھی حیران ہو کہ یہ اس نے کیا کہہ دیا۔

ارمغان جواباً خاموش ہوگیا پھر کچھ دیر بعد گویا ہوا، ''دیکھیں نور! اصل پردہ انسان کے دل کا ہوتا ہے۔ اور ویسے بھی اب یہ فیشن پرانا ہوچکا ہے (نعوذ باللہ)۔ آج کل ایسی چیزوں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب تو دنیا کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ اب وہ زمانہ نہیں کہ مذہب پر عمل کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔ اب تو آزادی کا زمانہ ہے''۔

نور کی آنکھوں میں آنسو اترنے لگے۔ اس کو معلوم تھا کہ وہ بالکل غلط کہہ رہا ہے مگر وہ اس کو کوئی جواب نہ دے پائی۔

''آپ پھر خاموش ہوگئیں؟''

''اگر یہ آزادی کا زمانہ ہے تو کیا مجھے اتنی بھی آزادی نہیں ہے کہ میں حجاب پہن سکوں؟'' آخر ہمت کرکے اس نے کہہ ہی ڈالا۔

"بھئی! آپ اتنا پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ دیکھیں ناں اسی حجاب کی وجہ سے، عورتوں کی جھجک کی وجہ سے ہم ترقی نہیں کر پا رہے۔ یورپین ملکوں میں دیکھیں عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی ہوئیں تو ترقی کی راہیں کیسے ان ملکوں پر وا ہو گئیں"۔

نور کا دماغ کھَولنے لگا۔ وہ چیخ چیخ کر اس کو بتانا چاہتی تھی کہ کیوں وہ اسے ایسی گھٹیا آزادی دلانا چاہتا ہے جس کا نتیجہ جہنم ہے۔

"اب کافی رات ہو گئی ہے، میں سونا چاہتی ہوں"، وہ بے رخی سے بولی۔

"آپ اتنا جلدی سو جاتی ہیں؟" وہ اچنبھے سے بولا، گویا گفتگو جاری رکھنا چاہتا ہو۔

"جی! کیونکہ میں نے فجر بھی پڑھنی ہوتی ہے"، وہ چاہنے کے باوجود لہجے کی ناگواری نہ چھپا سکی۔

"ویسے بھی سنت کے مطابق عشا کے فوراً بعد سو جانا چاہیے، اس لیے خدا حافظ"، اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی اس نے فون بند کر دیا اور اپنے چہرے پر بہتے بے آواز آنسو پونچھنے لگی۔

☆☆☆☆☆

"آپ میرے ساتھ یوں جائیں گی؟" ارمغان نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے اس کے عبایا میں ملبوس سراپے کا جائزہ لیا اور قریب کھڑی اماں کو دیکھا۔ "آنٹی! آپ نے تو کہا تھا کہ نور اب عبایا سکارف نہیں پہنتی؟"

"اماں دانت پیستے ہوئے نور کی طرف دیکھنے لگیں گویا کہہ رہی ہوں کہ اب دو جواب! کیونکہ صبح سے گھر میں اس موضوع پر جنگ عظیم جاری تھی۔ نور نے تھوک نگلا۔

"دیکھیں ارمغان! اگر آپ نے مجھے ساتھ لے جانا ہے تو یوں ہی لے جائیں ورنہ رہنے دیں"۔

ارمغان خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔

"میں آپ کو اس حلیے میں تو اپنے فرینڈز سے نہیں ملوا سکتا!" وہ نفی میں سر ہلا کر بولا۔

"مجھے آپ کے کسی فرینڈ سے ملنا بھی نہیں ہے۔ میں ویسے بھی شدید دباؤ کی وجہ سے آپ کے ساتھ جانے پر تیار ہوئی ہوں"، نور کے اندر نجانے اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تھی۔ شاید کافی عرصے کا غبار آج نکلنے کو تیار تھا۔

ارمغان کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو حیرت ابھری اور پھر اس نے تیکھے انداز میں اپنی بھنویں اچکائیں۔

"اوکے! ابھی تو چلیں، مگر...... دس از دی لاسٹ ٹائم (یہ آخری دفعہ ہے)! آئندہ آپ کو ویسے ہی جانا ہو گا جیسے میں کہوں گا"، تنبیہی انداز میں انگلی اٹھا کر وہ دھیمے مگر سرد لہجے میں بولا تو نور سہم گئی۔ یقیناً اس نے زیادہ ہی جرأت سے کام لے لیا تھا۔

"اور جائیں، کم از کم یہ عبایا اتار کر آئیں"، نور قدم آگے بڑھانے ہی لگی تھی کہ اس کی تحکم بھری آواز کانوں سے ٹکرائی۔

وہ خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔ عبایا اتار کر صوفے پر رکھا اور سکارف درست کرتے ہوئے باہر آ گئی۔ ارمغان گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

"آخر تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آتا؟ لے کے تماشا بنا دیا ہمارا!" باباجانی کا غصہ بے قابو ہو چکا تھا۔ گردن کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور پورا جسم غصے کی شدت سے لرز رہا تھا۔ نور مصعب کے قریب بیٹھی خاموشی سے آنسو بہا رہی تھی۔

"اس بے وقوف کو خاندان کی عزت کا کوئی خیال ہی نہیں!"

ارمغان نے باباجانی سے نور کی شکایت کی تھی کہ اس نے اس کی اِنسلٹ (بے عزتی) کی اور کروائی ہے۔ اس کے دوستوں نے سکارف والی منگیتر دیکھ کر اس کا خوب مذاق اڑایا۔ اوپر سے نور کے ارمغان کے دوستوں کے ساتھ سرد رویے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ کافی ناراض تھا کہ نور نے اس کے فرینڈز سے سیدھے منہ بات ہی نہ کی۔

باباجانی کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا تو مصعب کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔ وہ بپھر کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ لوگوں نے ہی اسے اتنی ڈھیل دی ہے کہ وہ مزید سے مزید چوڑا ہوتا جا رہا ہے"، وہ غصے سے بولا، "اس کا رشتہ کیا ہے ابھی نور سے جس کی وجہ سے وہ اتنا حق جما رہا ہے؟ ابھی یہ حالت ہے تو کل کو پتا نہیں کیا کرے گا!"

باباجانی پہلی مرتبہ اپنی مخالفت کے باوجود خاموش ہو گئے، شاید مصعب کی بات ان کے دل کو لگی تھی۔ نور نے سر اٹھا کر باباجانی کی طرف دیکھا، وہ گہری سوچ میں تھے۔ اس کی نگاہ کمرے کے ادھ کھلے دروازے پر پڑی جہاں ہاجر اور سعد چپکے سے کان لگائے بیٹھے تھے۔ اس کے دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھی۔ باباجانی نے اس کے پردے کا تماشا بنا کر رکھ دیا تھا۔

"مگر مصعب! ارمغان کا مطالبہ کچھ اتنا بڑا بھی نہ تھا!" کچھ دیر بعد باباجانی دھیرے سے گویا ہوئے۔

"باباجانی! کیا نور ساری زندگی اپنی سسرال کے ساتھ ساتھ ارمغان کی سوسائٹی کا بھی منہ دیکھ کر چلے گی؟"

"اس میں کون سی بری بات ہے مصعب؟ ہم سب ہی سوسائٹی کو دیکھتے ہیں!" باباجانی نے اچنبھے سے اس کی جانب دیکھا۔

"مگر باباجانی! جب معاشرہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے کھڑا ہو جائے تو پھر مسلمان کسی کو نہیں دیکھتا، صرف اللہ کی سنتا اور مانتا ہے"، آخر نور بھی ہمت مجتمع کر کے بولی۔ "مجھے اللہ کی مرضی کے مطابق......"

"نور! فضول باتیں مت کرو۔ دنیا میں رہنا ہے تو لوگوں کے منہ بھی دیکھنے پڑتے ہیں"، اماں اس بحث میں پہلی مرتبہ شامل ہوتے ہوئے بولیں۔

"مگر جب اللہ کا حکم آ جائے تو پھر کسی کی پروا نہیں......"

"نور! یہ بات تم کس کو سمجھا سکتی ہو؟ کیا ارمغان کو سمجھا سکتی ہو؟" چیخ چلّا کر باباجانی کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا، وہ نور کی بات کاٹتے ہوئے بولے۔

”باباجانی! اگر آپ لوگ میرا ساتھ دیں تو وہ اتنا حق نہیں جما سکتا۔ اصل میں تو آپ لوگ مجھے وِیک (کمزور) کر رہے ہیں“، نور نے پر امید نگاہوں سے باباجانی کی طرف دیکھا مگر وہ خاموش رہے۔

”ایسے لگتا ہے گویا آپ خود بھی یہی چاہتے ہیں کہ نور ان کے رنگ میں رنگ جائے“، مصعب اچانک بولا تو وہ نظریں چرا گئے۔ نور کے دل میں چھناکا سا ہوا۔ ان کے خاموش جواب نے اس کو توڑ کر رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو امنڈ آئے مگر یہ پہلے سے کہیں زیادہ تکلیف دہ تھے۔

”باباجانی! ماں باپ تو اپنے لوفر لفنگے بیٹوں تک کے ساتھ بھی کھڑے ہوتے ہیں...... وہ تو اپنے بچوں کی خاطر لوگوں کے اور ان کے بیچ ڈھال بن جاتے ہیں...... جب تک میں دین سے بے پروا تھی آپ لوگوں کو کوئی اعتراض نہ تھا...... کبھی آپ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ کیوں کیا“، نور بھرائی ہوئی آواز میں بمشکل بولی، ”پھر اب دین پر عمل کے معاملے میں آپ لوگوں کے دل اتنے سخت کیوں ہو گئے ہیں؟“

”بیٹا!...... میں تمہارا باپ ہوں...... تمہارا بھلا ہی چاہوں گا ناں!“ نور کو غمگین دیکھ کر باباجانی بھی دکھی ہو گئے۔ ”مجھے اندازہ ہے کہ تم لوگ دین کے نام پر بڑھتے بڑھتے شدت پسند ہو جاؤ گے اور اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کا بھی جینا حرام کر دو گے!“

”تو یہ بات ہے......!“ مصعب کے چہرے پر بھی تکلیف کے رنگ ابھرے۔ ”باباجانی! صحابہ کرام کو باہر کے کافروں کی طرف سے تو تکلیفیں پہنچتی تھیں، مگر خاندان کے لوگ تو اپنے کفر پر قائم ہونے کے باوجود اپنوں کا ساتھ دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شعب ابی طالب میں محصور تھے تو ان کے خاندان کے ہر فرد نے، خواہ کافر ہو یا مسلمان، اظہارِ یک جہتی کے طور پر تکلیف اٹھائی تھی۔ کیا آپ ہمارا اتنا سا بھی ساتھ نہیں دے سکتے؟“

باباجانی اور اماں کے چہروں پر زلزلے کے آثار نمودار ہو گئے۔ باباجانی نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر مصعب مزید کچھ بھی سنے بغیر مڑا اور ہاجر اور سعد کو سائیڈ پر دھکیلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔

نور کچھ دیر یوں ہی گم سم بے بسی کے عالم میں بیٹھی رہی۔ بالآخر وہ بھی خاموشی سے اماں بابا سے نظریں ملائے بغیر ہی کمرے سے باہر نکل گئی۔ ہاجر اور سعد فوراً ایک طرف کو سمٹ گئے۔

”فریحہ!“ کافی دیر کی خاموشی کے بعد کمرے میں باباجانی کی آواز گونجی، ”کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا تھا؟“

اماں جواباً خاموش رہیں، بس ہلکے سے شانے اچکا دیے؛ کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

یہ حکمت ملکوتی، یہ علم لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

پیامِ حرم کیا ہے؟ حرم کا درد کیا ہے؟ پیامِ حرم، تمام بتوں کو چاہے وہ فکر و فلسفہ و مذاہبِ باطلہ کے ہوں، قوم و وطن کے یا سومنات و لات و منات کے، سبھی کو توڑ کر اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا اتباع ہے۔ پیامِ حرم ہر جھوٹے خدا کا انکار اور سچے اللہ کا قلب و ذہن اور فکر و عمل سے اقرار ہے۔ پیامِ حرم وہ ہے جو رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمۃ الزہرا کے کان میں اپنے آخری وقت فرمایا تھا کہ 'تمہارے باپ کا دین دنیا کے ہر کچے پکے مکان میں داخل ہو کر رہے گا'۔ پیامِ حرم وہ ہے جس کے لیے پاسبانِ حرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ 'میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جہاد و قتال کرتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی'۔

حرم کا درد اسی پیغام کا ابلاغ و نفاذ ہے!

'ضربِ کلیم' میں اقبالؒ کہتے ہیں کہ حکمت و علم کے اعلیٰ مرتبے، بہت اعلیٰ و بلند ہیں، لیکن اگر یہ دردِ حرم کی دوا لیے ہوئے نہیں تو ان کی کچھ حیثیت نہیں!

'خودی' اقبالؒ کا نظریۂ غیرت و حمیت ہے، 'خودی' جہاد و خلافت کا عنوان ہے، 'خودی' ہر باطل کا انکار اور اللہ کی ظاہر و باطن میں، ذات و اجتماع میں، خلوت و جلوت میں اطاعت ہے۔ صحابہؓ رات کے راہب تھے، ذکرِ نیم شبی ان کی عادتِ ثانیہ تھی، وہ ہر وقت اللہ کے ساتھ مراقبے میں رہتے تھے، لیکن رات کے راہبوں کا دن میدانِ جہاد و قتال میں اللہ کے دشمنوں کی گردنیں اڑاتے، دعوتِ دینِ حق پھیلاتے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے گزرتا، یہ دن میں شہسوار ہوا کرتے تھے۔ جب اللہ نے ایک قوم پر عذاب کے پیغام کے ساتھ فرشتوں کو بھیجا تو فرشتۂ عذاب وہاں ایک راہب و عابد کو دیکھ کر پھر دربارِ الٰہی میں پہنچا اور عرض کی کہ وہاں تو اتنا بڑا تیرا ایک عبادت گزار بھی ہے؟! حکم ہوا کہ عذاب اسی سے شروع کرو کہ یہ میری شریعت کو، میرے حکم کو پامال ہوتے دیکھتا ہے لیکن اس برائی کو روکتا نہیں، اپنی مستی میں رہتا ہے۔ یہ ذکر و فکر، یہ مراقبے، یہ سرور اگر خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

سلطانئ جمہور

علی بن منصور

"خواتین کے حقوق کے لیے آواز اٹھانے پر چچا کا بھتیجی پر بہیمانہ تشدد"......

"حقوقِ نسواں کے لیے منعقد تقریب میں باپ کا بیٹیوں پر شدید تشدد، ٹانگیں توڑ ڈالنے کی دھمکی"......

"حقوقِ نسواں کے لیے کام کرنے والی نبیلہ ہاشمی کو شدید تشدد کا سامنا، پاگل پن اور دیوانگی کا الزام"......

عمیر ہر اخبار کی شہ سرخی پڑھ پڑھ کر ان کے سامنے ڈھیر کر رہا تھا۔ اس نے ذرا توقف کرتے ہوئے ایک گہری نظر سامنے بیٹھے ابو بکر صاحب اور عثمان صاحب پر ڈالی، اور پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے اخبار کی سرخی کے نیچے درج تفصیل پڑھ کر سنانے لگا۔

......"جمعرات کے روز ہاشمی ہاؤس میں منعقد حقوقِ نسواں کی حفاظت اور فراہمی سے متعلق ایک تقریب میں اس وقت شدید ہلچل مچ گئی جب چیئر پرسن نبیلہ ہاشمی کے چچا عثمان ہاشمی نے وہاں پہنچ کر اچانک تقریب ختم کرنے کا اعلان کیا اور میڈیا کو فوراً گھر خالی کرنے کو کہا۔ ان کے اس اعلان پر نبیلہ ہاشمی نے احتجاج کرنے کی کوشش کی تو نہ صرف یہ کہ عثمان ہاشمی نے سختی سے ان کے تمام اعتراضات ردّ کر دیے بلکہ میڈیا کے سامنے انہیں سخت برا بھلا کہا اور شدید تشدد کا نشانہ بنایا۔ مزید بر آں انہوں نے میڈم نبیلہ سمیت خاتون مہم کے تمام کارکنان کو خبر دار کیا کہ اگر انہوں نے حقوقِ نسواں سے متعلق اپنی جدوجہد ترک نہ کی تو انہیں سخت نتائج کا سامنا کرنا ہو گا۔ اطلاعات کے مطابق انہوں نے انہیں ایک کمرے میں محبوس کر رکھا ہے اس دھمکی کے ساتھ کہ اگر وہ کمرے سے باہر نکلیں تو ان کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی"......

"......اپنی نوعیت کے منفرد اور مثالی گھرانے، خالص جمہوری روایات کے امین ہونے کے دعویدار ہاشمی ہاؤس میں اس وقت کھلبلی مچ گئی جب ہاشمی ہاؤس کی خاتون رکن پارلیمنٹ، حقوقِ نسواں کی حفاظت اور فراہمی کے لیے سرگرم سماجی کارکن نبیلہ ہاشمی کی منعقد کردہ ایک تقریب کو ان کے چچا نے نفسیاتی مرض اور پاگل پن کہہ کر ختم کر دیا اور وہاں موجود میڈیا کے کارکنان سے اپنے سامان سمیت گھر سے فوراً جانے کا مطالبہ کیا۔ واضح رہے کہ ہاشمی ہاؤس میں ایک خالص جمہوری نظام نافذ ہے جو کہ تمام اہالیان کو مکمل آزادیٔ اظہارِ رائے فراہم کرنے کا دعویدار ہے۔ اس کے باوجود جمعرات کے روز ان دعووں کی قلعی اس وقت کھل گئی جب نبیلہ ہاشمی کے ہر قسم کے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے چچا نے تقریب کا نہ صرف خاتمہ کر دیا بلکہ نبیلہ ہاشمی سمیت ان کی تمام کارکنان پر سخت پابندیاں عائد کر دیں۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے میڈیا کی نظروں کے سامنے خاتون مہم کے کارکنان بشمول میڈم نبیلہ، کو تشدد کا نشانہ بنایا اور ان پر پاگل پن اور نفسیاتی مریض ہونے کے الزامات عائد کیے۔"

'مہینوں کی محنت تھی...... کتنے مہینوں کی محنت...... ٹاک شوز...... انٹرویوز...... تقریبات...... دورے...... اہم شخصیات سے ملاقاتیں...... کتنی محنت سے میں نے دنیا کے سامنے اتنی اچھی اور مکمل تصویر پیش کی تھی ہاشمی ہاؤس کی........ جو ایک دن میں برباد کر دی آپ نے'، گو کہ عمیر نے دانستہ اپنی آواز آہستہ اور اپنے جذبات قابو میں رکھے تھے، مگر اس کا چہرہ اور لہجہ دونوں ہی اس کے غم و غصّے کے عکاس تھے۔ 'ارشد کے گھرانے پر پریشر ڈالنا تھا خواتین کے حقوق کے حوالے سے...... اب کس منہ سے میں یہ بات کر سکتا ہوں؟'۔ اس نے سامنے رکھا اخبار ایک بار پھر اٹھا لیا اور بآوازِ بلند ایک جملہ پڑھ کر سنانے لگا۔

"......خبر رساں ایجنسی کی اطلاعات کے مطابق ہاشمی ہاؤس کے مردوں کی اکثریت میڈم نبیلہ کی خاتون مہم کے خلاف ہے اور انہیں درونِ خانہ بہت سی مشکلات، پابندیوں اور سختیوں کا سامنا ہے۔ موجودہ حکومت کی جانب سے بھی انہیں کوئی حمایت یا مدد حاصل نہیں جو افسوس ناک امر ہے۔"......

اس نے ایک اور شکایتی نظر بھائیوں پر ڈالی۔

"......آپ لوگوں کو سرے سے احساس ہی نہیں ہے کہ میں یہ گھر کتنی محنت سے چلا رہا ہوں۔ کتنی سر کھپائی اور مغزماری کرنی پڑتی ہے......لوگوں سے، دنیا سے اچھے تعلقات قائم کرنے کے لیے۔ میں نے سوچا تھا ہمارے گھرانے کا ایک سوفٹ امیج دنیا کے سامنے آئے تو کاروبار میں کتنی آسانی ہو گی۔ کتنے سارے امکانات تھے...... کتنے پلانز تھے...... سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا آپ کی ایک غلطی نے......"۔

"......ایسی بات نہیں ہے عمیر، تم زیادہ محسوس کر رہے ہو......"، ابو بکر صاحب نے اسے جذباتی ہوتے دیکھ کر تسلّی دینا چاہی۔ عثمان صاحب ہنوز خاموش بیٹھے تھے۔

"چھوڑیئے بھائی جان........ ایسی بات نہیں ہے تو کیسی بات ہے...... پتہ نہیں آپ کو خبر ہوئی یا نہیں لیکن کل شام کالج کے لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک گروپ ہاتھ میں پلے کارڈز اٹھائے عین ہمارے گیٹ کے سامنے نبیلہ سے اظہارِ یک جہتی کرنے کے لیے اکٹھا ہوا تھا۔ گھنٹہ بھر وہ لوگ نعرے بازی کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے نذیر کو بھیجنا پڑا کہ انہیں رخصت کرے۔ کل سے اس کی ساری خبریں مسلسل فیس بک اور ٹوئٹر پر چھائی ہوئی ہیں۔ آپ دونوں کی تو خیر ہے، اپنے اپنے کمروں میں جا کر باقی سب بھلا دیتے ہیں مگر اس کرسی پر بیٹھ کر مجھے اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنے پڑتے ہیں......"، عمیر نے تلخی سے جواب دیا۔

اور یہ سچ بھی تھا۔ دو دفعہ تو عمیر زوار کے ساتھ نبیلہ کو منانے کے لیے اس کے کمرے تک جا چکا تھا، مگر نبیلہ نے دروازہ کھولنے تک سے انکار کر دیا کہ اب وہ مزید کسی مرد پر اعتبار کرنے کا

رِسک نہیں لے سکتی۔ اور یہ عمیر اور اس کی انتظامیہ کے لیے کتنی شرم کی بات تھی کہ ان کے تمام تر دعووں کے بر خلاف، ان کے گھرانے کا ایسا متشدد رخ دنیا کے سامنے آیا تھا۔ عمیر اس کا جتنا بھی ماتم کرتا کم تھا۔

آدھا گھنٹہ اس کے شکوے شکایتیں اور الزامات کی فہرست سننے کے بعد جب وہ دونوں اس کے آفس سے باہر نکلے تو عثمان صاحب، جو عمیر کے سامنے اول تا آخر، بالکل خاموش بیٹھے رہے تھے، نے آخر کار اپنی چپ توڑ ڈالی۔

''بھائی جان! مجھے اپنے کسی فعل پر کوئی شرمندگی یا ندامت نہیں ہے۔ نبیلہ آپ کی بیٹی ہے، مگر جس قسم کی حرکتیں وہ کر رہی ہے اور اپنے ساتھ باقی سب لڑکیوں کو بھی اس نے لگار کھا ہے، تو وہ اس سے کہیں زیادہ سخت سلوک کی مستحق ہے جو میں نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ اور میں یہ بات پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں، مگر اب ایک بار پھر کہتا ہوں اور صاف صاف کہتا ہوں...... گھر میں یہ جمہوریت والا تجربہ ہماری بہت بڑی غلطی تھی، اگر اب بھی ہم نے سبق نہ سیکھا اور اس تماشے کو ختم کر کے گھر کے حالات سدھارنے کی کوشش نہ کی تو مجھے ڈر ہے کہ ہم جلد ہی بہت بڑا نقصان اٹھائیں گے''، وہ سنجیدگی سے کہہ کر ان کے جواب کے منتظر تھے، مگر ابو بکر صاحب سوائے بے بسی سے انہیں دیکھنے کے، کچھ بھی نہ کر سکے۔

'بھائی جان! آخر کب تک ایسے چلتا رہے گا؟ آپ کب اپنی یہ خاموشی ختم کریں گے؟'، ان کی خاموشی نے عثمان صاحب کو اشتعال دلا دیا تھا۔

'میں کیا کر سکتا ہوں عثمان...... تم ہی بتاؤ...... میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ تم لوگوں کے ووٹوں کی بدولت ہی آج عمیر گھر کی سربراہی سنبھالے بیٹھا ہے۔ میری کیا حیثیت ہے کہ میں کسی معاملے میں دخل اندازی کروں یا زور زبردستی کروں؟ جہاں تک بس چلتا ہے پارلیمان میں بات کرتا ہوں، ہر معاملے میں مشورہ دیتا ہوں۔ مگر مشورہ، مشورہ ہوتا ہے، حکم نہیں۔ اب تم کیا چاہتے ہو کہ سارے اصول قاعدے ایک طرف رکھ کے زبردستی اپنی بات منوانا شروع کر دوں......؟ آمر بن کر بیٹھ جاؤں تم سب پر......؟ عمیر کی سب باتیں...... اس کے اعتراضات کو سچ ثابت کر دوں......؟'، ابو بکر صاحب پھٹ پڑے تھے۔ آخر ہر شخص انہیں ہی کیوں موردِ الزام ٹھہراتا تھا، انہی سے کیوں سب کو یہ توقع تھی کہ وہ حالات سدھاریں گے۔ جب حالات کے بگاڑ کے وہ ذمہ دار نہیں تھے، تو سدھار کی توقع ان سے کیوں کی جا رہی تھی۔ انہیں طیش میں آتا دیکھ کر عثمان صاحب نے ایک گہری سانس لے کر خود کو پر سکون کرنا چاہا۔ معاملات کا حل بحثا بحثی اور آپسی لڑائی جھگڑے میں نہیں تھا۔

''آپ آیئے میرے ساتھ...... کہیں چل کر بات کرتے ہیں''۔

وہ ان کا ہاتھ تھامے سیدھا پورچ کی طرف آ گئے۔ خوش قسمتی سے اس وقت گھر میں موجود گاڑیوں کی قطار میں سب سے آخری گاڑی انہی کی کھڑی تھی۔ چند منٹ بعد وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر باہر نکل رہے تھے۔ کوئی خاص منزل تو عثمان صاحب کے ذہن میں نہ تھی کیونکہ وہ تو محض پر سکون ماحول میں ابو بکر صاحب سے باتیں کرنا چاہتے تھے، لہٰذا انہوں نے گاڑی کینال روڈ کی جانب موڑ دی، کہ نہر والی سڑک طویل بھی تھی اور سیدھی سیدھی ڈرائیو گفتگو کا بہترین موقع بھی فراہم کر دیتی۔

''ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے سارے جہان کے مسائل ہمارے گھر میں جمع ہو گئے ہوں...... بیویاں ہیں تو ہر وقت گلے شکوے لیے بیٹھی ہوتی ہیں،...... بچے ہیں تو قابو سے باہر...... کسی کی کوئی خبر نہیں کہ تعلیمی کارکردگی کیسی جا رہی ہے، مشاغل کیا ہیں، دلچسپیاں کیا ہیں...... بس اگر کچھ نظر آتا ہے تو یہ کہ ہر وقت موبائلز، لیپ ٹاپس، فیس بک اور نجانے کیا کیا بلائیں ہیں، جن کے بارے میں یہ باتیں کرتے رہتے ہیں......''، عثمان صاحب کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ بات کی ابتدا کہاں سے کریں۔ مسائل کی ایک لامتناہی فہرست تھی دماغ میں، سو وہی بڑے بھائی کے گوش گزار کرنی شروع کر دی، اور کچھ نہیں تو دل ہی ہلکا ہو جائے گا۔ ''...... جو کوئی وقت بچتا ہے تو اس میں ٹی وی سے چپک کر بیٹھ جاتے ہیں، یہ بھی اچھی مصیبت ہم نے پال لی ہے......''، اس پر ابو بکر صاحب نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا، وہی تو تھے جو اس ٹی وی کے گھر میں آنے کے سب سے بڑے مخالف تھے، کتنا کہا تھا انہوں نے کہ اسے مت آنے دو، مگر اس وقت باقی سب آنکھیں بند کیے بیٹھے تھے۔

''پتہ نہیں کسی کی نظر لگ گئی ہے ہمارے گھرانے کو یا کسی بدعملی کی سزا ہے...... مگر اتفاق اور محبت تو جیسے بالکل ہی اٹھ گیا ہے ہمارے درمیان سے...... گھر آؤ تو مسئلے ہی مسئلے ہوتے ہیں۔ اِس کو اُس سے مسئلہ ہے، اُس کو اِس سے مسئلہ ہے...... بھابھیوں کی آپس میں نہیں بن رہی...... بچے ہیں تو دادا تک سے شکایت ہے کہ وہ کزنز کو ہم پر فوقیت دیتے ہیں۔ بہنوں اور بیٹیوں کو بھائیوں اور باپوں پر اعتماد نہیں ہے کہ وہ ان کا بھلا چاہتے ہیں...... اور خود گھر سے تو جیسے کسی کو بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے،...... اور معاف کیجیے گا بھائی جان...... مگر اس سے آپ بھی مبرا نہیں ہیں...... آپ بھی یوں لاتعلق ہو کر رہتے ہیں جیسے سرے سے کوئی پروا ہی نہ ہو کہ گھر اور گھر والے کس سمت جا رہے ہیں......''، نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دوبارہ ابو بکر صاحب سے شکوہ کر بیٹھے تھے۔

''...... عثمان!...... کوئی کب تک بولے......؟ کب تک میں اکیلا ہی چیختا رہوں کہ ہم صحیح سمت نہیں جا رہے؟ تم سمجھتے ہو مجھے کوئی پروا نہیں...... گھر کی کوئی فکر نہیں...... مگر ہر الیکشن پر یہ تم سب کا ہی چناؤ ہوتا ہے کہ میرے بجائے عمیر کو سربراہِ خانہ ہونا چاہیے...... میں خود تو الگ نہیں ہوا تم سب سے، مگر تمہارا کیا خیال ہے کہ تم لوگوں کا یہ انتخاب مجھے ہر بار یہ بات باور نہیں کراتا کہ عمیر بہر لحاظ مجھ سے بہتر منتظم ہے...... پھر آخر میں کیوں مسلط کروں اپنے آپ کو تم سب پر......؟ اور جب یہ انتخاب تم سب کا ہے تو پھر آخر مجھ سے کس بات کا شکوہ ہے؟''، ابو بکر صاحب تھکے ہوئے انداز میں بولے۔

''رہنے دیجیے بھائی جان...... انتخاب...... چناؤ...... میری پسند اور مرضی کا سربراہ...... میں نہیں جانتا یہ کن چڑیاؤں کے نام ہیں۔ آپ کے خیال میں میں عمیر کو اپنا ووٹ دیتا ہوں...... کیا واقعی آپ کو مجھ سے یہ توقع ہے......؟ بلکہ مجھ سے ہی کیا، جاوید، اباجی یا صولت آپا سے آپ یہ توقع کرتے

ہیں......؟"۔ عثمان صاحب نے براہِ راست ان کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال کیا۔ ابو بکر صاحب نظر چرا گئے تھے۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟ تمہاری نہ سہی، گھر کی اکثریت کی تو یہی مرضی و منشا ہوتی ہے ناں......؟ نتیجہ تو بہر حال یہی نکلتا ہے......"۔

"مگر ایسا ہونا تو نہیں چاہیے ناں......گھر میں بہر حال بڑوں کی نسبت بچوں کی اکثریت ہے......یا یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ عقل والوں کی نسبت کم عقلوں کی اکثریت ہے۔ اس لیے نتیجہ تو یہی نکلے گا۔ بھلا میرے اور شہیر کے ووٹ کی ایک ہی قیمت اور حیثیت ہے......؟ کیا یہ انصاف ہے بھائی جان؟"، انہوں نے جاوید صاحب کے بیٹے شہیر کی مثال دیتے ہوئے کہا جو ابھی حال ہی میں سات سال کا ہوا تھا، اور آنے والے الیکشن میں پہلی بار ووٹ ڈالنے والا تھا۔ "......میں سوچ سمجھ کر، بہت سی مصلحتوں کو سامنے رکھتے ہوئے، ماضی و مستقبل کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنا ووٹ ڈالتا ہوں، شہیر اس لیے ووٹ ڈالتا ہے کہ کونسا نمائندہ اسے زیادہ بڑی چاکلیٹ آفر کرتا ہے......کیا یہ دونوں ووٹ برابر ہیں؟......اور نتیجہ کیا نکلتا ہے......کہ زیادہ چاکلیٹیں کھلانے والے جیت جاتے ہیں اور میں اپنے اکلوتے ووٹ کے ساتھ منہ دیکھتا رہ جاتا ہوں......"۔

"مگر عثمان......جمہوریت میں تو یونہی ہوتا ہے......اس بارے میں کیا بحث کریں۔ تم یہ بھی تو دیکھو ناں کہ اس میں ہماری کوتاہی ہے کہ بچے زیادہ چاکلیٹیں کھلانے والے کو ووٹ دیتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم نے اپنے بچوں پر محنت ہی نہیں کی، ان کے ذہن ہی تیار نہیں کیے کہ ووٹ ڈالنے سے پہلے وہ کن چیزوں کو مدِ نظر رکھیں......"۔

"معذرت کے ساتھ بھائی جان......میں نہیں سمجھتا کہ اتنا چھوٹا بچہ اتنی بڑی باتیں سمجھ سکتا ہے۔ بلکہ شہیر تو بہت چھوٹا ہے، مجھے تو ان بڑوں سے جو بالغ ہونے کے باوجود ذہنی طور پر نابالغ رہ گئے ہیں، کسی طور یہ توقع نہیں ہے کہ وہ ووٹ ڈالنے سے پہلے اپنے اپنے ذاتی مفاد کے علاوہ بھی کچھ سوچتے سمجھتے ہیں......اور اس سلسلے میں ہماری تعلیم و تربیت شاید ہی کوئی فائدہ یا اثر دکھائے......نہیں......میرے تو خیال میں یہ سسٹم ہی غلط ہے"، عثمان صاحب شاید مایوسی کی انتہا پر تھے۔

"......نہیں عثمان، تم خواہ مخواہ جذباتی ہو رہے ہو......اس میں سسٹم کا کیا قصور ہے؟ سسٹم بالکل ٹھیک ہے، ہمیں اپنی غلطی اور کوتاہی پر نظر کرنی چاہیے۔ ہم نے ذہنی طور پر اپنے گھر اور بچوں پر کوئی محنت ہی نہیں کی۔ آٹھ مہینے پہلے ہم نے یہ محنت کی تھی تو کیا نتائج مختلف نہیں تھے؟......مگر ایک بار عمیر سربراہ بنا تو اس کے بعد ہم اپنی ساری کوشش اور جدوجہد ترک کر کے بیٹھ گئے۔ ہم صرف اس وقت کام کرتے ہیں جب الیکشن سر پر آجاتے ہیں......حالانکہ ضرورت اس چیز کی ہے کہ سربراہی ہمارے ہاتھ میں ہو یا نہ ہو، مگر ہم ہر ٹرم میں اپنے گھر والوں کی ذہنی تیاری کریں"، عثمان صاحب کی بات نے ان کے ذہن میں کسی اور کی یاد تازہ کر دی تھی، وہ اس یاد کو جھٹکتے ہوئے بے چینی سے بولے۔

"مجھے ہر ٹرم کے دوران بچوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت سے کوئی اختلاف نہیں، بحیثیت باپ یہ ہمارا فرض بھی ہے......لیکن اس کے باوجود......اس کے باوجود میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ جمہوریت والا سسٹم ٹھیک نہیں ہے......یا کم از کم ہمارے لیے ٹھیک نہیں ہے۔ پچھلی ٹرم میں بہت محنت کی تھی، اس کے نتیجے میں آپ سربراہ بنے بھی، مگر پھر کہاں گئی وہ ساری تربیت......؟ چار مہینے نہ نکال سکی اور اگلی ٹرم میں پورے گھر نے عمیر کو بطور سربراہ چن لیا!......اب کیا ہر ٹرم میں میں اپنے بچوں کو از سرِ نو یہ بات سمجھایا کروں کہ انہیں ووٹ کس کو دینا چاہیے؟ کیا ہر چار مہینے بعد یہ ثابت کیا کروں کہ میں تمہارا باپ ہوں، اس لیے تم لوگوں کے ووٹوں کا حق دار ہوں؟"۔

"یہی تو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں عثمان......اگر ہم پوری پوری ٹرم اس بات پر محنت کیا کریں، بلکہ اس کو اپنا نصب العین بنالیں، مستقل یہ بات اپنے بچوں اور دیگر اہلِ خانہ کے ذہنوں میں ڈالیں تو ہمیں ہر چار ماہ بعد از سرِ نو یہ محنت نہیں کرنی پڑے گی......میرے خیال میں ہمیں ایک بار پھر مل بیٹھ کر منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے، کہ اب کیسے حالات کو سدھارا جائے......"۔ عثمان صاحب کی باتوں نے ابو بکر صاحب میں کچھ کرنے کا حوصلہ تازہ کر دیا تھا، ان کو اپنے سامنے راستہ صاف نظر آرہا تھا۔ وہ ایک بار پھر منصوبہ بندی اور محنت کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ خود عثمان صاحب جانے قائل ہوئے تھے یا نہیں، لیکن خاموش ضرور ہو گئے تھے۔

آج عثمان صاحب اور نبیلہ والے حادثے کو گزرے پانچواں دن تھا، مگر اس کے باوجود گھر کی فضا شدید ٹینشن کا شکار تھی۔ نبیلہ اور فاطمہ اپنے پورشن میں بالکل کمرہ نشین ہو کر رہ رہی تھیں۔ نہ وہ کھانے پینے کے اوقات میں باہر نکلتیں نہ ہی کسی سے بات چیت کرنے پر راضی نظر آتی تھیں۔ گو کہ گھر کی تقریباً تمام خواتین کو نبیلہ سے اس حوالے سے ہمدردی تھی کہ بھرے مجمع میں عثمان صاحب نے اس پر ہاتھ اٹھالیا، مگر نبیلہ اور اس کی مشیران گھر کی خواتین سے بھی چند ناگزیر جملوں کے سوا کوئی بات نہ کرتی تھیں۔ دوسرے پورشن میں ہادیہ و جویریہ بھی نبیلہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنے کمرے میں بند رہنے کی کوشش کرتیں مگر انہیں اس سلسلے میں نبیلہ کی طرح کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ پہلے دن کے بعد ہی عثمان صاحب نے سختی سے حکم جاری کر دیا کہ سب بچے کھانے کے اوقات میں کھانے کی میز پر موجود ہونے چاہئیں۔ اسی طرح شام کی چائے بھی اب وہ تمام بچوں کے ساتھ پابندی سے لاؤنج میں بیٹھ کر پیتے تھے، اور اس وقت میں سب بچوں کی موجودگی انہوں نے لازم قرار دے دی تھی۔ سو چار و ناچار ہادیہ اور جویریہ کو بھی تعمیل کرنی پڑتی۔ مگر وہ ستے ہوئے چہروں اور خفگی بھرے دلوں کے ساتھ باپ کے پاس آکر بیٹھتیں اور الّا یہ کہ ان سے کوئی سوال کیا جائے، وہ خاموش ہی رہتیں۔ نور آج کل اپنے کمرے سے غیر رسمی طور پر بے دخل ہو چکی تھی مگر ہادیہ اور جویریہ کے لیے فیملی کے دیگر افراد کے ساتھ رابطے کا ذریعہ بھی وہی تھی۔ قصّہ مختصر یہ کہ ان کا خاموش احتجاج جاری تھا۔ اور گو کہ عثمان صاحب حد درجہ بے نیازی کا اظہار کرتے تھے لیکن اندر ہی اندر وہ اپنے بچوں کے رویوں پر شدید پریشانی اور الجھن کا شکار تھے۔

گھر کے لڑکے خلافِ معمول سارے معاملے پر خاموش رہے تھے۔ بہنوں کو ستانا، چڑانا اور ان کے جذباتی جملوں اور ارادوں کا مذاق اڑانا وغیرہ سب آج کل بالکل بند تھا۔ زوار نے تو عثمان چچا کے روّیے کی کھلم کھلا مذمت بھی کی تھی، باقیوں میں سے کوئی کچھ بولا تو نہ تھا، مگر گھر کے افراد میں سے کوئی بھی اس واقعے سے خوش نظر نہ آتا تھا، گو کہ بعض کا خیال یہ بھی تھا کہ نبیلہ آپی واقعی حد سے گزر رہی تھیں۔ گھر کی فضا اس وقت مزید خراب ہو جاتی جب باہر گلی سے نعروں اور ہوٹنگ کی آواز آتی۔ شروع میں تو یہ سلسلہ بہت زیادہ تھا گو کہ دوسرے تیسرے دن کے بعد اس میں کافی کمی آگئی۔ نبیلہ سے ہمدردی رکھنے والے عموماً شام کے یا صبح کے اوقات میں ان کے گیٹ کے باہر جمع ہو جاتے اور کچھ دیر نعرہ بازی کرنے اور اکّا دکّا پتھر ان کے لان میں اچھالنے کے بعد منتشر ہو جاتے۔ یہ ہجوم زیادہ تر کالج اور قریب واقع ہائی سکول کے لڑکے لڑکیوں پر مشتمل ہوتا، جو فیس بک پر مسلسل خاتون مہم کے ارکان سے رابطے میں تھے اور ان کی مشکلات پر ان سے ہمدردی رکھتے تھے۔ اظہارِ یکجہتی کے لیے انہیں یہ طریقہ سوجھا تھا۔ جس جس کے کمرے کی کھڑکی گیٹ کی جانب کھلتی تھی، وہ براہِ راست مشاہدہ بھی کر لیتا، ورنہ آوازیں تو سبھی کے کانوں میں پہنچتی تھیں۔ اور صولت بیگم، فائزہ بیگم اور گھر کی بڑی خواتین کے لیے یہ سلسلہ بہت تکلیف دہ تھا۔ انہیں کئی سال ہو چکے تھے اس محلّے میں رہتے ہوئے، مگر ایسی خجالت اور شرمندگی سے ان کا پہلی بار واسطہ پڑا تھا۔

عمیر اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کر چکا تھا نبیلہ کو منانے کی۔ مگر نبیلہ کی ایک ہی رٹ تھی کہ جب تک گھر کے مرد خواتین کے وجود، ان کی اہمیت اور ان کے حقوق کو تسلیم نہیں کریں گے، وہ اپنا احتجاج ختم نہیں کرے گی۔ اسے عثمان صاحب یا عمیر کی جانب سے کسی معذرت کی طلب نہیں تھی۔ اس کی نظر میں خواتین کے حقوق کا تحفظ تبھی ممکن تھا جب گھر میں کسی خاتون کو سربراہِ خانہ کے مساوی اختیار دیا جاتا اور سربراہِ خانہ کو اس بات کا پابند کیا جاتا کہ وہ ہر معاملے میں اپنی اس ہم منصب سے مشورہ کرے گا۔ گو کہ وہ مشورہ قبول کرنے کا پابند نہیں ہو گا، لیکن اگر کسی معاملے میں خاتون ہم منصب کی رائے اس کی رائے کے ساتھ مطابقت نہ رکھتی ہو تو سربراہِ خانہ کو اکیلے اس معاملے کا فیصلہ کرنے کا اختیار نہ ہو گا۔ یا بصورتِ دیگر چونکہ وہ ایک آزاد و خود مختار جمہوریت تھے، تو تین ایسی ٹرمز کے بعد کہ جن میں گھر کی سربراہی مردوں کے ہاتھ میں رہی تھی، اب ایک موقع خواتین کو بھی ملنا چاہیے۔

اور اس سب پر مستزاد الیکشن کے دن تیزی سے قریب آ رہے تھے۔ گو کہ نبیلہ نے رسمی طور پہ الیکشن کا بائیکاٹ کر رکھا تھا، اور اس کی گھر کی خواتین سے بات چیت بھی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ مگر اب جب بھی اسے موقع ملتا تو وہ نسرین، بینش، فائزہ بیگم اور گھر کی دیگر خواتین کے سامنے چھوٹے چھوٹے تلخ جملوں کی صورت میں یہ بات ضرور کرتی کہ گھر میں ان سب کی پوزیشن کس قدر کمزور اور بے حقیقت تھی۔ اور یہ کہ ان کے گھر کو ایک خاتون سربراہ کی کس قدر اشد ضرورت تھی۔ ایسی سربراہ جو خواتین کے مسائل اور خواہشات کو سمجھتی ہو۔ جو مردانہ تعصب کی نظر سے ہر خاتون کو نہ دیکھتی ہو، بلکہ جو خواتین کی مشکلات اور پریشانیوں کا حقیقی ادراک رکھتی ہو۔ اس کی باتیں عموماً ان تلخیوں اور ناانصافیوں کے گرد گھومتیں جن کا ان سب کو بحیثیت عورت وقتاً فوقتاً سامنا کرتے رہنا پڑتا تھا۔ ان کے برعکس عمیر کی پارٹی بہت سرگرم تھی۔ آج کل جگہ جگہ نوجوان پارٹی کے اسٹکر اور نعرے چسپاں نظر آتے۔ جوں جوں الیکشن کے دن قریب آ رہے تھے گھر کے لڑکوں کا انتظار بڑھتا جا رہا تھا کہ دیکھیں اس بار عمیر کیا آفر کرتا ہے۔ کسی کا کہنا تھا کہ موبائل کے بعد لیپ ٹاپ تقسیم ہونا چاہیے، کہ وہ وقت کی ضرورت ہے۔ کوئی کہتا کہ نہیں چونکہ اس بار خواتین نے اپنی پارٹی الگ کر لی ہے، اور نوجوان پارٹی اب خالصتاً مردانہ پارٹی بن گئی ہے، سو اس بار شاید چاچو کوئی مردانہ چیز آفر کریں گے، جیسے موٹر بائیک۔ یہ صہیب کا نادر خیال تھا۔ اور اس بار وہ ہر حال میں اپنے آپ کو انعام کا حقدار ثابت کرنے کے لیے پر عزم تھا۔

گھر میں ایک تیسری پارٹی بھی تھی۔ گو کہ یہ پارٹی بہت مختصر سی تھی مگر شاید عزم و ہمت کے اعتبار سے دیگر دونوں پارٹیوں سے کہیں آگے تھی۔ یہ ابو بکر، عثمان اور جاوید صاحب کی پارٹی تھی۔ گھر کے حالات کو دیکھتے ہوئے وہ تینوں ایک بار پھر کمر کس کے میدان میں اترے تھے۔ اور اس بار انہوں نے بہت عرق ریزی سے تفصیلی منصوبہ بندی کی تھی۔ نہ صرف الیکشن مہم چلانے کی بلکہ اس کے بعد حکومت بنانے اور اس کے نظم و نسق کی بھی۔ انہیں نظر آ رہا تھا کہ معاملات تیزی سے ان کے اختیار اور قابو سے باہر ہوتے جا رہے ہیں لہٰذا اب انہیں گھر کے حالات سدھارنے تھے، اور یہ ان کی اولین ترجیح بن گئی تھی۔ تینوں بھائی اٹھتے بیٹھتے اپنے اپنے گھر میں، اپنی بیگمات اور بچوں کے سامنے ذہن سازی کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر دوسرے تیسرے دن اپنے گھر والوں کے لیے تحفے تحائف لانا، انہیں باہر گھمانے پھرانے کے لیے لے جانا اور ان کی فرمائشیں پوری کرنے کی بھی غیر معمولی کوشش کر رہے تھے۔ چونکہ اب سب کو ماہانہ جیب خرچ ایک قانون کے تحت ملتا تھا اس لیے تینوں بھائیوں میں سے کسی کے پاس بھی ان کاموں کے لیے اضافی رقم موجود نہیں تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے کچھ اباجی کی مدد سے اور کچھ اپنے اپنے کھاتے جمع کر کے اتنی رقم جمع کر لی تھی کہ جس کے ذریعے یہ اضافی خرچے پورے کیے جا سکیں۔

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ نبیلہ نے ہاتھ میں پکڑی کتاب کا صفحہ پلٹتے ہوئے ایک بار پھر ایک محتاط نظر فاطمہ پر ڈالی۔ مگر اسے اتنی احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔ فاطمہ پچھلے دس منٹ سے اونگھ رہی تھی۔ وہ ٹیبلٹ سے ائیر فونز کو نیکٹ کیے کچھ سنتے سنتے بہت دیر سے اونگھ رہی تھی۔ لیکن اب تو وہ یقینی طور پر نیند کی وادی میں پہنچ چکی تھی۔ نبیلہ نے آہستگی سے کتاب سائڈ پر رکھی اور اپنے سنگل بیڈ سے اٹھ کر بغیر آواز پیدا کیے فاطمہ کی طرف بڑھی۔ نہایت آہستگی سے اس نے اس کے کانوں سے ائیر فونز نکالے اور گود سے ٹیبلٹ اٹھا کر واپس اپنے بیڈ پر آ بیٹھی۔ چند ٹیپس اور سکرولز کے بعد سکرین پر اس کا فیس بک اکاؤنٹ کھلا ہوا تھا۔ پیغامات کے

خانے میں سامنے ہی آج صبح موصول ہونے والا وہ پیغام رکھا تھا، جس کی خاطر وہ ابھی تک جاگ رہی تھی۔

"تمہارا خاموش احتجاج اب چند روز سے زیادہ چلنے والا نہیں۔ اگر اس کے اپنے آپ دم توڑ دینے سے پہلے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتی ہو تو آج رات سرونٹ کوارٹر کی جانب والے ٹیرس پر مجھ سے ملو"۔

پیغام میں کوئی وقت متعین نہیں کیا گیا تھا۔ وہ اس بارے میں ہادیہ یا فاطمہ سے مشورہ کرنا چاہتی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ فاطمہ تو چھوٹتے ہی یہ کہتی کہ یقیناً یہ مردوں میں سے کسی کی سازش ہو گی اور انہیں قطعاً اس پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ جبکہ ہادیہ خود اسی کو پریشان نظروں سے دیکھتی اور کہتی کہ آپی! ہمیں کسی کی مدد کی کیا ضرورت ہے؟ جب ہم حق پر ہیں تو جیت تو ہر صورت میں ہماری ہی ہو گی۔ مگر وہ اتنی بیوقوف نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ حالات کو اپنے حق میں ڈھالنے کے لیے خود اپنے ہاتھ پاؤں کچھ نہ کچھ ہلانے پڑتے ہیں۔ حالات خود بخود آپ کے موافقِ حال نہیں ہو جاتے۔ یہ دنیا کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر کھڑی ہے۔ اور لین دین کے اس کھیل میں جیت اس کھلاڑی کی ہوتی ہے جو اپنی ترجیحات اپنے سامنے واضح رکھے۔ دینے کی صورت میں وہ کیا کچھ دے سکتا ہے اور لیتے ہوئے اسے کس چیز کو اپنی ترجیح بنانا ہے، کس وقت کیا لینا ہے اور کس وقت کیا دینا ہے، اور اگر موقع ملے تو کس وقت جھپٹ لینا ہے، ان تمام امور کا فیصلہ بہت زیادہ ہوشیاری اور ہوش مندی کا تقاضا کرتا ہے۔

اس کے ذہن میں صبح نسرین آپا سے ہونے والی گفتگو تازہ ہو گئی۔ وہ ناشتہ کے بعد ابو بکر صاحب کا پیغام لے کر اس کے پاس آئی تھیں۔ ابو بکر صاحب چاہتے تھے کہ وہ اپنی ناراضگی بھلا کر ان کے پاس آ جائے۔ وہ اس کے تمام گلے شکوے اور شکایات سنیں گے اور انہیں رفع کریں گے۔ وہ ان کی بہت سمجھدار بیٹی تھی اور انہیں اس سے بہت سی توقعات تھیں، وہ سمجھتے تھے کہ اگر نبیلہ خود بھی ٹھنڈے دل سے غور کرے تو اسے اپنے چچا سے شکایت نہ ہو گی، لیکن اگر پھر بھی اس کا دل صاف نہ ہوا تو عثمان صاحب اس کو منانے کے لیے تیار تھے۔ اور گو کہ یہ ابو بکر صاحب کے الفاظ نہ تھے، مگر شاید نسرین کے اس مشورے کے پیچھے کار فرما خواہش ابو بکر صاحب ہی کی تھی، کہ نبیلہ کے لیے بہترین راستہ یہی تھا کہ وہ اپنے والد اور چچا سے مصالحت کر لے، اس طرح تمام مسائل کا حل آسان ہو جائے گا اور پچھلے کچھ عرصے میں جتنی زیادہ غلط فہمیاں اور دوریاں ان باپ بیٹیوں کے درمیان پیدا ہو رہی تھیں، ان کا بھی ازالہ ہو جاتا۔

نسرین آپا کے اس پیغام پر وہ اور فاطمہ دونوں بھڑک اٹھی تھیں۔ اس پیغام نے ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑکنے کا کام کیا۔ آخر وہ کیوں اپنے والد یا چچاؤں میں سے کسی پر اعتبار کریں، جب ابھی چند دن پہلے ہی ان کے ایک چچا نے انہیں پوری دنیا کے سامنے ذلیل و بے عزت کیا تھا۔ ان کے مسائل کا حل جھکنے اور مصالحت کرنے میں نہیں تھا، یہ سب تو وہ ساری زندگی کرتی آئی تھیں۔ اب تو سر اٹھا کر جینے کا وقت تھا، اب تو صنفِ مخالف کی باری تھی کہ وہ ان کے سامنے جھکتے اور ان سے مصالحت کی کوشش کرتے، ابھی ہی تو وہ اپنے حقوق کے حوالے سے آگاہ و بیدار ہوئی تھیں، اب ہی تو انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ کسی معاملے میں صنفی تفریق برداشت نہ کریں گی۔ وہ کیسے اپنے اصولوں پر سمجھوتہ کر لیتیں۔ سمجھوتے کا مطلب تھا دوبارہ اس زندگی پر راضی ہو جانا جس میں سارے کام اور سارے بوجھ عورت کے کندھوں پر آتے ہیں جبکہ ساری عیاشیاں اور راحتیں مرد کے حصّے میں۔

نسرین آپا کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی اسے اپنے موبائل پر فیس بک میسنجر پر موصول ہونے والے پیغام کا نوٹیفیکیشن ملا۔ پیغام جس اکاؤنٹ سے آیا تھا وہ اس کے لیے انجان تھا۔ مگر پیغام کھولتے ہی وہ اس کا مطلب و مقصد واضح طور پر سمجھ گئی تھی۔ پھر سارا دن اس کا یہی تانے بانے بنتے گزرا تھا کہ کیا کیا جائے۔ وہ جائے یا نہ جائے؟ وہ مشورہ کرنا چاہتی تھی مگر کس سے کرتی۔ ابھی بمشکل گھنٹہ بھر پہلے تو کتنے واشگاف انداز میں اس نے نسرین آپا سے کہا تھا کہ وہ اور اس کی ساتھی ہرگز ہرگز اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہ کریں گی۔ ہادیہ اور فاطمہ کے جوابوں کا اسے بہت اچھی طرح اندازہ تھا۔ جویریہ سے بات کرنا بالکل بیکار تھا، وہ ہادیہ کے سائے میں رہتی تھی، جو کچھ ہادیہ کہتی، وہ بھی بنا سوچے سمجھے دہرا دینے کی عادی تھی۔ ہاں شاید بینش چچی کوئی اچھا مشورہ دے سکتیں۔ مگر یہ نکتہ اٹھائے بغیر، بلکہ جتائے بغیر وہ بھی نہ رہنے والی تھیں کہ مثبت جواب دینے کی صورت میں وہ لا محالہ کسی مرد کی احسان مند یا کم سے کم مصالحت تو کرنے ہی والی تھی۔

وہ ٹیبلٹ بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ قریب رکھی کرسی کی پشت پر اس کی سنہری بارڈر والی سفید بڑی چادر لٹک رہی تھی۔ اس نے وہ اٹھا کر سلیقے سے اوڑھی اور آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ہلکا سا بے رنگ لِپ گلوس اس نے عادتاً ہی اٹھا کر ہونٹوں پر لگا لیا۔ سفید چادر کے ہالے میں، موٹا سا چشمہ آنکھوں پر لگائے، اس کا چہرہ کم ہی دکھائی دے رہا تھا۔ دروازے تک پہنچ کر بھی وہ گو مگو کی کیفیت میں گھری ہوئی تھی۔ اب تک وہ جانے یا نہ جانے کا فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ اور اب تو یہ اضافی بے یقینی بھی تھی کہ نجانے پچھلی جانب والے ٹیرس پر کوئی اس کا منتظر بیٹھا بھی ہو گا یا نہیں۔ دروازے کا ہینڈل گھماتے ہوئے اس نے مڑ کر دیوار گیر گھڑی پر نظر ڈالی۔ بارہ بجنے میں پانچ منٹ تھے۔

وہ بہت احتیاط سے دبے قدموں چلتے ہوئے بالائی منزل پر پہنچی، اور پھر لاؤنج کے پچھلی طرف بنے ٹیرس کے دروازے تک۔ لاؤنج میں کھلنے والے چاروں دروازے اس وقت بند تھے اور سوائے نسرین کے کمرے سے آتی ہلکے سے نائٹ بلب کی روشنی کے، کہیں کوئی اور روشنی جلتی نظر بھی نہ آ رہی تھی۔ اس نے آہستگی سے ٹیرس کا دروازہ کھولا اور باہر قدم رکھا۔ ٹیرس پر چند قدم آگے بڑھنے اور محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے پر کسی کو بھی نہ پا کر اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔ گویا کہ پیغام بھیجنے والا اس کا انتظار کر کے جا چکا ہے......یا پھر شاید وہ کبھی آیا ہی نہ تھا۔ جو کچھ بھی تھا، وہ شاید یہ موقع گنوا چکی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی......تم نے اتنا وقت لگایا کہ میں اب جانے ہی والا تھا......مگر بہر حال تم نے اچھا فیصلہ کیا"، اپنے عقب سے ابھرتی یہ ہلکی سی آواز نبیلہ کی جان لینے کو کافی تھی۔

وہ تیزی سے گھومی، ٹیرس کے دروازے کے بالکل ساتھ کرسی پر بیٹھا، وہ اسی کا منتظر تھا۔ ”آؤ بیٹھو!...... بیٹھ کر بات کرتے ہیں......“، اس نے اپنے ساتھ رکھی کرسی کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

جمعۃ المبارک۔ ۲۸ دسمبر، ۲۰۱۸ء

آج الیکشن کا دن تھا۔ آج جمہوریت کو ہاشمی ہاؤس میں نافذ ہوئے ایک سال مکمل ہو گیا تھا۔ اگلے دن بروز ہفتہ، عمیر نے سب گھر والوں کے لیے اپنی جانب سے دعوت کا اہتمام کر رکھا تھا کہ ۲۹ تاریخ کو وہ اپنے گھر میں جمہوریت کی پہلی سالگرہ منا رہے تھے۔ آج سے ایک سال قبل اس گھر میں پہلا الیکشن منعقد ہوا تھا۔ سبھی کے ذہنوں میں آج اس کی یاد بھی تازہ تھی۔ ایک سال کے اندر وہ کتنا طویل سفر طے کر آئے تھے۔ آج بھی وہ سب گھر کے ڈرائنگ روم میں جمع تھے۔ پردے کی ایک جانب مرد اور دوسری جانب خواتین۔ مگر آج کے الیکشن اور سال بھر پہلے کے الیکشن میں بہت فرق تھا۔ آج دونوں کمرے الیکشن جیسی تقریب کے شایانِ شان سجائے گئے تھے۔ جگہ جگہ تینوں پارٹیوں کے لوگو، ان کے سٹکر اور سلوگن، ان کے نعرے اور اہداف بیان کرتے پوسٹر اور بینر آویزاں تھے۔ دونوں کمروں میں مناسب جگہوں پر کیمرے بھی نصب کیے گئے تھے جو پوری تقریب کی ریکارڈنگ کر رہے تھے۔

ایک عجیب مگر خوشگوار اتفاق یہ ہوا تھا کہ الیکشن سے محض تین روز قبل نبیلہ اور اس کی پارٹی نے اپنی ناراضگی ختم کر کے الیکشن میں حصّہ لینے کا اعلان کر دیا تھا۔ گو کہ یہ سبھی کے لیے غیر متوقع تھا مگر ایک عرصے کے بعد انہیں سب میں گھلتا ملتا دیکھ کر سبھی نے شکر ادا کیا اور اس تبدیلی کو خوش آئند سمجھ کر قبول کر لیا۔

تین بجتے ہی ابّا جی اپنا ووٹ ڈالنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس ایک سال کے اندر ابّا جی پہلے کی نسبت بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ گو کہ وہ آج بھی اپنی لاٹھی کا سہارا لیے ہوئے تھے لیکن ان کے وجود کا زیادہ تر بوجھ جاوید صاحب نے اٹھایا ہوا تھا، جو آہستہ آہستہ انہیں سہارا دے کر ان کے کمرے تک لے گئے، جہاں انہوں نے جلدی سے اپنی پرچی کمرے کے وسط میں رکھے شیشے کے ڈبے میں ڈالی اور جاوید صاحب کو اشارہ کیا کہ انہیں ان کے بیڈ تک پہنچا دیں۔ شام پانچ بجے تک سبھی اپنا ووٹ ڈال کر فارغ ہو چکے تھے۔ نسرین آپا ووٹوں کا ڈبہ اٹھائے ابّا جی کے بستر پر براجمان، ووٹ شمار کرنے کی خدمت سر انجام دے رہی تھیں، جبکہ باقی سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے، نتائج کے اعلان تک چائے اور ہلکے پھلکے سنیکس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

آج بھی ان سب کے چہروں سے ان کی اندرونی کیفیات کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ عمیر اور زوار کے چہرے ایک خاص اطمینان اور اعتماد لیے ہوئے تھے، جیسے انہیں پہلے ہی خبر تھی کہ نتائج انہی کے حق میں ہوں گے۔ ان کی باتیں، حرکتیں اور خوش گپیاں، سبھی اس اعتماد کا مظہر تھیں۔ ابو بکر، عثمان اور جاوید صاحب اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے امید کی روشنی لیے ہوئے تھے مگر فکر کی پرچھائیں بھی صاف نظر آ رہی تھیں۔ جبکہ خواتین کی جانب نبیلہ، ہادیہ اور فاطمہ بھی خاموش بیٹھی تھیں۔ ہادیہ کے ہونٹ مختلف دعاؤں اور وظیفوں کے ورد میں بے آواز ہل رہے تھے۔ انہیں اپنی جیت کی کوئی خاص توقع نہ تھی، تین روز قبل ہی تو وہ میدان میں اتری تھیں، لیکن بہر حال ایک امید انہیں بھی تھی، اور امید پر ہی تو دنیا قائم ہے۔

دروازہ کھلنے کی آواز پر خواتین نے مڑ کر دیکھا، نسرین آپا اندر داخل ہوئیں، ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا پرچہ تھا۔

”ابّا جی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... وہ کہہ رہے تھے کہ وہ آرام کریں گے، سو میں ہی نتائج کا اعلان کر دوں......“، وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولیں۔

”ٹھیک ہے...... نذیر! تم باہر چلے جاؤ...... نسرین اس طرف آ کر اعلان کر دے گی......“، سب کی خاموشی پر آخر عمیر کو ہی کہنا پڑا۔ نذیر کے جاتے ہی درمیانی پردہ سرکا دیا گیا اور نسرین آپا دونوں کمروں کے درمیان ایسی جگہ کھڑی ہو گئیں کہ جہاں سے دونوں اطراف تک ان کی آواز بآسانی پہنچ جاتی۔

”...... آہم...“، وہ ہلکا سا کھنکھاریں، ”...... کل پچیس ووٹ ڈالے گئے تھے......“، وہ رکیں۔ سب کی سانسیں گویا ان کی آواز کے ساتھ ہی رک گئی تھیں۔ کمرے میں ایک جامد خاموشی تھی۔

”پچیس میں سے پانچ ووٹ ملے ہیں عمیر ہاشمی کو......“

”٦ ووٹ...... ابّو! آپ کو...... میرا مطلب ہے ابو بکر ہاشمی کو......“

”...... اور بقیہ ۱۴ ووٹ نبیلہ ہاشمی کے حصّے میں آئے ہیں......!!“۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

اعلان از ادارہ

مجلّہ ’نوائے غزوۂ ہند‘ کے تمام معزز لکھاریوں سے التماس ہے کہ اپنے مضامین ہر ماہ کی تیس (30) تاریخ تک[1] مجلّے کی مجلسِ ادارت تک (بذریعۂ ای میل یا جو طریقۂ رابطہ کاری آپ سے طے ہو) پہنچا دیا کیجیے۔

شکریہ، جزاکم اللہ خیراً کثیراً!

---

[1] مثلاً اگر آپ جنوری ۲۰۲۱ء کے شمارے کے لیے مضمون بھیجنا چاہتے ہیں تو اسے تیس (30) دسمبر ۲۰۲۰ء تک مجلّے کی مجلسِ ادارت تک پہنچا دیجیے۔

پہلا وار تم کرلو، دوسرا ہمارا ہے!

سندھ و ہند کے حکمرانوں کے نام، جن کا مستقبل بیڑیوں میں جکڑا جانا ہے!

طاقتیں تمہاری ہیں اور خدا ہمارا ہے
عکس پر نہ اتراؤ، آئینہ ہمارا ہے

آپ کی غلامی کا بوجھ ہم نہ ڈھوئیں گے
آبرو سے مرنے کا فیصلہ ہمارا ہے

عمر بھر تو کوئی بھی جنگ لڑ نہیں سکتا
تم بھی ٹوٹ جاؤ گے، تجربہ ہمارا ہے

اپنی رہنمائی پر اب غرور مت کرنا
آپ سے بہت آگے نقشِ پا ہمارا ہے

غیرتِ جہاد اپنی زخم کھا کے جاگے گی
پہلا وار تم کر لو، دوسرا ہمارا ہے

بابری مسجد!
تیری ناموس کی حفاظت کی خاطر
ہم وقت کے صلاح الدین ومحمود آرہے ہیں!